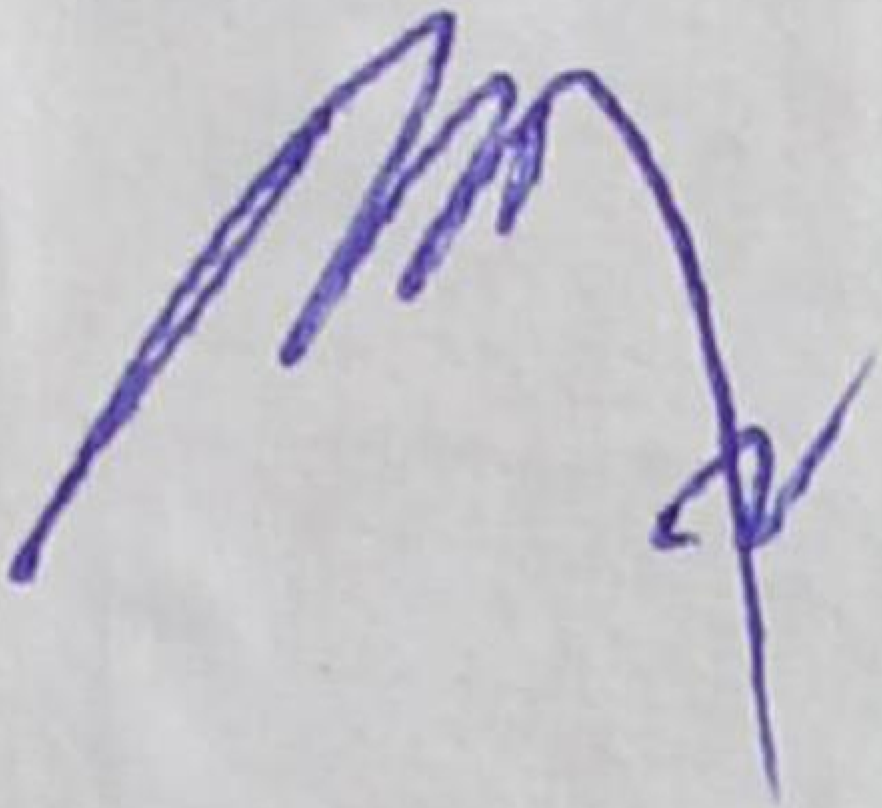

U1

Cat by [illegible]

کلیات

حسرت موہانی

شیخ غلام محمد اینڈ سنز
تاجران کتب
مائیسمہ بازار سری نگر کشمیر

مولانا حسرت موہانی

تعداد ______ ۱۰۰۰
طابع ______ نعمانی پریس
قیمت ______ ۱۵-۰۰
______ ۱۹۷۷

KASHMIR UNIVERSITY
Iqbal Library
Acc. No 180847
Dated 8-1-1980

ALLAMA IQBAL LIBRARY
180847

ST 01

شفیق بک ڈپو اردو بازار جامع مسجد دہلی

859

فہرست مضامین

پیش گفت ۵
سوانح حیات ۹
مرحومہ بیگم حسرت موہانی ۵۱
سلسلہ طریقت ۵۵
سلسلہ سخن ۶۶
تصانیف ۷۷
طرز اصلاح ۸۰
کلام پر تبصرے ۸۳
کلیات ۹۱

ملنے کا پتہ

نازپبلشنگ ہاؤس پہاڑی بھوجلہ دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

پیش گفت

(مولانا جمال الدین عبدالوہاب صاحب المعروف بہ جمال میاں فرنگی محلی)

مولانا سید فضل الحسن حسرت موہانی کی شخصیت تعارف کی محتاج نہیں ہماری داستانِ حرت کے عنوان میں ان کا نام اور اس کے ہر باب میں ان کے کارنامے ہیں ان کے ارادے عہد اور نگاہ دور رس تھی۔ انہوں نے پچاس برس پہلے آزادی کامل کا نعرہ لگایا اور اس کے حصول کا مکمل لائحہ عمل پیش کیا۔ پاکستان کے وجود میں آنے سے دس سال پہلے اس کا خاکہ بنایا اور ایک سال پہلے اس کے آئین کے بنانے پر زور دیتے رہے۔ پاکستان بننے کے بعد وہ ہندوستان میں رہے اور جس طرح برطانوی استعمار کے شباب میں اس کے جہاد سے نہیں ڈرے۔ اسی طرح کانگریسی عہد کے عروج کے زمانے میں نئے حاکموں کی بدعنوانیوں پر احتجاج سے نہیں جھجکے حالات کتنے ہی ناساز گار ہوئے مگر وہ مطمئن اور مستقل رہے ؎

ہر حال میں رہا جو ترا آسرا مجھے

مایوس کر سکا نہ ہجوم بلا مجھے

ان کی شخصیت کی طرح ان کی شاعری بھی توصیف سے مستغنی ہے حاکموں نے ان کو ستانے اور نقصان پہنچانے کیلئے قید کی سزائیں دیں۔ لیکن چکی کی مشقت اور تنہائی کی اذیت سے ان کی فطری حسن نوازی اور مشقبازی میں اضافہ ہوا۔ ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کی جھنکار نے معجز نگار حسرت کو نغمہ سرا کر دیا اور ان کی سخن گوئی سے اردو غزل زندہ اور شگفتہ ہو گئی ہے

خوب لکھی غزل جزاک اللہ

حسرتِ سحر کار کیا کہنا!

کلیات حسرت ان کے حالات اور خیالات کا ایک دلکش مرقع ہے اور غزل گوئی کا انتخاب ہے اور ہر حیثیت سے لاجواب ہے۔

ان کی ہمہ گیر شخصیت کا تصور کرتے ہی ان کی درویشی و سادگی استقلال و بہادری جرأت و حق گوئی کے اوصاف ذہن میں آجاتے ہیں مگر ان کا سب سے نمایاں وصف ان کی "فطری بے غمی" اور "بہر حال شادمانی" تھا جب وہ پہلی بار جیل جارہے تھے دیوانِ حافظ ان کے پاس تھا۔ جس کی یہ غزل فال کی طرح نکلی اور قید خانہ میں وہ اس کو برابر دہراتے رہے۔ ے

خیز تا در مے کشا دے طلبم

بر در دوست نشینم و مرادے طلبم

اس غزل میں ایک شعر ایسا ہے جس میں مولانا حسرت کے پورے فلسفہ حیات کی ترجمانی ہے

چوں غمت ناتواں یافت مگر یا دل شاد

ما بہ امید غمت خاطر شادے طلبم

وہ بلاشبہ سید الاحرار اور رئیس المتغزلین ہیں مگر ان کا اصلی رتبہ ان درجات سے بلند ہے وہ سچے صوفی اور سچے ولی تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی بے نظیر شخصیت ان کے پیر کی سب سے بڑی کرامت اور ان کی شاعری مرشد کی جناب میں بہترین نذر عقیدت ہے

نذر رزاق ہے حسرتؔ مرے اشعار کا داغ

جمالؔ ۔ ۲۹ شعبان معظم ۱۳۷۷ھ

نوٹ: کلیات حسرتؔ کے مقدمہ کے سلسلہ میں درج ذیل کتابوں اور رسالوں سے مواد اخذ کیا گیا ہے اور بعض جگہ پوری پوری عبارتیں نقل کر دی گئی ہیں حوالے دینے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ ہم ان تمام مضمون نگار حضرات اور مدیران رسائل کے تہہ دل سے متشکر ہیں۔

(۱) حالات حسرتؔ از مولانا عارفؔ ہسوی مرحوم

(۲) حسرتؔ موہانی از پرنسپل عبد الشکور صاحب

(۳) مقدمہ کلیاتِ حسرتؔ از عشرتؔ رحمانی صاحب

(۴) حسرتؔ نمبر رسالہ نگار لکھنؤ از جناب نیاز فتحپوری

(۵) حسرتؔ نمبر رسالہ اُردو ادب علی گڑھ از آل احمد سرورؔ صاحب

ان کے علاوہ رسالہ اُردوئے معلی کی قدیم جلدوں اور مولانا حسرتؔ موہانی کے غیر مطبوعہ روزنامچوں سے بھی کافی مواد حاصل کیا گیا ہے۔

مرتّب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

مقدمۂ کلیاتِ حسرت

مختصر سوانح حیات

مولانا سید فضل الحسن حسرت رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوئے ان کا مولد اودھ کا مشہور قصبہ موہان ہے جو علم وفضل کا مرکز ہونے کی وجہ سے خطۂ اودھ کا یونان کہا جاتا ہے حسرت تخلص نام سے زیادہ مشہور ہوا ؎

عشق نے جب سے کہا حسرت مجھے
کوئی بھی کہتا نہیں فضل الحسن

وطن سے ایسا لگاؤ تھا کہ اس کی طرف نسبت نام کا جزو بن گئی اور حسرت موہانی مشہور ہوئے۔ امام علی موسیٰ رضا علیہ السلام کی اولاد میں تھے۔ والد کا نام سید اظہر حسن تھا ان کے جد امجد سید محمود نیشاپور سے موہان آئے تھے اس نیشاپوری نسبت کا ذکر ان کے ایک شعر میں بھی ہے۔ ؎

کیوں نہ ہوں اُردو میں حسرت ہم نظیری کے نظیر
ہے تعلق ہم کو آخر خاکِ نیشاپور سے

ابتدائی تعلیم پرانے طرز پر ہوئی۔ قرآن شریف اُردو و فارسی کی متداول کتابیں میاں جی غلام علی موہانی اور میاں جی بلاقی موہانی سے پڑھیں۔ بعد کو موہان مڈل اسکول میں داخل ہوئے جس کے ہیڈ ماسٹر پنڈت لچھمی نرائن مولانا پر بہت مہربان تھے۔ ۱۸۹۴ء میں وہیں سے مڈل کا امتحان پاس کیا اور پورے صوبہ میں اوّل آئے

حسرت کے والد ماجد سید اظہر حسن کی کچھ جائداد فتحپور ہسوہ میں تھی جس کے انتظام کے لیے ان کا قیام فتحپور میں رہتا تھا۔ چنانچہ انگریزی تعلیم حاصل کرنے وہ اپنے والد کے پاس گئے اور ۱۸۹۹ء میں گورنمنٹ ہائی اسکول فتحپور سے انھوں نے ہائی اسکول کا امتحان خاص امتیاز سے پاس کیا جس پر انھیں سرکاری وظیفہ بھی ملا۔ یہیں انھوں نے عربی و فارسی کی بھی تکمیل کی۔ فتحپور ہسوہ کی آب و ہوا حسرت کی ادبی و ذہنی تعلیم کے لیے بہت راس آئی۔ یہاں مولانا سید ظہور الاسلام جو ایک نہایت متقی و پرہیزگار اور باصفات بزرگ تھے ان کے علاوہ مولانا نور محمد اور مولانا حبیب الدین جیسے بزرگوں کا فیض بھی نصیب ہوا[۱]۔ دیوان ہاشم کے دیباچے میں حسرت نے لکھا ہے۔

"دو فارسی غزلیں قیام فتحپور کے اس زمانے کی یادگار ہیں۔ جب کہ حضرت استاد یعنی مولانا سید ظہور الاسلام مرحوم نیز حضرت نیازؔ فتحپوری مرحوم کے والد ماجد کے

۱؎ علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم

فیض قرب نے نظم و نثر فارسی کی مشق کا ایک خاص شوق پیدا کر دیا تھا۔

وہ صورتیں نہ جانے کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

سید ہاشم ساکن کوڑہ اور مولانا نیازؔ فتحپوری اس زمانے کے مخصوص احباب میں تھے حسرتؔ فتحپور کے اثرات کو کبھی نہیں بھولے

اب تلک موجود ہے کچھ کچھ لگا لائے تھے ہم
وہ جو اک لپکا کبھی خاک جہان آباد سے

فتحپور سے مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے ڈاکٹر ضیاء الدین مرحوم کی دعوت پر علی گڑھ پہنچے۔ یہاں ان کے ہم جماعت خادم کعبہ مولانا شوکت علی جیسے سیاسی رہبر سید سجاد حیدر یلدرم جیسے ادیب۔ ان کے احباب میں عبدالہادی خاں وفا اور کرامت اللہ خاں گستاخ اور ان کے اساتذہ میں پروفیسر جے سی چکرورتی صاحبزادہ آفتاب احمد خاں اور ڈاکٹر ضیاء الدین جیسے نامی گرامی حضرات تھے۔ سنہ ۱۹۰۳ء میں انھوں نے بی اے کا امتحان ریاضی اور عربی کے اختیاری مضامین کے ساتھ پاس کیا۔

علیگڑھ کے زمانہ تعلیم ہی میں ان کے ادبی ذوق اور سیاسی رجحان کا شہرہ ہو چکا تھا اور ان کی سرگرمیوں کے سلسلے میں وہ کالج سے بھی نکالے گئے اور بی اے کا امتحان انھوں نے پرائیوٹ طور پر دیا۔

اُردوئے معلّٰی امتحان کا نتیجہ نکلنے سے پہلے ہی انھوں نے اُردوئے معلّٰی نامی رسالہ نکالنا شروع کر دیا تھا۔ اس رسالے کا پہلا پرچہ جولائی سنہ ۱۹۰۳ء میں نکلا۔ اُردوئے معلّٰی میں ادبی مضامین کے علاوہ مذہبی اور سیاسی امور پر بھی مضامین

شائع ہوتے تھے۔ سیاسی مضامین کا درجہ یہ تھا کہ ۱۹۰۲ء میں مولانا شبلی مرحوم نے اردوئے معلی کا پہلا سیاسی مضمون پڑھ کر داد دی اور لکھا:

ایں کہ گفتی حکایات سحرات

روز روشن ہنوز و رتند است[۱]

آج جبکہ زبانوں کے قفل ٹوٹ گئے ہیں حکومت کا جا و بیجا بدنام و مطعون کرنا بلکہ اس کے خلاف زہر اگلنا بچوں کا کھیل ہو گیا ہے۔ انقلاب زندہ باد کے نعرے گلی کوچوں میں ہر کہ و مہ کی زبان پر ہیں۔ سیاسی مظاہرے ہنگامے ہڑتالیں اور مرن برت بھی زندگی کا روزمرہ ہو رہا ہے جیل جانا تو معمولی سی بات ہے جس پر یہ ٹھپا نہیں لگا۔ اس کے لیے پبلک لائف میں کوئی جگہ ہی نہیں جن لوگوں نے اس ماحول میں۔ آنکھیں کھولی ہیں اور اس فضا میں پرورش پائی ہے ان کے لیے اس کیفیت کا اندازہ کرنا جواب سے پچاس برس پہلے ملک پر چھائی ہوئی تھی اور ان لوگوں کی اولوالعزمی اور جانبازی کا اندازہ لگانا کہ جنھوں نے سوتی ہوئی قوم کو جگایا آسان بات نہ ہو گی۔۔

۔۔۔۔ اس گدلی فضا میں حسرت موہانی نے آزادی کا چرچا دلیری اور بے باکی سے شروع کیا۔۔۔۔۔۔۔۔

مئی ۱۹۰۴ء میں انڈین نیشنل کا اجلاس بمبئی میں منعقد ہوا۔ حسرت نے اس میں ڈیلی گیٹ کی حیثیت سے شرکت کی ۱۹۰۵ء میں انھوں نے آل انڈیا انڈسٹریل کانفرنس میں حصہ لیا۔ اور اسی وقت سے سودیشی کی تحریک کے مبلغ بن گئے۔

---

[۱] علامہ سید سلیمان ندوی [۲] پنڈت کشن پرشاد کول، نگار، حسرت نمبر

اردوئے معلّی میں متعدد مضامین سودیشی کی حمایت اور بدیشی مال کے بائیکاٹ کے بارے میں شائع کئے کانگریس کی کارروائیاں درج کیں موتی لال. گوکھلے اور کانگریس کے نرم فریق پر نکتہ چینیاں کیں ان کی ہمدردیاں تلک کے ساتھ تھیں (تلک کی شان میں متعدد اشعار ان کی کلیات میں بھی موجود ہیں)

۱۹۰۶ء میں کانگریس کا اجلاس سورت میں ہوا جس کے بعد تلک کی پارٹی کانگریس سے نکل آئی اور حسرتؔ نے بھی کانگریس کو چھوڑ دیا۔ حسرتؔ نے اسی زمانے میں دفاعی مزاحمت کا لائحۂ عمل پیش کر دیا تھا جسے بعد کو گاندھی جی نے اپنایا۔

" حاکم سے محکوم اپنے ملکی حقوق کو تین ہی صورتوں میں لے سکتے ہیں اوّل درخواست مرحمت کے ساتھ گدایانہ دست طلب دراز کر کے جس کا بیکار ہونا قطعی ثابت ہو چکا ہے دوسرے خونریزی وفساد کے ذریعہ حاکم کو مغلوب ومجبور کر کے جس کی بہ ظاہر حالات کوئی صورت نظر نہیں آتی پس اب ہمارے لیے سوائے اس کے اور کوئی کارروائی مناسب نہیں معلوم ہوتی کہ فی الحال نہ تو ہم گداگری کی ذلت گوارا کریں نہ جنگ وجدل کی آزمائش میں پڑیں بلکہ ان دونوں سے علیحدہ رہ کر دفاعی مزاحمت کے درمیانی طریقے پر چلنا شروع کر دیں جو مفید ہونے کے بجائے کبھی مضر ہو ہی نہیں سکتا اور یہی وہ بات ہے جس کی بنا پر مزاحمت کی پالیسی کو طلب کی پالیسی پر ترجیحات جمع حاصل ہے. کیونکہ بحالت ناکامی گداگر کی طبیعت مایوسی کے ایسے تعریں گر جاتی ہے جس سے دوبارہ نکلنا اس کے لیے بالکل محال ہو جاتا ہے لیکن برخلاف اس کے مزاحم اگر ناکام بھی رہے تو دوران مزاحمت میں اسے جو قوت اور تجربہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کا فائدہ کسی طرح زائل نہیں ہو

سکتا" لے

سنہ ۱۹۰۸ میں اسی رسالہ میں ایک مضمون مصر میں انگریزوں کی حکمت عملی پر شائع ہوا جس پر حکومت نے حسرت پر مقدمہ چلایا۔ مضمون نگار بقول علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم علی گڑھ کے ایک ہونہار طالب علم اقبال سہیل مرحوم تھے مگر حسرت نے مضمون کی پوری ذمہ داری اپنے سر لی اسی مقدمہ کے نتیجہ میں ان کو قید بامشقت کی سزا ہوئی۔ اس زمانے میں سیاسی قیدیوں کے ساتھ جو بہیمانہ سلوک کیئے جاتے تھے اس کا اندازہ حسرت کی آپ بیتی پڑھ کر ہوتا ہے جو مشاہدات زنداں کے عنوان سے انھوں نے بعد میں اردوئے معلی میں شائع کئے اسی قید کے زمانے میں ان کے والد سید اظہر حسن کی وفات ہوئی۔

سنہ ۱۹۱۰ میں حسرت رہا ہوئے اردوئے معلی پھر جاری ہوا اور حسرت نے پھر نہایت شد و مد کے ساتھ اپنے سیاسی خیالات کی تبلیغ شروع کر دی اور اپنے سیاسی مسلک کو ایک بار پھر اس طرح واضح کیا۔

" اردوئے معلی کی دوبارہ اشاعت پر چند احباب نے بہ مقتضائے محبت و ہمدردی یہ صلاح دی ہے کہ ہم کو اب پالٹیکس سے اب بالکل دست کش ہو جانا چاہیئے بعض کا مشورہ یہ تھا کہ اگر سیاسی مضامین بھی ہوں تو مسلم لیگ کی مسلمہ پالیسی کے موافق ہوں۔ چند دوستوں نے جو یقیناً زیادہ آزاد خیال ہیں یہاں تک اجازت دی کہ اگر جمہوریہ اہل ہند کی ہم خیالی منظور ہو تو کانگریس کے فریق نرم

لے اردوئے معلی اگست ستمبر سنہ ۱۹۰۷

کی روش اختیار کی جائے۔

ہم پر ان تمام نیک مشوروں اور مصلحت کوش اصلاحوں کا شکریہ فرض ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ ہمارے خیال میں یقین یا عقیدہ عام اس سے کہ وہ مذہبی ہو یا سیاسی ایک ایسی چیز ہے جس کو کسی خوف یا مصلحت کے خیال سے ترک یا تبدیل کر دینا اخلاقی گناہوں میں سے ایک بدترین گناہ ہے جس کا ارتکاب کا کسی تربیت پسند یا آزاد خیال اخبار نویس کو خیال بھی نہیں آسکتا۔ پالیٹیکس میں ہم مقتدائے وطن پرستاں مسٹر تلک اور سرگروہ احرار بابو اربند وگھوش کی پیروی کو اپنے اوپر لازم سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اس حیثیت سے فیروز شاہی کانگریس سے ہم کو اتنی ہی بیزاری ہے جتنی امیری مسلم لیگ یا نوزائیدہ لالچندی کانفرنس ہے۔ اور ہمارے خیال میں یہ بیزاری بالکل حق بجانب ہے اس لیے کہ دنیا کی رفتار اور اہل دنیا کے طبائع کا میلان صریحاً حریت کی جانب ہے چنانچہ خوابیدہ بر اعظم ایشیا میں بھی ہندوستان کے سوا کوئی اور بڑا ملک اس وقت آزادی کی نعمت سے محروم نہیں۔ پس عقل سلیم کسی طرح باور نہیں کر سکتی کہ تمام عالم میں صرف ہندوستان ہی ایک ایسا ملک باقی رہے جس کی قسمت میں محکومی دوام لکھ دی گئی ہو۔ ایسا گمان بظاہر مشیت ایزدی کے سراسر خلاف نظر آتا ہے غرض کہ ارباب دانش کو یہ بات ماننی پڑے گی کہ فرنگی حکومت کا غیر طبعی نظام ہمیشہ کے لیے ہندوستان میں باقی نہیں رہ سکتا اور اپنی موجودہ صورت میں تو اس کا چند سال قائم رہنا بھی دشوار نظر آتا ہے گرم فریق کے رہنما عموماً اور اربندو گھوش خصوصاً تمام پولٹیکل کوششوں میں مذکورہ بالا اصول کو پیش نظر رکھتے ہیں اس واسطے ہمارے نزدیک وہ حق پر ہیں برخلاف اس کے راہنمایان فریق نرم۔

پیروان مسلم لیگ اور بانیانِ ہند وکانفرنس اہل ہند اور دوامی محکومی کو لازم وملزوم سمجھتے ہیں کیونکہ ان حضرات کے نزدیک ہمارے انتہائی عروج کا مفہوم صرف اسی قدر ہے کہ ہم غلام سے ترقی یافتہ غلام یا محکوم سے خوش حال محکوم ہو جائیں یہ لوگ آزادی ہند کی خواہش کو خواب وخیال سے زیادہ وقعت نہیں دیتے ان دائرہ خیال سے دائرہ عمل میں بھی نہایت تنگ اور محدود ہے ان کی روش دنیا کی رفتار حریت کے خلاف اور اس لیے قطعی طور پر ہر لحاظ سے ناقابل قبول ہے۔

ملک کی سیاسی تحریکوں سے یہ دلچسپی صرف تحریر یا مضمون نگاری تک محدود نہ رہی بلکہ اب انھوں نے ملک کی سیاست میں عملی طور پر بھی حصہ لینا شروع کر دیا تھا چنانچہ سودیشی کی تحریک کے لیے مضامین لکھنے کے ساتھ ساتھ ملک کے مختلف مقامات کے دورے کیے اور لوگوں کو سودیشی مال استعمال کرنے کی ترغیب دلائی انجمن خدام کعبہ اور ہلال احمر کی تحریکوں میں حصہ لیا متعدد مضامین دول مغرب کی کارستانیوں کے خلاف لکھے سودیشی کی حمایت میں علما کے فتوے حاصل کیے اور مشتہر کیے۔ ترکوں کے لیے چندہ جمع کیا۔ اور ترکی روانہ کیا اسی زمانے میں حکومت صوبجات متحدہ نے ان کے پریس سے تین ہزار کی ضمانت طلب کی۔

حسرت نے اردوئے معلیٰ بند کرتے ہوئے اس واقعہ پر یوں تبصرہ کیا ہے۔

اُردو پریس کا خاتمہ

ضمانت کے لئے نوٹس

۱۲ مئی سنہ ۱۹۱۳ھ کو ۹ بجے شب کے قریب علی گڈھ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے بذات خاص وارد ہوکر راقم حروف کے سامنے حکومت کی جانب سے ایک نوٹس پیش کیا جس کا مفہوم یہ تھا کہ اردو پریس میں چونکہ از روئے پریس ایکٹ سنہ ۱۹۱۰ھ چند الفاظ خلاف چھپے ہیں اس لئے ایک ہفتہ کے اندر تین ہزار روپیہ کی ضمانت مجسٹریٹ ضلع کے پاس جمع کرنی چاہئے واضح ہو کہ اردو پریس کی کل کائنات ایک لکڑی کے پریس اور دو پتھروں پر مشتمل ہے جس کی مجموعی قیمت پچاس روپے سے زاید نہیں۔ ایسے بے بضاعت پریس سے تین ہزار روپیہ ضمانت طلب کرنا مضحکہ انگیز ہونے کے علاوہ حیرت سے گذر کر کینہ پروری کی حد تک پہنچ گیا ہے جس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ اردو پریس کا کسی صورت سے جاری رہنے کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔ خیر مئی ۱۹ ار کو پریس بند ہو جائے گا۔ مگر بند ہو کر اپنے بعد سر جیمس میسٹن .... کی فنعاری کا یہ افسانہ یادگار چھوڑ جائے گا کہ آپ نے ایک بیمایہ دستی پریس سے اتنی کثیر رقم طلب کی جس سے زیادہ اس وقت تک شاید ہندوستان میں کسی بڑے سے بڑے سٹیم پریس سے بھی نہیں لی گئی ہم جناب موصوف کی اس خاص نوازش کو بمصداق ہر چہ از دوست می رسد نیکوست بخوشی برداشت کرتے ہیں۔ ایک بات البتہ قابل اطمینان اور لایق شکر ہے وہ یہ کہ اس قسم کے نوٹس سے راقم کو کسی قسم کا مالی جسمانی یا روحانی صدمہ نہ اس وقت تک پہنچا نہ آئندہ پہنچے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

سر جیمس مسٹن اور ان کے مانند جملہ ارباب قہر و غرور کو معلوم ہونا چاہئے کہ ان کی

ناراضی اہل دولت وجاہ کے لیے خواکیسی ہی مہیب اور اہم کیوں نہ ہو مگر ہم سے آزاد۔ نفوس کا اس سے مرعوب و مغلوب ہونا کسی صورت سے ممکن نہیں ہے۔ اردو پریس ۱۹ مئی کو بند ہو جائے گا۔ الحمد للہ کہ وہ اپنا فرض ادا کر کے بند ہو گا۔ جن میں تحریکوں کے پیش نظر یہ پریس جاری کیا گیا تھا وہ اس وقت جملہ اہل ملک کو معلوم ہو کر پوری ہو چکی ہیں نایاب ادبی کتابوں کی اشاعت بہت کچھ ہو چکی باقی آیندہ ہوتی رہے گی۔ آزادیٔ خیال اور طلب حریت کا جذبہ جمہور میں عام ہو چکا ہے۔ سودیشی اور بائیکاٹ کی روز افزوں ترقی کا زمانہ شروع ہو چکا ہے اور اب آخر کار انجمن خدام کعبہ کی تجویز بھی مسلمانوں کے روبرو پیش کر دی گئی ہیں۔

ہم نے اپنے دل میں یہ عہد کر لیا ہے کہ ان تمام تحریکوں کی اعانت ہر حال میں اور ہر وقت اپنے اوپر لازم سمجھیں گے اگر تحریر کے ذریعہ سے ممکن نہ ہو گا تو تقریر کے ذریعہ سے اور اس سے نہ ہو سکے گا تو عملی کارروائی تحریر و تقریر دونوں سے زیادہ مفید اور زیادہ ضروری ہے اس سے ہم کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ "وماتوفیقی الا باللہ"[1]

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے اس موقع پر "الہلال" میں تحریر فرمایا تھا

تین ہزار روپے کی ضمانت پریس ایکٹ کی مقدار مقررہ انتہائی کے اندر ضرور ہے لیکن عملاً پانچ سو یا ہزار سے زیادہ طلب نہیں کی جاتی ہے اور صرف دو ایک مثالیں دو ہزار کی سنی گئی ہیں پھر ہز آنر سر جیمس مسٹن بالقابہ کا دربار سطوت وجلال

---

[1] اردوئے معلیٰ جون ۱۹۱۳ء

نہیں معلوم اتنی بڑی سنگین رقم کے لئے کیا وجہ بیان کر سکتا ہے۔ گورنمنٹ اس سے بے خبر نہیں کہ اُردو پریس اور اس کے مالک کی حالت کیا ہے۔ حسرت موہانی جب قید سے رہا ہو کر آئے تو کوئی چیز اس دنیا میں ایسی باقی نہ تھی جو اس کے لیے ذریعہ تقویت مال ہوتی دو ڈیڑھ روپے ماہوار کرایہ کا ایک جھونپڑا ہے جس کے اندر ایک چھوٹی سی صحنچی اور کوٹھڑی ہے اور باہر بھی اتنی ہی مکانیت ہے اندر وہ فقیر حریت مع اپنی کوہ عزم وثبات بیوی کے رہتا ہے اور باہر کاٹھ کا دستی پریس اور دو چار پتھر ہیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ خود اس نے اپنے ہاتھوں سے اردوئے معلیٰ کی کاپیاں لکھی ہیں خود ہی پتھر پر جمائی ہیں اور خود ہی پریس چلا کر چھاپا ہے یہ کل کائنات اردو پریس اور اس کے مالک کی ہے کوئی دوسرا ذریعہ آمدنی نہیں اور نہ اس کی طبع غیور کسی کا شرمندۂ احسان ہونا پسند کرتی ہے اردوئے معلیٰ کے دو چار سو خریدار ہیں اس کی قیمت سے شاید چند روپے مہینے میں بچ رہتے ہیں اور اسی سے دو وقت کی روٹی کھا کر نشہ آزادی کی بے خودی اور دولت لازوالِ حق و صداقت کے غناءِ غیر فانی سے مست رہتا ہے

ہمیں حقیر گدایانِ عشق را کہ ایں قوم

شہانِ بے کمر و خسروانِ بے کلہ اند

اصلی دولت دل کی دولت ہے اور غناءِ فقر کے آگے دنیا کے تمام ساز و سامان ہیچ ہیں جو فقر و فلاکت کی زندگی حریت کی معیت میں گزرے خاک پر بسر ہو وہ چاندی سونے کے بنے ہوئے ان ایوان تعیش سے ہزار درجہ بہتر ہے جن کے اندر حق کے چراغ کی روشنی نہ ہو۔ خدا کے دروازے کا فقیر ہونا دولت و بندگان دولت کے فقیر ہونے سے کیا بہتر نہیں یہی تو اس راہ کے منازل امتحان ہیں۔ ان حالات کے ساتھ ایک فقیر زندگی

شخص سے تین ہزار کی ضمانت طلب کرنا یقیناً ایک ایسا واقعہ ہے جو برٹش انڈیا کی تاریخ اور گورنمنٹ کے اظہار سطوت و جلال کو ہمیشہ یاد دلاتا رہے گا۔"

اردوئے معلیٰ کے بند ہونے کے بعد حسرت نے معاش کی جو راہ اختیار کی وہ ایک طرح سے ان کے سیاسی جذبات کی تسکین کا باعث بنی۔ انھوں نے خود ایک سودیشی اسٹور کی بنا ڈالی جس پر مولانا شبلی نے خود فرمایا تھا "تم آدمی ہو یا جن پہلے شاعر تھے پھر پالیٹیشن بنے اور اب بنیے ہو" [1] حضرت اکبر الہ آبادی نے بھی ایک قطعے میں اس تجارت کا اس طرح ذکر فرمایا ہے :

تھا دلِ حسرت بھرا ارمان سے — ہم نے لکھ بھیجا انھیں ہو ہاں ہیں
بھائی صاحب رکھ دو تم اپنا قلم — ہاتھ میں لو اب تجارت کا علم
ہو چکی غیروں سے خویشی کی بہار — بس دکھاؤ اب سودیشی کی بہار
کام کو اٹھو چڑھاؤ آستین
لا یضیع اللہ اجر المحسنین

سیّد الاحرار

۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ قایم ہوئی۔ لیکن اس کی سیاست کا نشانہ رئیس کے ابتدائی دور کی طرح سرکار سے عرض و معروض تک منحصر تھی ۱۹۱۰ء میں تقسیم بنگلہ کی منسوخی نے مسلمانوں کی سیاست کا رخ پھیر دیا۔ ۱۹۱۳ء میں کانپور کی مسجد کے ایک حصے کے انہدام پر طول و عرض ہند کے مسلمانوں میں ایک ہیجان عظیم پیدا ہو گیا۔ مولانا محمد علی، مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا ظفر علی خاں کے مضامین اور تقریروں

---

[1] علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم

KASHMIR UNIVERSITY
Iqbal Library
Acc. No ..180847

اور علامہ شبلی اور مولانا آزاد سبحانی کی نظموں نے مسلمانوں کے سیاسی خیالات میں انقلاب عظیم برپا کر دیا سر علی امام مہاراجہ صاحب محمود آباد مرحوم اور شیخ الوقت مولانا عبدالباری رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں سے مسجد کانپور کے قضیے کا اختتام مصالحت پر ہوا۔

یہی زمانہ تھا جس میں آغا خان کی سرپرستی میں مسلم یونیورسٹی کی تحریک ہندوستان میں کھڑی ہوئی اور مسلمان اس کی طرف متوجہ ہوئے لیکن چند ہی روز یہ سامان سکینت ایک نئے اضطراب کا پیش خیمہ بن گیا یعنی یونیورسٹی کن اختیارات اور شرائط کے ساتھ لی جائے اس بحث نے مسلمانوں کے نرم و گرم دو فریق پیدا کر دیئے اور یہی وقت ہے جب مسلمانوں میں احرار نے جنم لیا جن کے رہنماؤں اور پیروں میں مولانا محمد علی مرحوم شوکت علی مرحوم، مولانا ابوالکلام آزاد، ظفر علی خاں اور حسرت موہانی تھے اور یہیں حسرت موہانی کو "سید الاحرار" کہا جانے لگا۔ ؎[1]

۱۹۱۴ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس آگرہ میں منعقد ہوا اس میں مولانا حسرت نے حصہ لیا۔ کانپور کی مسجد کے قضیے کو طے کرنے کے سلسلے میں لارڈ ہارڈنگ کے شکریے کا ریزولیوشن اس اجلاس میں جب پیش ہوا تو مولانا حسرت نے اس کی مخالفت کی۔ ؎[2]

نظر بندی اور قید

اسی سال پہلی عالمی جنگ شروع ہوئی اور مسلمانوں کی سیاسی سرگرمیاں تیز تر ہو گئیں حکومت مولانا حسرت کو صف اول کے قائدین میں شمار کرتی تھی۔ مسلم یونیورسٹی کے بارے میں بھی ان کی سرگرمیاں حکومت کی نظر پسندیدہ نہ تھیں۔ پہلے ان کی خانہ تلاشی ہوئی اور اس کے بعد "نظر بندی" کا حکم دیا گیا جس کو حسرت

؎[1] علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم ؎[2] علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم

نے ماننے سے انکار کر دیا اور مئی ۱۹۱۶ء میں للت پور جیل میں قید کر دیتے گئے۔ حکومت ہند نے اس گرفتاری کا سبب ممالک غیر سے تعلق قرار دیا۔ فضل الحسن حسرت موہانی علیگڈھ کے مشہور شورش پسند کو حکومت صوبہ متحدہ نے للت پور ضلع جھانسی میں نظر بند کر دیا۔ یہ معلوم ہوا کہ ان کا اور مولانا ابو الکلام آزاد کا ارادہ کابل جانے کا تھا۔ یہ بھی خبر ملی ہے کہ ان کو اور مولانا ابو الکلام کو برکت اللہ کی عارضی حکومت ہند کی طرف سے مراسلات وصول ہوئے ہیں لے

مولانا حسرت کی اہلیہ اور ان کے احباب نے کوشش کی کہ وہ نظر بندی قبول کر لیں اور جیل کی شدائد میں اپنے آپ کو نہ ڈالیں مگر مولانا کے ضمیر نے اسے گوارہ نہ کیا کہ وہ تسلیم ستم کریں۔ اس زمانے میں انھوں نے ایک خط اپنے مرشد نادے۔ حضرت شیخ الوقت مولانا عبد الباری فرنگی محلی کو لکھا جس سے اس پر بخوبی روشنی پڑتی ہے کہ وہ جیل کو نظر بندی پر کیوں ترجیح دے رہے تھے۔

لے "خلافت اور عدم تعاون کی تاریخ" از پی سی بامفورڈ۔ حکومت ہند کے محکمہ سراغرسانی کے ڈپٹی ڈائرکٹر پی سی بامفورڈ نے یہ رسالہ لکھا تھا جو حکومت ہند کے مطبع میں چھپا اور صرف سرکاری افسروں میں تقسیم کے لئے تھا چونکہ اس کا ماخذ خفیہ پولیس کی فراہم کی ہوئی خبریں اور مخفی سرکاری کاغذات تھے اس لیے اس کی عام اشاعت ممنوع تھی یہ رسالہ سرکاری نقطہ نگاہ سے لکھا گیا تھا لیکن اس لحاظ سے نہایت کار آمد ہے کہ اس میں مسلمانوں کی سرگرمیوں اور قربانیوں کا تفصیلی حال ملتا ہے جن سے ہندو وقائع نگاروں کی تحریریں عموماً خالی ہیں۔

للت پور ۱۸ مئی ۱۹۱۶ء

مخدومی و مطاعی۔ السلام علیکم۔ آج جناب کے گرامی نامے نے عزت افزائی کی۔ آپ دریافت فرماتے ہیں کہ میں نظر بندی پر قید کو کیوں ترجیح دیتا ہوں۔ میں نے جناب کی سمع خراشی کے خیال سے پہلے نہیں کہا تھا اب عرض کرتا ہوں کہ قانون حفاظت ہند چونکہ جلدی میں بنایا گیا ہے اس لیے اس میں بہت سی خامیاں رہ گئی ہیں میں ان سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں اصل حال یہ ہے کہ اس قانون کی رو سے میرا مقدمہ یہاں کسی مجسٹریٹ کی عدالت میں ہو نہیں سکتا یا تو ہائی کورٹ میں ہوگا یا پھر سر جیمس مسٹن کو گورنر جنرل سے منظوری لے کر پہلے قانون حفاظت ہند کی ۹ دفعوں کو صوبجات متحدہ میں یا کسی مقام پر جہاں میرا مقدمہ ہوگا نافذ کرنا ہوگا اس لیے کہ ان صوبجات میں ابھی صرف دو دفعہ نافذ ہیں ان دوسرے دفعات کے نفاذ کے بغیر لفٹیننٹ گورنر بھی کچھ نہیں کر سکتا اس کے بعد وہ البتہ اسپیشل محکمہ کر سکتا ہے جو خاص میرے مقدمہ کے لیے مقرر کئے جائیں گے اول تو اسپیشل کمشنروں کے تقرر کی نسبت خدا کے فضل سے بعض ایسی قانونی باریکیاں میرے ذہن میں آئی ہیں جن کا اظہار میں اس وقت نہیں کر سکتا مگر جن کی بنا پر ان کمشنروں کو میرے خلاف مقدمہ چلانے میں سخت دقت پیش آئے گی اور اگر بالفرض انھوں نے زبردستی مقدمہ چلایا بھی تو قید سخت کی سزا تو وہ دے ہی نہیں سکتے اس لیے کہ میرے اعتراضات سب مذہبی یا اخلاقی ہیں اور صاف ظاہر ہے کہ کوئی عدالت کسی شخص کو اپنے اخلاق اور مذہب کے خلاف عمل کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی نہ ایسے احکام کی خلاف ورزی پر جو اخلاقی و مذہبی حیثیت سے کسی شخص کے نزدیک ناقابل قبول ہوں قید سخت کی سزا دے سکتی ہے پس رہی قید محض۔ اس میں اور نظر بندی میں کوئی فرق نہیں اور جب حال یہ ہے تو ظاہر ہے

کہ میں نظربندی کو منظور کر کے جبر و ستم کے سامنے عاجزی و ناچاری ....
کے ساتھ سر جھکا دینے کی ناقابل برداشت ذلت کو خواہ مخواہ کیوں گوارہ کر دوں۔

فرض کیجیے کہ میرا خیال صحیح ثابت نہ ہوا اور قید سخت کی سزا ہی مجھے دی جائے تو میں حکم قید ماننے سے انکار کر دوں گا خواہ اس کا نتیجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو ظاہر ہے کہ اس میں مجھ کو کسی قدر تکلیف برداشت کرنی پڑے گی لیکن اپنی ذات کو اس تھوڑی سی تکلیف سے بچانے کے لیے میں اپنے اس اصول کو نہیں چھوڑ سکتا کہ تسلیم ستم بشرطیکہ امکان ہر حال میں ناجائز ہے۔

مسٹر محمد علی نے اس باب میں مجھکو ایک طول طویل خط لکھا تھا اور جناب نے بھی علیگڑہ کے خط میں تحریر فرمایا تھا کہ " لقد کان لکم رسول اللہ اسوۃ حسنۃ کو ملحوظ رکھنا چاہیے اور حضور کا الیسر الامور کا اختیار کرنا متواتر ہے" میں نے ان کو اسی وقت جواب لکھ دیا تھا اور آپ کی خدمت میں بھی گذارش ہے کہ حضور کے وجود گرامی کے ساتھ بنائے اسلام و قیام اسلام کا ایک اس درجہ اہم امر وابستہ ہے جس کے لحاظ سے اس ذات مقدس کی حفاظت کے لیے جو کچھ کیا جاتا مناسب تھا لیکن ہر عامی کا وجود ہرگز اتنا اہم نہیں ہو سکتا کہ اس کے لیے بھی وہی عذر قابل قبول سمجھے جائیں۔

دنیاوی مثال سامنے موجود ہے کہ بادشاہ یا فوج کے جنرل کے لیے حالت جنگ میں بہت سی باتیں جائز ہوتی ہیں جو ایک سپاہی کے لیے ہرگز جائز نہیں ہو سکتیں اور ظاہر ہے کہ موجودہ جنگ کذب و صداقت میں میری حیثیت ایک معمولی سپاہی سے زیادہ نہیں ہے

پس میرے لیے صرف اپنی ذات کی حفاظت کے لحاظ سے پیٹھ دکھانا یا جبر و ستم کے مقابلے میں صبر کر کے بیٹھ رہنا کسی طرح مباح نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو غالباً امام

حسین کی شہادت واقعہ نہ ہوتی حالانکہ یہ امر مسلم ہے کہ امام علیہ السلام کی ذات مبارک اس عہد کی افضل ترین ذات تھی جس کی حفاظت کا خیال بہت زیادہ جائز سمجھا جا سکتا تھا۔ بہر حال میری یہ توجیہ صحیح ہو یا غلط میرا دل کسی طرح اس حکم نامعقول کو گوارا نہیں کرتا۔

گورنمنٹ سے جو امداد نظر بندوں کو دی جاتی ہے وہ سب خیراتی فنڈ سے دی جاتی ہے چنانچہ میرے نام جو حکم اس ضمن میں آیا تھا اس میں یہ صاف لکھا ہوا تھا مجھے اس کے لینے میں بیشک تامل ہے تو مذہبی اعتبار سے دوسرے اس خیال سے بھی کہ انکار حکم نظر بندی کے اسباب میں سے میں ایک سبب اس واقعہ کو بھی قرار دینا چاہتا ہوں اور مشتبہ ہونے کی حالت میں میرا فائدہ اسی میں ہے کہ میں اس کو مذہبی سبب قرار دوں اور ظاہر ہے کہ ایسا کرنا میرے لئے جائز ہے۔

علاوہ بریں ظلم وستم نہ کرنے کی بابت جتنی آیتیں میں نے منتخب کی ہیں انکی بنسبت بھی ویسا ہی ہو گا کہ اگر ان سے جواز انکار کا شائبہ بھی نکلتا ہو گا تو میں ان کو اپنے لیے دلیل مذہبی قرار دوں گا کیونکہ اسی میں میرا فائدہ ہے۔ فائدہ مذہبی بھی اور دنیاوی بھی۔ مذہبی اس لحاظ سے کہ اگر کسی امر کے جائز یا ناجائز ہونے میں شبہہ ہو تو جو طرز عمل مذہب کی رو سے بہتر معلوم ہو اور جس میں گناہ کا اندیشہ نہ ہو وہی اختیار کرنا چاہئے اور دنیاوی اس طور پر کہ وجوہ انکار کے اخلاقی و مذہبی ثابت ہونے پر کوئی عدالت قید سخت کی سزا غالباً نہیں دے سکتی۔

میں نے کارڈ سے پہلے ایک لفافہ بھی خدمت مبارک میں روانہ کیا تھا جس میں اخیر میں لکھدیا تھا کہ بعد ملاحظہ عالی وہ مولانا ابو الکلام کو بھیجدیا جائے۔ غالباً جناب نے بھیجدیا ہو یہ عریضہ بھی بعد ملاحظہ ان کو بھیجدیا جائے تو بہتر ہے کیونکہ انھوں نے بھی قریب قریب

وہی باتیں مجھکو لکھی ہیں جو جناب نے تحریر فرمائی ہیں اور ان کو بھی وہی جواب دوں گا جو جناب کو دیا ہے پتہ ان کا یہ ہے۔

مولانا ابو الکلام آزاد ایڈیٹر "البلاغ" بذریعہ پوسٹ ماسٹر۔ رانچی

ABUL KALAM AZAD

C/o POST MASTER RANCHI.

میں نے لفٹنٹ گورنر کے پاس جو تحریر روانہ کی ہے اس کا کچھ جواب نہیں آیا شاید غور کر رہے ہوں گے کہ کیا کرنا چاہئے کیونکہ بظاہر ان کو بھی اس کا فیصلہ آسان نظر نہ آتا ہوگا۔ مقدمہ معلوم نہیں اب کس تاریخ کو اور کہاں پیش ہوگا یہی کافی ہوگا باقی کسی بیرسٹر وغیرہ کی جیساکہ غالباً میری بیوی نے آپ سے عرض کیا ہوگا بظاہر حالت ابھی کوئی ضرورت نظر نہیں آتی اچھا ہوا کہ کوئی صاحب تشریف نہ لائے کہ انھیں مفت میں زحمت ہوتی اور میں بیکار زیر بار احسان ہوتا۔

فقط کمترین فضل الحسن

حضرت مولانا عبد الباری صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اس خط کا جو جواب دیا تھا وہ بھی ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

جواب از حضرت مولانا عبد الباری صاحب

آپ کا طویل خط پہنچا مجھے آپ کے مقصد کا علم نہ تھا اس واسطے میں مسئلے کو ظاہر کرتا تھا لہذا اب بھی کہتا ہوں کہ جو مناسب اور مفید ہو عمل کیجئے۔

ہر فعل جو قابل شکایت کفار ہو جائز ہے چاہے اس میں خطرۂ جان کیوں نہ ہو مگر کوئی فعل جس میں اہانت مسلم اور کوئی مقصد نہ ہو شرعاً جائز نہیں

اور ہمارے حضور نے شریعت کو عمل کر کے دکھادیا ہے اس واسطے کوئی بات

حضور کی از خود کہ وہ خصوصیت نہیں رکھتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ خداوند عالم کسی امر کو حضور کے ساتھ مخصوص کر دے بہرحال میری تحریر آپ کے طرز عمل کے منافی بھی نہیں ہے۔

میں بلاشبہ آپ کی پریشانی کے خیال سے کسی شخص کے بھیجنے کی فکر میں تھا اور تعجب ہے کہ خلاف امید مجھ سے شیخ شاہد حسین نے کہلا بھیجا ہے کہ اگر تم کہو تو میں بلا فیس حسرت کی تائید کرنے جاسکتا ہوں اگر آپ کی رائے ہو تو مطلع کیجئے میں نے خود بھی ان کو ابھی کوئی جواب نہیں دیا ہے میں آپکیلئے دست بدعا ہوں اللہ تعالیٰ اجرام آپکی فلاح دارین کا باعث ہو اسکی توفیق دے! والسلام

سنہ ۱۹۱۹ء میں کانگریس کا سالانہ اجلاس امرتسر میں منعقد ہوا مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ بھی اس کے ساتھ ہوا مولانا حسرت نے اس میں بھی نمایاں حصہ لیا۔

مسلم لیگ کے اجلاس امرتسر منعقدہ سنہ ۱۹۱۹ء میں ایک تجویز منظور کی گئی جس کے ذریعہ حکومت برطانیہ کی اس بے توجہی کی شکایت کیگئی جو خلاف جزیرۃ العرب کے بارے میں مسلمانان ہند کے جذبات کے ساتھ روا رکھی گئی ہے اس تجویز میں کہا گیا ہے کہ مسلمانان ہند آئینی ایجی ٹیشن کے تمام ذرائع اختیار کرنے میں حق بجانب ہونگے اس تجویز میں حسرت موہانی نے ایک ترمیم پیش کی جیمیں ان ذرائع میں ہندوستانی افواج کا بائیکاٹ بھی شامل تھا کیونکہ ان افواج کے بارے میں اندیشہ ہے کہ وہ شہنشاہی اور غیر اسلامی مقاصد کے لئے ہندوستان کے باہر استعمال کی جائینگی۔ یہ ترمیم کافی اہمیت رکھتی تھی کیونکہ بعد کو علی برادران نے اسکو علی جامہ پہنا کر ہندوستانی افواج کی وفاداری کے بارے میں خلل ڈالنے کی کوشش کی [1]

امرتسر کے اجلاس کانگریس کے بعد گاندھی جی کے مشورے پر مسلمانوں کے ایک وفد بنے والسرائے سے ملاقات کی مولانا حسرت بھی اس وفد میں شریک تھے مگر عرض و معروض و جواب کے بعد وائسرائے سے ہاتھ ملانے کا اعزازی لمحہ آیا تو حسرت چپکے سے اٹھ کر بے ہاتھ ملائے کتر اکر اس طرح نکل گئے کہ کسی نے

---

[1] خلافت اور عدم تعاون از یامفورڈ۔

دیکھا بھی نہیں ؟ ^۱

۱۹ جنوری ۱۹۲۰ء کو ایک مسلم وفد نے وائسرائے سے ملاقات کی اس وفد کا مقصد صلح کانفرنس میں خلافت کیلئے ان کی ہمدردیاں حاصل کرنا اور اس کیلئے انگلستان ایک وفد بھیجنے کیلئے آمادہ کرنا تھا۔ وفد میں ۳۵ آدمی تھے۔ علی برادران، اجمل خاں، انصاری، عبدالباری، سیٹھ چھوٹانی، ابوالکلام آزاد، حسرت موہانی اور ڈاکٹر کچلو کے علاوہ گاندھی اور شردھانند بھی اس میں شریک تھے۔ ^۲

مولانا حسرت موہانی نے ترک موالات کی تحریک میں بھی سرگرم حصہ لیا۔ دسمبر ۱۹۲۰ء میں کانگریس کا سالانہ اجلاس ناگپور میں ہوا اس میں انھوں نے شرکت کی۔

اسی سال مولوی فضل الحق کی صدارت میں آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس دہلی میں ہوا۔ اس اجلاس کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ پہلی بار علماء نے مولانا عبدالباری کی سرکردگی میں سیاست میں عملی حصہ لینے کا فیصلہ کیا گاندھی جی نے بھی اس اجلاس میں شرکت کی۔ مولانا حسرت شروع ہی سے چرخے اور کھدر کے خلاف تھے اور سودیشی کے موافق تھے چنانچہ اس اجلاس میں بھی کھدر اور چرخے کے بارے میں گاندھی جی کی تجویز سے انھوں نے اختلاف کیا۔

آزادیٔ کامل

اب ۱۹۲۱ء کا سال آیا جب گاندھی جی کانگریس پر چھائے ہوئے تھے ادھر خلافت کے لیڈر محمد علی، شوکت علی۔ ڈاکٹر کچلو ظفر علی خاں۔ تصدق احمد شروانی۔ ڈاکٹر محمود، مولانا ابوالکلام، حسرت موہانی وغیرہ تھے ترک موالات کا زور تھا اخیر دسمبر ۱۹۲۱ء گاندھی جی نے ہندوستان کو سوراج ملنے کی آخری تاریخ مقرر کی تھی احمد آباد میں کانگریس کا یہ تاریخی جلسہ تھا محمد علی، شوکت علی اور ابوالکلام نظربند تھے باقی حضرات شریک تھے۔ ڈاکٹر انصاری اور سید محمود کے

۱؎ علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم ۲؎ خلافت اور عدم تعاون از یا مقبور ملک۔

ساتھ اجلاس میں بیٹے[1] بھی تھا اجلاس کے پنڈال کے باہر مسلمانوں کی قیام گاہ کے سامنے ایک شامیانے میں مغرب کے بعد مسلمانوں کا جلسہ تھا حکیم صاحب[2] وغیرہ موجود تھے گاندھی جی خاص طور سے مسلمانوں سے کچھ کہنے کے لیے آئے ہوئے تھے اتنے میں دیکھا کہ کانگریس کی سبجیکٹ کمیٹی کے پنڈال سے گھبرائے ہوئے بھاگے ہوئے دو والنٹیر آئے اور گاندھی جی سے نہایت اضطراب کے ساتھ کہا "جلدی چلئے سبجیکٹ کمیٹی میں حسرت موہانی نے ہندوستان کے استقلال کی تجویز پیش کر دی ہے اور کسی طرح واپس نہیں لے رہے ہیں" فضا میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی غیبی گولا گر پڑا ہے چنانچہ گاندھی جی وغیرہ بھی جلسے سے الگ ہو کر سبجکٹ کمیٹی میں چلے گئے مگر حسرت۔ یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے۔ حسرت بدستور اپنی بات پر جمے رہے اور نوٹس دیا کہ وہ اس کو کھلے اجلاس میں پیش کریں گے[3]

احمد آباد کانگریس کا ایک نمایاں پہلو یہ تھا کہ ایک ایسی جماعت منظر عام پر آئی جس نے مقاصد کانگریس کے حصول کیلئے رسمی طور پر تشدد کی حمایت کی۔ حسرت موہانی نے سبجیکٹ کمیٹی اور کھلے اجلاس میں دونوں جگہ زور دیا کہ کانگریس کے کریڈ[4] (طریق کار و معتقدات) میں ایسی ترمیم کر دی جائے جس کی رو سے مکمل آزادی کا حصول ممکن اور مناسب ذرائع سے کانگریس کا نصب العین ہو انھوں نے اپنی تقریروں میں علانیہ تشدد اور گوریلا طریقہ جنگ کی تبلیغ کی حسرت موہانی کی حمایت میں آندھرا بنگال اور سی پی کے تمام نمایندے تین کے سوا یوپی کے تمام نمایندے۔ کچھ بمبئی کے اور دہلی کے ایک [illegible] نمایندے کے سوا سب سکھ نمایندے تھے[5]

تاہم گاندھی جی کی کوششوں سے یہ تجویز نامنظور کر دی گئی۔ اسی سال کانگریس کے اجلاس

---

[1] سید سلیمان ندوی مرحوم [2] حکیم اجمل خاں مرحوم [3] سید سلیمان ندوی مرحوم [4] خلافت اور عدم تعاون از یامفو[illegible] ۔

کے ساتھ احمد آباد ہی میں آل انڈیا مسلم لیگ کا بھی سالانہ جلسہ ہوا جلسے کے صدر مولانا حسرت تھے اپنے صدارتی خطبے میں انھوں نے وہی خیلات پیش کئے جو کانگریس کے اجلاس میں پیش کر چکے تھے یکم جنوری ۱۹۲۲ء کو انڈین ری پبلک (یونائیٹڈ اسٹیٹس آف انڈیا) کا اعلان کر دیا جائے مسلم لیگ کمزور رہے۔ لیگ کے جو مقاصد ہیں وہی کانگریس اور خلافت کے بھی ہیں صرف مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت مسلم لیگ سے مخصوص ہے چاہیئے یہ کہ اول سوراج حاصل کیا جائے اس کے بعد حقوق کی حفاظت ہو مگر مسلم لیگ میں دوسرے خیال کے لوگ زیادہ ہیں چاہیئے یہ کہ فیس ممبری کم کر کے ممبر بڑھائے جائیں۔ اگر گورنمنٹ اور خلافت اور پنجاب کے مسائل طے نہ کرے تو مسلم لیگ کا مقصد کامل آزادی سے بھی زیادہ ہونا چاہیئے "۔[۱]

آخری گرفتاری

یہ خطبۂ صدارت ضبط ہوا اور مولانا ۲۲ اپریل ۱۹۲۲ء کو تیسری اور آخری مرتبہ گرفتار ہوئے اور دفعہ ۱۲۴ الف اور ۱۲۱ اے کے تحت دو سال کے لئے سزائے قید ملی لیکن میعاد گزرنے سے پہلے ہی دوسرے قیدیوں کے ساتھ رہا کر دیئے گئے۔

کمیونزم سے دلچسپی

کمیونزم کے مقاصد سے مولانا کو شروع سے ہی ہمدردی تھی۔ مئی ۱۹۲۰ء میں اودھ خلافت کانفرنس میں جو شیخ مشیر حسین قدوائی کی صدارت میں ہوئی تھی نہایت قابل اعتراض تقریریں کی گئی ہیں جن میں بیرونی حملہ آوروں کی طرف اشارے تھے اور بالشویکوں کی فتح کے خیر مقدم کا رجحان پایا جاتا تھا۔ مولانا حسرت بھی اس کانفرنس میں شریک تھے۔ اور انھوں نے ہی تقریر میں یہ بھی کہا تھا کہ اگر پرنس آف ویلز اپنا سفر ہند ملتوی نہ کرے تو جہاں وہ جائے گا ہڑتال کرا دی جائے گی۔

---

[۱] خطبہ صدارت اجلاس آل انڈیا مسلم لیگ منعقدہ ۱۹۲۱ء احمد آباد بحوالہ "مسلمان نو کار وشن مستقبل" ص ۳۰ "خلافت اور عدم تعاون" ۔ "انہا" ماخوذ۔

۱۹۲۵ء میں مولانا حسرت ہی کی کوششوں سے پہلی آل انڈیا کمیونسٹ کانفرنس کانپور میں منعقد ہوئی اس کانفرنس کی مجلس استقبالیہ کے صدر مولانا ہی تھے اپنے خطبہ استقبالیہ میں جن خیالات کا اظہار انھوں نے کیا اس کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے۔

"کمیونزم کی تحریک کاشتکاروں اور مزدوروں کی تحریک ہے اس تحریک کے اصول اور اغراض ومقاصد سے جمہور اہل ہند عموماً اتفاق کرتے ہیں البتہ بعض مرتبہ غلط فہمیوں کی بنا پر کمیونزم کے نام سے بعض کمزور اور وہمی طبیعت کے لوگ گھبراتے ہیں مثلاً بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کمیونزم اور خونریزی فساد لازم وملزوم ہیں حالانکہ اس کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ہم لوگ عدم تشدد کی عزت ومصلحت کی بنا پر جائز سمجھتے ہیں اور رہنما گاندھی کی طرح اس کو ہر حالت میں بطور اصول لازم قرار نہیں دیتے۔"

کمیونزم کے مقاصد کی تشریح کرنے کے بعد مذہب کے بارے میں کمیونسٹ رویے کی توضیح اس طرح کرتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ہم لوگ مذہب کے بارے میں انتہا درجے کی رواداری کو مناسب سمجھتے ہیں ہم ہر مذہب کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں ہمارے نزدیک لا مذہبی بھی ایک مذہب ہے ہمارے بعض مسلمانوں لیڈر بلا وجہ کمیونزم کو اسلام کے خلاف بتاتے ہیں حالانکہ حقیقت حال اس کے خلاف ہے مثلاً کم از کم سرمایہ داری کے خلاف تو اسلام کا فیصلہ شاید کمیونسٹ عقدے سے بھی زیادہ سخت ہے اور فریضہ زکوٰۃ کا منشا بھی زیادہ تر یہی ہے کہ خلق خدا میں جب تک ایک شخص بھی بھوکا رہے اس وقت تک مالداروں کو عیش کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ قرآن میں نماز کے بعد سب سے زیادہ زور زکوٰۃ پر ہی دیا گیا ہے[1]

---

[1] خطبہ استقبالیہ آل انڈیا کمیونسٹ کانفرنس کانپور۔ اردوئے معلی مئی ۱۹۲۶ء

خدام الحرمین

اسی سال سال حجاز پر ابن سعود نے حملہ کر دیا حضرت مولانا عبدالباری کی قیادت میں خدام الحرمین کے نام سے ایک انجمن بنائی گئی مولانا حسرتؔ اس کے ممتاز بانیوں میں تھے اس انجمن کے زیر اہتمام لکھنؤ میں ایک آل انڈیا حجاز کانفرنس منعقد ہوئی جس کی صدارت مولانا حسرتؔ نے کی خطبہ صدارت کے اقتباس ذیل سے مولانا کا موقف اس بارے میں پوری طرح واضح ہو جاتا ہے۔

"آج کے اجتماع کا خاص مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ ابن سعود اور اہل نجد کے ہاتھوں سرزمین حجاز میں مقابر و مساجد کی تباہی اور بالقصد بے حرمتی کی جو ناشائستہ حرکات اس وقت تک سرزد ہو چکی ہیں ان کی نسبت ہم اپنی انتہائی بیزاری ایک قطعی اور آخری اعلان کر دینگے اور چونکہ نجدیوں کی دہشت اور بربریت کے محرک ان کے مذہبی عقائد ہیں جن پر وہ اس وقت سے قائم ہیں اور رہیں گے دنیا کے وثوق پردہ تخریب حرم کو بہ کمال بیباکی تطہیر حرم کے نام سے موسوم کرتے ہیں اس لیے آیندہ کیلئے بھی ان سے کسی بہتر طرز عمل کی توقع نہ رکھتے ہوئے صاف صاف کہہ دیں کہ مقامات مقدسہ پر ان کی حکومت یا اقتدار کو ہم کسی حیثیت سے اور کسی حالت میں منظور یا گوارا نہیں کر سکتے۔"

اس سلسلے میں یہ ذکر شاید بیجا نہ ہوگا کہ مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی مرحوم کو یہ باور کرا دیا گیا تھا کہ ان کے مرشد حضرت مولانا عبدالباریؒ مسلہ حجاز میں مولانا حسرتؔ اور شیخ مشیر حسین قدوائی کی رائے سے متاثر ہو کر علی برادران سے اختلاف کر رہے ہیں[۲]۔ مولانا حسرتؔ موہانی نے حضرت مولانا عبدالباری کے انتقال کے بعد ان کے مختصر حالات اردوئے

---

[۲] علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے اپنے تعزیتی مضمون تک میں اس خبر کی تصدیق کر دی ہے۔

معلیٰ میں تحریر کیے جس کے درج ذیل آخری جملے اس کی غلط فہمی کی تردید میں ہیں۔

بعض آپ کی وفات کے بعد لکھ رہے ہیں کہ آپ کی خاص کمزوری یہ تھی کہ بعض غلط مشورہ دینے والوں پر اعتماد بہت زیادہ قائم کر لیا تھا اور اپنی ذاتی عقل و بصیرت کو ان اثرات سے معلق کر لیا تھا حالانکہ حقیقت حال جس کا راقم کو ذاتی اور یقینی علم ہے اور جسے آپ کے بعد ظاہر کر دینے میں مضائقہ نہیں معلوم ہوتا یہ ہے کہ اکثر امور مذہبی و نیم مذہبی میں آپ کی رائے ہمیشہ اشارہ ہائے باطن کی تابع رہا کرتی تھی جس وقت جس قسم کا طرز عمل اختیار کرنے کی ہدایت ہوتی تھی آپ پر بلا تامل کاربند ہوتے تھے ؎

بہ میخانہ جامی نہ از خود برد
مگر ہمت شیخ جامش برد[1]

ابن سعود کی حکومت نے اصلاحات و تطہیر کے نام پر جو مئے قوانین وضع کیے تھے ان میں۔ حاجیوں پر ٹیکس بھی تھا چنانچہ مولانا حسرت جب پہلی مرتبہ حج کیلئے گئے تو انھوں نے یہ سعودی ٹیکس دینے سے انکار کر دیا اور وہاں کی حکومت کو ان کے سامنے جھکنا پڑا اور یہ ٹیکس آپ سے اور ان کے ساتھیوں سے نہیں لیا گیا

گاندھی جی سے جنگ

۱۹۲۹ء میں سائمن کمیشن ہندوستان آیا مولانا کمیشن کے بائیکاٹ کے مخالف تھے۔ گاندھی جی نے کمیشن کی مخالفت میں مظاہروں کی تنظیم کے لیے سارے ملک کا دورہ کیا اور زور و شور کے ساتھ "سائمن واپس جاؤ" کے نعرے کی تبلیغ کی۔ رائے عامہ گاندھی جی کے ساتھ ہو گئی۔ دورہ کرتے ہوئے گاندھی جی جب کانپور پہنچے تو مولانا حسرت نے گنتی کے چند آدمیوں کے ساتھ کالے جھنڈوں کا مظاہرہ کیا

---

[1] اردوئے معلیٰ جنوری و فروری ۱۹۲۶ء

"سائمن گو بیک" کے توڑ پہ وہ نعرہ بلند کر رہے تھے: گاندھی گو بیک "ایک موقع وہ بھی آیا کہ مولانا تنہا رہ گئے کالا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا اور وہ چاروں طرف سے کانگریسی رضا کاروں کے بیچ میں گھرے ہوئے برابر نعرے لگاتے رہے آخر گاندھی جی نے کانگریسی رضا کاروں کو مولانا کی مزاحمت سے روکا تب مولانا واپس ہوئے۔

روزنامے کا اجراء

اسی سال مولانا نے "مستقل" کے نام سے ایک روزنامہ کا نومبر جاری کیا لیکن یہ زیادہ دن نہیں چلا البتہ اردوئے معلی جسے انھوں نے ۱۹۲۵ء میں پھر سے جاری کیا تھا کسی نہ کسی طرح ایک زمانے تک چلتا رہا۔

آزاد پارٹی

کمونل اوارڈ کے اعلان کے بعد اور ۱۹۳۵ء کے آئین کی منظوری اور نفاذ سے قبل مولانا نے شیخ مشیر حسین قدوائی مرحوم، مولانا آزاد سبحانی مرحوم سید ذاکر علی صاحب اور سید حسن ریاض صاحب کے ساتھ ملکر ایک آزاد پارٹی بنائی کامل آزادی کے حصول کے لیے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان تعاون کی یہ ایک مخلصانہ سعی تھی ملک و ملت مولانا حسرت کی تمام انقلابی تجاویز کی طرح اس کی بھی قدر نہ کی اور یہ پارٹی عام انتخابات میں حصہ نہ لے سکی۔

مسلم لیگ کی نشاۃ ثانیہ

۱۹۳۶ء میں حسرت مسلم لیگ کی تنظیم جدید سے وابستہ ہوئے یوپی مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کے سرگرم ممبر بنے اس زمانے میں مسلم لیگ کو عوام میں مقبول بنانے میں مولانا شوکت علی، مولانا ظفر علی خاں اور مولانا حسرت کا بڑا حصہ ہے۔ دیہاتوں کے اکثر مسلمان قائد اعظم جناح کے نام سے بھی باخبر نہ تھے کانگریس کی طرف سے یہ بھی کہا جاتا تھا کہ مسلم لیگ صرف نوابوں اور آرام طلبوں کی جماعت ہے مسلم لیگ کی جانب سے مولانا کا نام ان اعتراضات کا مسکت جواب تھا۔ بارہا ایسا ہوا کہ راقم تحریر نے قائد اعظم کا تعارف اس طور پر کرایا کہ وہ مولانا حسرت مولانا شوکت علی اور مولانا ظفر علی خاں جیسے مجاہدین حریت اور زعمائے اسلام کے تسلیم کیے ہوئے رہبر ہیں۔

مولانا حسرت یوپی مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے مستقل ممبر رہے ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس لکھنؤ میں ہوا اس میں انھوں نے نمایاں حصہ لیا اور انہی کی کوششوں سے اجلاس میں لیگ کا نصب العین کامل آزادی اور ایسا وفاقی طرز حکومت متعین ہوا جس کے صوبے اندرونی طور پر آزاد ہوں اجلاس عام میں جدید نصب العین کی تحریک کرتے ہوئے مولانا نے صاف طور پر اعلان کر دیا کہ وفاق ہند کے صوبوں کو اس لئے وہ آزاد رکھنا چاہتے ہیں کہ مرکزی حکومت مسلمانوں کی اکثریت کے صوبوں کے ساتھ انصاف نہ کرے تو یہ صوبے وفاق ہند سے باہر نکل آئیں اور اگر ہندو اکثریتی صوبے نوآبادیاتی طرز حکومت پر قناعت کریں تو اسلامی اکثریت کے صوبے آزاد حکومت بنائیں اور ضرورت ہو تو "جمہوریہ شوریہ ورسیہ" سے مل جائیں اس اجلاس کے بعد وہ لیگ کے ہر سالانہ اجلاس اور آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کی ہر نشست میں پابندی سے شریک ہوتے رہے۔

۱۹۳۸ء میں وہ ہندی مسلمانوں کے وفد کے ایک رکن کی حیثیت سے قاہرہ کی فلسطین کانفرنس میں شریک ہوئے۔

۱۹۳۹ء میں ممالک مغربی کا سفر کیا اس سفر میں راقم تحریر بھی دمشق تک ان کے ساتھ تھا اسی اثناء میں دوسری جنگ عظیم ۲ ستمبر کو چھڑ گئی اور دمشق سے انگلستان کے تمام راستے مسدود ہو گئے اس سفر پر مولانا حسرت کو اتنا اصرار تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح وہاں سے بیروت پہنچے۔ دو ہفتے تک کوئی جہاز نہ ملا۔ مولانا نے وہاں سے دمشق مجھ کو لکھ کر بھیجا کہ وہ مسئلہ فلسطین اور ہندوستان کے سیاسی مسائل پر اپنے خیالات باشندگان انگلستان اور خصوصاً حکومت برطانیہ کے سامنے پیش کرنے کا عزم مصمم کر چکے ہیں اگر جہاز نہ ملا تو سمندر میں تیر کر جائیں گے مگر جائیں گے ضرور۔

" آخر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔ بیروت سے یونان تک کے لیے ایک جہاز میں جگہ مل گئی یونان سے لندن تک ریل سے گئے راستے میں کئی ملکوں کا ویزا نہ ہونے کی وجہ سے قید ہوئے مگر کسی نہ کسی طرح منزل مقصود تک پہنچ ہی گئے اس سفر کی یادگار ان کی وہ غزلیں ہیں جو کلیات کے حصہ یازدہم و دوازدہم میں ہیں۔

دیار رسول کی تڑپ

مالی عسرت کے باوجود انھوں نے گیارہ حج کیے اور بارہ مرتبہ مدینہ طیبہ کی حاضری دی مدینہ طیبہ میں ان پہ ایک عجیب کیف ہوتا مسجد نبوی میں نماز ختم ہوتے ہی دعا کا انتظار کیے بغیر مواجہ اقدس میں حاضر ہو کر درج ذیل اشعار سلام کے ساتھ ذوق و شوق سے عرض کرتے تھے۔

یا نبی اللہ السلام علیک
انما الفوز و الفلاح لدیک
بسلام آمدم جوابم دہ۔
مرہمے بر دل کبابم نہ۔
بس بود جاہ احتشام مرا
یک علیک از تو صد سلام مرا

جب وہ پہلی بار حجاز گئے تو حضرت شیخ عبدالباری ایوبی علیہ الرحمہ[1] سے سلاسل حدیث کی اجازت لی تھی۔ اہل مدینہ کی خدمت کا بڑا خیال رکھتے۔ مخیر حضرات سے رقمیں مقرر

---

[1] فرنگی محل کے ایک بزرگ جو مدینہ طیبہ ہجرت کر گئے تھے ایک عرصے تک مسجد نبوی میں درس دیتے رہے اور وہیں وفات پائی۔

کرادی تھیں جو خود دے کر نذر کرتے تھے

سنہ ۱۹۴۲ء میں براہ کراچی و بحرین حج کے لئے جانا چاہتے تھے حجاج کے ایک قافلہ کے ساتھ بمبئی پہنچے وہاں معلوم ہوا کہ جہاز میں جگہ کراچی میں ملے گی۔ ریل سے کراچی گئے وہاں وہاں حکومت سندھ اور حکومت ہند سے ہر ممکن کوشش یا پاسپورٹ اور اجازت سفر حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے ملک کے سیاسی رہنماؤں کو تار بھی دیے مگر کامیابی نہ ہوئی مولانا آخری وقت تک جد وجہد کرتے رہے اور آخر میں جب کوئی صورت کامیابی کی نہ نکلی تو حیدرآباد دکن واپس آگئے اس واقعہ کا ان پر یہ اثر ہوا۔

"آج یوم عید تھا میں نے عید گاہ میں جا کر نماز پڑھنا مناسب نہ سمجھا اس لیے کہ دوگانہ عیدالاضحیٰ درحقیقت دوگانہ شکر متعلق بہ ادائے حج ہوتا ہے اور حج کو اہل ہند کیلئے امسال حکومت ہند نے ناممکن بنا دیا ہے مکان کے قریب والی مسجد میں میں نے نماز عید پڑھی"

مسلم لیگ کے وہ مخلص رکن تھے مگر اس جماعت میں بھی قیادت یا اکثریت کیخلاف اظہار خیال میں تامل نہیں کرتے تھے۔

سنہ ۱۹۴۲ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس الہ آباد میں اسوقت ہو رہا تھا جب مسٹر اسٹیفورڈ کرپس ہندوستانی لیڈروں سے گفت وشنید کرنے دہلی آئے ہوئے تھے مولانا حسرت کو یہ اندیشہ تھا کہ قائد اعظم درجہ نوآبادیات پر راضی ہو جائینگے "مجلس مضامین" میں انھوں نے کرپس کی پیشکش کے متعلق اپنی تجویز اجلاس عام میں پیش کرنے کیلئے رکھی قائد اعظم نے اس تجویز کو پیش کرنیکی اجازت نہیں دی تو مولانا نے ایک اور تجویز میں ترمیم کا نوٹس دیا۔ جس تجویز میں یہ ترمیم مولانا پیش کرنا چاہتے تھے اس کا مدعا قائد اعظم کو کامل اختیارات سونپنا تھا جب یہ تجویز اجلاس عام میں پیش ہوئی تو مولانا تنہا اس کی مخالفت میں کھڑے ہو گئے پچاس ہزار سے زائد آدمی اسوقت جلسے میں موجود تھے ہر طرف سے آوازیں آ رہی تھیں "نہیں سنیں گے نہیں سنیں گے" مولانا

مائکروفون کے سامنے کھڑے ہوئے نہایت معصومانہ انداز میں مگر نہایت جوش سے فرما رہے تھے کہ یوں۔ آپ کیوں نہیں سنیں گے اور ہم آئے کاہے کیلئے ہیں، آخر مولانا جیتے اور مجمع ہارا انھوں نے تقریر کی اور وضاحت کے ساتھ اپنا نقطۂ نظر پیش کیا در اصل حسرت کی سیاست ان دو عناصر سے تعمیر ہوئی تھی کامل آزادی اور اشتراکیت، چنانچہ سوال کرنے پر ارشاد فرمایا کہ میں پاکستان کا موید ہوں لیکن پاکستان ڈومنین کا قائل نہیں بلکہ پاکستان جمہوریت کا علمبردار ہوں اور یہی نکتہ میرے اور قائداعظم کے درمیان خلیج پیدا کر رہا ہے ان کا خیال تھا کہ ہندوستان میں پانچ جمہوریتیں قائم ہونا چاہئیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) مشرقی پاکستان (۲) مغربی پاکستان (۳) مرکزی ہندوستان (۴) جنوب مشرقی ہندوستان (۵) جنوب مغربی ہندوستان اور ریاست حیدرآباد ان سب کو وفاقی اتحاد ہند کا اجزائے ترکیبی ہونا چاہئے۔[1]

مولانا کی مذکورہ بالا میں تجاویز تقسیم ہند کے عمل آنے سے پہلے کی ہیں اور انہی تجاویز کے سلسلے میں انھوں نے کانگریس اور مسلم لیگ زعماء سے مشورے کئے اور ملک کے اکثر حصوں کا دورہ کیا ان کے روزنامچے کے درج ذیل اقتباسات بھی اسی کی تصدیق کرتے ہیں۔

۲۶ مارچ ۱۹۴۷ء آج میں نے یہ فیصلہ کیا کہ دہلی جاکر جناح صاحب کو پاکستان وزیرستان کی پالیسی ترک کرنے پر مجبور کروں گا اور ہو سکا تو کانگریس ورکنگ کمیٹی میں جاکر اس میں بھی کانفیڈریشن آف الائیڈ فیڈریشن کی تجویز تسلیم کرنے پر مجبور کروں گا وما توفیقی الا باللہ شب کی ایکسپریس سے دہلی روانہ ہوگیا۔

۲۷ مارچ ۱۹۴۷ء آج صبح کی گاڑی دہلی لیٹ پہنچی۔ ۹ بجے دفتر مسلم لیگ میں حسن ریاض کے یہاں قیام کیا۔ اس وقت لیاقت علی خاں کے بنگلے پر جاکر قریب قریب کل ممبران مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی سے ملاقات کی نوابزادے جناح صاحب سے پوچھ کر مجھ کو ۵ بجے شام کا وقت دیا اس وقت مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے ممبر جمع ہوں گے تم اپنے خیالات ان کے سامنے رکھ سکتے ہو اسی وقت میں پہنچا اور دو باتیں مختصر طور پر پیش کر دیں اول یہ کہ ورکنگ کمیٹی یا قائداعظم کو بھی اس کا اختیار نہیں ہے کہ ڈومینین اسٹیٹس کی بنیاد پر کرپس سے

کوئی بات چیت کریں۔ دوم یہ کہ برطانوی شکست کی حالت میں گاندھی پارٹی یا بوس پارٹی سے مل کر کانفیڈریشن کی بنیاد پر مصالحت ہو سکتی ہے کم و بیش ایک مہینے کے بعد اسی مقصد کی خاطر انھوں نے وارد ھا کا سفر کیا اور گاندھی جی راجگوپال اچاریہ اور ولبھ بھائی پٹیل سے ملاقاتیں کیں۔

۲۸ اپریل ۱۹۴۳ء۔ راجہ جی نہایت ذہین واقع ہوئے ہیں اور انکی نگاہ بہت دور رس ہے فوراً میری اسکیم کو سمجھ گئے اور اس سے اتفاق ظاہر کیا رات کو گاندھی جی کے ساتھ ہی واقعہ پیش آیا خدا کی شان کہ جو شخص ڈومنین اسٹیٹس کا شیدائی اور آزادی کامل کا دشمن تھا وہ اب بالکل میرا ہنوا ہو گیا ہے۔

فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

سیاست اور اشارہائے غیبی

حقیقت الامر یہ ہے کہ مولانا کی سیاسی سرگرمیوں کے مدار کبھی کبھی ان کے خواب یا مکاشفات بھی ہوتے تھے اور جب کسی معاملے میں اشارۂ غیبی انھیں مل جاتا تو عجب شان جلال سے وہ اپنے عقاید کی تبلیغ کیا کرتے ایک واقعہ اس سلسلے میں درج کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

جولائی ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ کونسل کا ایک تاریخی اجلاس بمبئی میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں شرکت کیلئے راقم بھی ان کے ساتھ ہوائی جہاز میں۔۔۔۔ روانہ ہوا اثنائے راہ میں انھوں نے فرمایا سنیئے صاحب پاکستان تو مل جلئے گا اب آیندہ کی فکر کرنا چاہئے میں نے عرض کیا کہ آپکو یہ کیسے یقین ہے کہ پاکستان مل جائیگا فرمانے لگے کہ میں نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے اور حافظ کے دیوان سے تفاول کیا تو شعر بھی نہایت مناسب نکلا اور حافظ کی اس غزل پر میں نے تضمین بھی کر دی ہے اور اسی وقت اپنی ڈائری سے درج ذیل اشعار سنائے :۔

جب کہ خواب میں خود آ کے وہ شاہ خوباں	جب کہ حافظ بھی مصدق ہو بفال دیواں
تجھ کو حسرت یہ مبارک سندِ مہر و نشاں	پردہ بردار کہ تا سجدہ کند جملہ جہاں

طاق ابروئے تو محراب جہان خواہد بود

مورخہ ۱۸ مارچ ۱۹۴۳ء

دوسرے دن مسلم لیگ کے اجلاس میں وہ تجویز پیش ہوئی جو راست اقدام کی تجویز کے نام سے مشہور ہے اس تجویز کی خاص بات یہ تھی کہ چونکہ حکومت برطانیہ نے مسلمانوں کا مطالبۂ پاکستان نہیں مانا تھا اس لئے تمام خطاب یافتہ حضرات کو اپنے خطابات واپس کر دینے چاہئیں مولانا حسرت نے اس تجویز میں ترمیم پیش کی جس کا مدعا یہ تھا کہ مسلم ممبران مجالس قانون ساز پاکستان دستور اسمبلی قائم کر لیں اور پاکستان کا دستور تیار کر لیں قائد اعظم نے اس ترمیم کو علیحدہ تجویز قرار دیا اور ترمیم کے طور پر پیش کرنے کی اجازت نہیں دی۔ مولانا حسرت کو شدید ہیجان تھا اور وہ بار بار کھڑے ہو کر تقریر کرنے کی کوشش کرتے اور روکے جاتے آخر میں انکے پاس گیا اور ان سے کہا کہ آپ نے اپنا نظریہ پیش کر دیا اب لوگ نہیں سننا چاہتے ہیں تو آپ کیوں مصر ہیں مولانا نے مجھے جواب دیا مجھے ان لوگوں کی مخالفت سے تعجب نہیں مگر حیرت ہے کہ آپ بھی مجھے بیٹھ جانے کو کہہ رہے ہیں حالانکہ میں آپ کو سب کچھ بتا چکا ہوں مولانا کا اشارہ اپنے خواب کی طرف تھا۔[۱]

اسمبلی کی رکنیت

۱۹۴۵ء میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر یوپی اسمبلی اور ہندوستان کی دستور اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور دنیا جانتی ہے کہ جن بیباکی اور صفائی سے انھوں نے ان مجالس میں اپنے خیالات پیش کئے وہ انہی کا حصہ تھا ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی کے ابتدائی ایام میں مسلم لیگ نے اس کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا لیکن مولانا

۱ے مولانا کی وفات تک پاکستان کا دستور نہیں بنا تھا اور دس سال کے بعد تیار ہوا۔ اگر مولانا کی ترمیم منظور ہو گئی ہوتی اور یہ کام اس وقت ہو جاتا تو معلوم نہیں کی مسلمانوں کی تاریخ اور اس ملک کا سیاسی جغرافیہ کس قدر مختلف ہوتے۔

Kounsar Parveen M.A. Semester II Session-1986 Bandipore

Read this book carefully. I hope that you will like and God you could best.

اس فیصلے کی تائید میں نہ تھے قائد اعظم سے اختلاف رائے کے باوجود مولانا ان کا بہت خیال کرتے تھے اور خود قائد اعظم نے بھی ہمیشہ ان کا لحاظ کیا۔

قائد اعظم کی وفات پر اپنے روزنامچے میں تحریر فرماتے ہیں۔

۱۲ ستمبر ۱۹۴۸ء:۔ آج صبح گھر سے نکلنے پر قائد اعظم جناح کے انتقال کی خبر معلوم ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم اپنا مقصد پورا کر کے دنیا سے اٹھے ایسی کامیابی بہت کم لیڈروں کو حاصل ہوتی ہے۔

تقسیم کے بعد

قیام پاکستان کے بعد مولانا حسرت ہندوستان ہی میں رہے مگر انھوں نے اپنے کسی بیان یا تقریر میں پاکستان پر نکتہ چینی نہیں کی ان کو پاکستان کی بہت سی باتیں ناپسند تھیں لیکن وہ ہندوستان میں بیٹھ کر ان پر تنقید اس لیے ناپسند کرتے تھے کہ ایسی باتوں سے ہندوستانی حکومت کی خوشامد کی بو آتی تھی۔

تقسیم کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کیلئے ان کا وجود بہت بڑا سہارا تھا اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ انھوں نے ہندوستانی مسلمانوں کی طرف سے اپنی ذمہ داریوں کو کبھی فراموش نہیں کیا اس زمانے میں روزنامچوں سے اقتباسات ذیل درج کیے جاتے ہیں جن سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اتنے بڑے انقلاب کے بعد بھی مولانا ایک انچ اپنی جگہ سے ہٹنے کے لیے تیار نہ تھے۔

۱۶ ستمبر ۱۹۴۷ء:۔ آج شام کو احمدی خاں نے بانس منڈی میں بغرض تبادلہ خیالات میری کی تھی میں نے مسلمانوں کیلئے آئندہ لائحہ عمل کے باب میں تفصیلی گفتگو کر کے تقریباً جملہ اہالیان بانس منڈی کو اپنا نقطہ نظر سمجھا دیا کہ مسلمانوں کو اظہار مایوسی کی ضرورت نہیں اگر ضرورت ہو تو انھیں حکومت موجودہ کے خلاف گوریلا طریق جنگ اختیار کرنا چاہیے۔

۲۳ نومبر ۱۹۴۷ء:۔ آج دس بجے کے قریب نوری صاحب کے ہاں ناشتہ کرتے ہیں۔

بلیماران کی طرف گیا اور اس کے آخری حصے سے جو چاندنی چوک سے بالکل متصل ہے بغور معائنہ کیا چاندنی چوک میں عمل دخل اغیار کا ہے ایک آدھ کے سوائے کوئی مسلمان ادھر کا رخ نہیں کر سکتا۔

۱۱ دسمبر ۱۹۴۷ء۔۔ آج ثج نو سردار علی ملنے آئے یہاں تے انکو بزرگ کے بتاشے دیئے اور کل آٹھ بیوی بچوں کے لیے باقی کل بتاشے لے جاتے کو کہہ دیا۔ بہر لیمان کے فضل الحق بھی ملنے کو آئے وہ انڈیا کے مسلمانوں کی مدد کا بیڑہ لے کر مشرقی پاکستان سے آئے ہیں آدمی مخلص معلوم ہوتے ہیں میں نے ان کا شکریہ ادا کیا مگر آگاہ کر دیا کہ بحمداللہ کم سے کم یوپی کے مسلمان آپ لوگوں کی مدد کے بغیر بھی اپنی حفاظت کر لیں گے۔

اسی زمانے میں کانگریسی حکومت کے اشارے پر ایک آزاد مسلم کانفرنس لکھنؤ میں بلائی گئی مولانا آزاد اس میں پیش پیش تھے اور انکی خواہش تھی کہ مسلم لیگی زعماء بھی اس کانفرنس میں شریک ہو کر مسلمانوں کو تبدیلی کی تلقین کریں اور مسلمانوں کو حالات کے مطابق بدل جانے پر آمادہ کریں یوپی مسلم لیگ نے پانچ اصحاب پر مشتمل ایک وفد مولانا آزاد سے گفت و شنید کیلئے ترتیب دیا اس گفت و شنید کی داستان مولانا حسرت کے ۲۷ دسمبر ۱۹۴۷ء کے روزنامچے میں پیش کی جاتی ہے:۔

آج صبح سے ۹ بجے تک ناشتہ ضروری و اخبار بینی سے فارغ ہو کر کل کے فیصلے کے مطابق ہم پانچ نمائندے رضوان اللہ، حسرت موہانی، ذاکر علی، فاروقی، نفیس الحسن، ۱۱ بجے کے قریب کارلٹن ہوٹل میں ابوالکلام صاحب سے ملاقات کرنے کو پہنچے مختصر گفتگو کے دوران میں ہی معلوم ہو گیا کہ میں نے جلسہ مشاورت میں جو بد گمانی مولانا ابوالکلام کی نیت کے متعلق ظاہر کی تھی وہ خود ان کی زبانی بھی محقق ہو گئی انھوں نے صاف صاف اقرار کیا کہ آج کی کانفرنس کا صرف ایک مقصد ہے وہ یہ کہ تمام مسلم ادارے سیاسی حیثیت سے ختم ہوں کل فرقہ وارانہ جماعتیں کانگریس میں مدغم ہو جائیں اس پر ہم لوگ یہ کہہ کر چلے آئے تو ہم لوگوں کی شرکت بالکل بیکار ثابت ہو گی دوران گفتگو میں چلتے چلتے میں نے ایک فقرہ ابوالکلام کے متعلق چست کر دیا جس سے ان کی ساری کارستانیوں پر پانی پھر گیا اور جس سے وہ انتہا درجے بھنائے۔ میں نے کہا تحریک ۱۸۵۷ء میں

برٹش گورنمنٹ کی بدگمانیاں رفع کرنیکی غرض سے جس طرح سرسید نے مسلمانوں کو صرف تعلیمی اور سماجی امور پر زور دینے اور سیاسی وفاداری برطانیہ کی تلقین کی تھی بالکل اسی طرح آپ کانگریس کے ساتھ مسلمانوں کو بلاشرط وفاداری سکھاتے ہیں اور اسلامی اداروں کو سماجی امور تک محدود کر دینے کے درپے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ"

پارلیمنٹ میں

ہندوستان پارلیمنٹ میں ایک ایسا وقت بھی آیا جب مولانا حسرت کے علاوہ کوئی ممبر ایسا نہ تھا جو مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کرے جوناگڈھ اور حیدرآباد پر ہندوستانی افواج کے قبضے کے بعد تنہا مولانا حسرت ہی نے ایوان پارلیمنٹ میں وہ باتیں کہیں جو کروڑوں مسلمانوں کے دلوں میں تھیں لیکن کسی میں جرأت اظہار نہ تھی انھوں نے سردار پٹیل کے انتہائی دورِ عروج میں انکو مخاطب کر کے فرمایا "تم نے وہی کام کیا ہے جو ہیٹلر ردنٹی اور رکنالیو نے کیا تھا تم نے اپنی طاقتور فوجوں کے بل بوتے پر کمزور ریاستوں کی آزادیاں چھینی ہیں تمہارے محلے پر خدا کی لعنت ہو۔ اس کے علاوہ یوپی اسمبلی میں بھی تنہا حسرت نے اس تجویز کی مخالفت کی جو حیدرآباد میں ہندوستانی افواج کی فتح پر مبارکباد دینے کیلئے پیش کی گئی تھیں۔

پارلیمنٹ کے رکن ہونے کے بعد بھی حسرت نے اپنی زندگی بھر کے اصول کو نہیں بدلا ہمیشہ کی طرح تھرڈ کلاس میں ہی سفر کرتے رہے دہلی میں انکا قیام کبھی دفتر "وحدت" میں رہتا اور کبھی ایک مسجد کے حجرے میں۔ دستور سازی کے زمانے میں ہندوستان میں سخت فرقہ وارانہ فسادات ہو رہے تھے خصوصاً دلی کی سرزمین پر مسلمانوں کیلئے عرصہ حیات تنگ ہو چکا تھا مولانا اس وقت بھی پابندی سے دلی جاتے رہے اور دستور سازی میں حصہ لیتے رہے لیکن دستور مکمل ہونے کے بعد چونکہ وہ مولانا کی مرضی کے مطابق نہ تھا اس لئے انھوں نے اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا مولانا حسرت ہندوستان کیلئے ایک کانفیڈریشن بنانے کے حامی تھے دیسی ریاستوں کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ بشرط حصول آزادی و جمہوریت کانفیڈریشن

میں اپنی اپنی حیثیت واہمیت شامل ہو سکتی ہیں۔ شیخ عبداللہ سے بھی اس سلسلے میں ان کی جھڑپ ہوئی جس پر انکی ڈائری کے درج ذیل اقتباس سے روشنی پڑتی ہے۔

۱۶ار جون ۱۹۴۹ء:۔ آج کانسٹی ٹیوانٹ اسمبلی میں نمائندگان کشمیر پہلی بار شریک ہوئے ہیں نے شیخ عبداللہ سے دیر تک بحث کی کہ راجہ کشمیر کی حکمرانی کیوں تسلیم کی اور تسلیم نہیں کی تو پھر انکی طرف سے نامزد ہو کر تم یہاں کیونکر پہنچے؟ میں نے بڑودہ، میسور اور بھوپال کی نسبت بھی پوچھا کہ انکو دھوکا کیوں دیا؟ "مولانا جس طرح ہندوستان سے مطمئن نہ تھے اس سے کچھ زائد ہی وہ ہندوستان کی آزادی کو اصل آزادی سمجھنے کیلئے تیار نہ تھے اس کا اندازہ ان کے روزنامچے کے درج ذیل اقتباس سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔

۱۵ اگست ۱۹۴۹ء:۔ "آج یوم آزادی کے سلسلے میں راجہ جی[1] کے یہاں شب کی دعوت تھی میں بھی مدعو تھا مگر موٹر یا سواری کا انتظام نہ ہو سکا اس لیے نہ گیا۔ علاوہ ازیں حاصل شدہ آزادی کو حقیقی آزادی سمجھنے کا بھی میرے دل کو اطمینان نہیں ہے۔

اسی روزنامچے میں دلی کے ایک مشاعرہ پر بھی دلچسپ تبصرہ کیا ہے۔

۲۶ر نومبر ۱۹۴۹ء:۔ آج دہلی کالج میں مشاعرہ تھا۔ مرزا جعفر علی خاں اثر کی صدارت کے اعلان نے بہتیرے شاعروں کو بھی اس مشاعرے کی شرکت پر آمادہ کر دیا جو ایسے نافہم سامعین کے سامنے اپنا کلام اور وقت ضائع کرنے کا ارادہ کر چکے تھے مثلاً جوش اور میں خود۔ کالج کے لڑکے اردو زبان سے بیگانہ محض ہیں اس لیے بے سمجھے بوجھے جہاں چاہتے ہیں تالیاں بجا دیتے ہیں۔ اور جہاں چاہتے ہیں واہ واہ سے آسمان سر پہ اٹھا لیتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ۔ اثر صاحب بھی اس لغویت سے متاثر ہوئے اور اپنی تسلیم صدارت سے منفعل۔

---

[1] راجگوپال اچاریہ گورنر جنرل ہندوستان۔

آخری ایّام

۱۹۵۸ء میں مولانا نے آخری بار فریضۂ حج ادا کیا اور غالباً اسی سفر کے دوران میں انھیں اپنے وقت کے قریب آ جانے کا احساس ہو گیا تھا مدینہ طیبہ میں دو تین دفعہ کی حاضری کے بعد انھوں نے واپسی کا قصد ظاہر کیا اور مجھ سے فرمایا کہ وہ جلد از جلد کراچی اور لاہور ہوتے ہوئے لکھنؤ پہنچ جائیں گے کیونکہ اب انھیں زیادہ دن جینا نہیں ہے۔

ان کی صحت ۱۹۵۹ء سے ہی گرنے لگی تھی سفر حج میں بھی وہ بہت کمزور معلوم ہوتے تھے کانپور واپسی کے بعد فوراً لکھنؤ منتقل ہو گئے مجھے ان کی نازک حالت اور تشویشناک علالت کی خبر انکے رشتے کے بھائی اور اپنے عزیز دوست مولوی علی حسین کے خط سے ہوئی اور حسرت صاحب کا یہ مختصر پیغام بھی معلوم ہوا میں یہاں ہوں اور مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ آپ یہاں نہیں ہیں۔

جب میں لکھنؤ پہنچا اور انکی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ ایک پلنگ پر لیٹے تھے جس پر پیال یا ٹاٹ کی ایسی کوئی چیز بچھی تھی دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ مولانا کو اصرار ہے کہ وہ نرم گدے یا قالین کو استعمال نہیں کرینگے میں نے بہ اصرار پلنگ پر توشک بچھوائی اور ان سے کہا کہ اگر آپ ٹاٹ پر لیٹے رہے تو آپ کی پیٹھ پر زخم پڑ جائیں گے جس سے آپ کے علاوہ آپ کے تیمار داروں کو سخت اذیت ہو گی تب وہ توشک بچھوانے پر راضی ہوئے مگر ایک عجیب انداز سے کہنے لگے کہ میں نے تمام زندگی اسی طرح بسر کی آپ چاہتے ہیں میرا وقت گدوں اور قالینوں پر آئے۔

دوا استعمال کرنے اور انجکشن لینے سے بھی بہت الجھتے تھے ایک ڈاکٹر نے طنزاً کہا مولانا۔ آپ ذرا سی سوئی کی تکلیف سے ڈرتے ہیں اس پر سخت ناراض ہوئے اور کہا میں اپنی تمام زندگی میں کسی تکلیف سے نہیں ڈرا ابھی سوئی سے کیا ڈروں گا مزاحمت اس لیے کرتا ہوں کہ اسے بیکار سمجھتا ہوں۔

دورانِ علالت میں مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی مرحوم عیادت کے لیے تشریف لائے کلماتِ تسکین و تشفی کے طور پر کہنے لگے مولانا گھبرایئے نہیں آپکی علالت خطرناک نہیں ہے آپ اچھے ہو جایئے گا مولانا حسرت اٹھکر بیٹھ گئے اور جواب دیا۔ سیلیے صاحب میں بیمار تو ہوں مگر بے وقوف نہیں ہوں مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ میرا وقت آگیا ہے"

۱۹۵۱ء کے روزنامچے کے درج ذیل صفحات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ موت کی قربت کا انھیں پورا علم تھا۔

یکم جنوری ۱۹۵۱ء۔ آج نئے سال کا پہلا دن ہے ہر شخص خیال کرتا ہوگا کہ اس کی عمر میں ایک سال کا اضافہ ہوگیا مگر درحقیقت مقدارِ عمر ایک سال کم ہوگئی اور مرنے کا دن ایک سال قریب ہوگیا۔

۱۵ فروری ۱۹۵۱ء حسن اتفاق مردم شماری میں میرا نام لکھنؤ ہی میں لکھا ہے کانپور میں اس وقت تک نوبت نہیں آئی تھی میرا مقطع بالکل درست نکلا ہے

نہ چھوٹا دیارِ حسرت نہ چھوٹا ‫ ‫ بہت ہم نے چاہا بنیں کانپوری

۱۸ مارچ ۱۹۵۱ء آج رات کو میں نے عالم رویا میں جنت کا نظارہ بہت اچھی طرح کیا بہشت کی ایسی تصویر پیش نظر ہوئی کہ دل کو یقین ہوگیا کہ یہی اس کی اصلی صورت ہے۔ واللہ اعلم

اس سال کی ڈائری کا بیشتر حصہ بیماری اور علاج کی تفصیلات پر مشتمل ہے آخری روزنامچہ ۱۶ مارچ ۱۹۵۱ء کو تحریر کیا۔

انتقال سے تین دن پہلے مولانا حسرت نے خواہش ظاہر کی کہ انکی دواؤں کا حساب صاف کر دیا جائے وہ میرے یہاں مقیم تھے مگر اپنے اخراجات میں کسی کے شرمندۂ احسان نہیں ہوتے میں نے عرض کیا کہ حساب کی صفائی کی کیا عجلت ہے صحت کے بعد رقم دیدی جائیگی مگر مولانا نے کسی طرح نہ مانا اور کل رقم ادا کردی عجیب امر ہے کہ انھوں نے چند روز قبل دواخانے میں فاضل جمع کرا دیئے تھے انتقال کے دن حساب بالکل برابر

تھا۔ کوئی پیسہ ان کے ذمہ باقی نہ تھا دوران علالت میں کسی تکلیف کا اظہار نہیں کرتے تھے اف یا آہ تک ان کے منہ سے کسی نے نہیں سنی۔ زیادہ تر درود شریف یا استغفار پڑھتے رہتے تھے۔

۱۳ مئی ۱۹۵۱ء کو ساڑھے تین بجے صبح مجھے ان کے داماد سید عبد السمیع صاحب نصرت موہانی نے خبر دی کہ مولانا کی حالت بہت نازک ہے جب میں پہنچا تو پلنگ کے گرد ان کے اعزا گریہ وزاری میں مصروف تھے مولانا کی سانس اکھڑ رہی تھی انھوں نے مجھ کو پہنچانا اور اعزا کی طرف اشارہ کر کے بمشکل کہا کہ ان سے کہئے یہ کوئی نئی بات نہیں ہو رہی ہے۔

یہ ان کا آخری کلام تھا اس کے بعد صرف درود یا استغفار پڑھنے کا اندازہ ان کے ہونٹوں کی جنبش سے ہوتا تھا اسی دن ۱۲ بجے دوپہر کو انھوں نے رحلت فرمائی بعد مغرب باغ مولانا انوار میں نماز جنازہ ہوئی اور وہیں دفن ہوئے وفات کے وقت ہجری اعتبار سے وہ چھہتر برس کے تھے انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا حسرت کی پہلی بیوی سے صرف ایک صاحبزادی نعیمہ بیگم سید عبد السمیع موہانی ہیں ان کے پانچ لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں بڑے لڑکے سید رضوان الحسن کو ان کی نانی نے پالا تھا مولانا نے ان کی تاریخ ولادت بھی جیل میں کہی تھی۔

سال پیدائش رضوان حسرت ثانی حسرت موہانی ہے

نعیمہ بیگم اپنے شوہر اور لڑکوں کے ساتھ کراچی میں مقیم ہیں مولانا حسرت نے دوسری شادی اپنے ہی خاندان کی ایک بیوہ سے کی ان سے بھی صرف ایک صاحبزادی خالدہ جو اپنی والدہ کیساتھ کانپور میں رہتی ہیں۔

مولانا کے تین بھائی تھے بڑے بھائی سید روح الحسن اور ایک چھوٹے بھائی سید کریم الحسن کا انتقال مولانا کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا سب سے چھوٹے بھائی سید میلن الحسن بقید حیات ہیں اور ہند کی ضلع فتحپور میں مقیم ہیں۔

ان کی تین بہنیں بھی تھیں جن میں سے دو بقید حیات ہیں اور حیدرآباد دکن میں رہتی ہیں۔

مولانا نے کوئی قابل ذکر ترکہ نہیں چھوڑا آبائی ورثے میں ان کو جو جائداد ملی تھی اس کا ایک بڑا حصہ

جدشاہ رحیم اور ایک حصہ اپنے مرشد مولانا عبدالوہاب فرنگی محلی کے اعراس کے لیے وقف کر چکے تھے۔ ایک حصہ وقف علی الاولاد کر دیا تھا جس کا منافع ان کی صاحبزادی تغیمہ بیگم کو ملنا تھا۔ وہ خود اس سے بھی متمتع نہیں ہوتے تھے ایک قلیل سرمایہ بعض تجارتی کمپنیوں میں بھی لگا ہوا تھا جو بعد کو ان کے ورثا میں تقسیم ہوا۔

حلیہ اور اوصاف

ان کا قد چھوٹا تھا اور رنگ گندمی آنکھیں بڑی تھیں اور چہرے پر چیچک کے داغ نمایاں آواز یک نفیس اور جوانی میں کافی مترنم تھی دور کی نظر ان کی ہمیشہ سے کمزور تھی اس لیے عینک لگانے کے عادی تھے۔

جو وضع انھوں نے اختیار کی اس پر آخیر دم تک قائم رہے شیروانی، ترکی ٹوپی اور پاجامہ عموماً پہنتے تھے جوانی میں ڈاڑھی منڈایا کرتے تھے مگر ایک بار ان کے مخلص دوست عبدالباری خاں وفا نے ان سے وعدہ لیا کہ ڈاڑھی کبھی نہ منڈائیں گے حسرت قول دے چکے تھے اس وعدے کو پورا کیا اور پھر تمام زندگی کبھی ڈاڑھی نہیں منڈوائی ترکی ٹوپی کے وہ پابند نہ تھے ان کے سودیشی اسٹور کے بچے ہوئے سامان میں بہت سی ترکی ٹوپیاں تھیں جب تک یہ چلتی رہیں پہنتے رہے۔ بعد کو دوسری ٹوپیاں بھی استعمال کیں۔

رات کو سوتے وقت سر میں ٹوپی کپڑا باندھ لیتے صبح بہت جلد اٹھتے کھانا اول وقت کھالیا کرتے۔ کھانے پینے میں کسی چیز کے پابند نہ تھے جو مل گیا وہ بخوشی تناول کر لیتے تھے البتہ ترش چیزیں یہاں تک کہ دہی بھی نہ کھاتے تھے۔ پان تو خیر کھا لیتے تھے لیکن تمباکو حقے سگریٹ وغیرہ سے انھوں نے ہمیشہ اجتناب کیا اور سرمہ لگانا کبھی نہ چھوڑا۔[1]

اخبار بہت پابندی سے اور شروع سے لیکر آخر تک پڑھتے تھے زیادہ باتیں نہیں کرتے تھے۔

---

[1] نیاز فتحپوری۔

سیاسی امور پر جب مباحثہ ہوتا اور ان کو جوش آجاتا تو اور بات تھی سیاسی اختلافات کی بنا پر سخت تنقید سے تامل نہیں کرتے مگر ذاتی طور پر انھیں کسی سے عداوت یا عناد نہ تھا اپنے عقائد میں بڑے مضبوط تھے مگر ان کے احباب کے دائرے میں بلا امتیاز مذہب و ملت ہر قسم کے لوگ تھے۔

اپنے ذاتی کام سے کبھی کسی امیر یا حاکم کے پاس نہیں گئے مگر ضرورت مندوں کیلئے ارباب ثروت سے سفارش کرتے میں انھیں تامل نہ ہوتا تھا ارباب غرض اپنے کاموں کیلئے انھیں وزرا یا حکام کے پاس لے جاتے تو وہ بے تکلف چلے جاتے۔

طبیعت میں نہایت انکسار تھا کسی شاعر کی مذمت یا تذلیل نہیں کرتے تھے بلا ضرورت اپنے علم کا اظہار نہیں کرتے تھے بہت اصرار کیا جاتا تو اپنے شعر سنا دیتے تھے اپنی تقریر یا گفتگو میں اپنا کوئی شعر کبھی نہیں پڑھا۔

"ان کی زندگی درویشانہ بلکہ قلندرانہ قسم کی تھی اور مزاج میں حد درجہ استغنا تھا انھوں نے کبھی لیڈر بننے کی کوشش نہیں کی اور نہ کسی بڑے سے بڑے لیڈر سے مرعوب ہوئے دنیاوی لحاظ سے وہ بڑی مختصر تمنائیں رکھنے والے انسان تھے اس لئے ان پر کبھی مایوسی کی کیفیت طاری نہیں ہوتی تھی"[1]

اسلامیت کا پیکر

حسرت کی زندگی صحیح معنوں میں ایک مرد مسلمان کی زندگی تھی ان کی سب سے بڑی صفت یہی تھی کہ ظاہر و باطن یکساں اور ریا و لوث سے پاک وصاف تھا وہ نصف ابہم وزر کے کبھی قائل ہی نہیں ہوئے ایک سچے خدا پرست کی طرح انسانیت سے محبت رکھتے نمود و نمائش سے نفرت کرتے ایسی اعلیٰ فضیلت و درجت کے باوجود حلم و تواضع اور منکسر مزاجی ان کی طبیعت کا خاصہ رہی ان کے احباب میں امیر و کبیر ہستیاں، نامور مدبرین اور مشاہیر شامل تھے لیکن انھوں نے کسی کا آسرا نہ ڈھونڈا اور

---

[1] نیاز فتحپوری

نہ کبھی کسی سے اپنے مقصد یا غرض کی خاطر کسی توقع یا اعانت کے طالب ہوئے اپنی سادہ زندگی کے ہمیشہ خود کفیل رہے کسی دوست کی کوئی مدد کسی حالت میں قبول نہ کی یہاں تک کہ گھر کے کام کاج کے لیے بھی نوکر تک کی امداد گوارا نہ کرتے اپنے تمام کام اپنے ہاتھ سے کرتے میں نے بارہا بچشم خود انھیں گھر کا سودا سلف بازار سے لاتے محلے کے نل سے پانی بھر کر بالٹیاں اٹھاتے دیکھا ہے اسی طرح سادہ وضع پر تا حیات قائم رہے اور دوسروں کے دست نگر نہ رہے "[1]

حشر عمل کس قیامت کا یہ آدمی تھا۔ حشر خیال نہیں حشر عمل جس بات کو اپنے نزدیک حق سمجھتا تھا اس کو بغیر تامل کے بغیر گوٹ کے بڑھائے بغیر ہموار کیے بغیر مصلحت یا موقعے کا انتظار کیے بے ضغطۂ زبان بغیر پلک جھپکائے۔ مخاطب فلاطون ہو یا فرعون۔ اس کے سامنے کہہ ڈالنا حسرت کے لیے معمولی بات تھی۔

" ایسا درد، سچا محبت کرنے والا اور محبت کے گیت گانے والا اب کہاں سے آئے گا۔ کسی شے دبنے والا ہر شخص پر شفقت کرنے والا، زبان کا نباض، شاعروں کا والی، غزل کا امام، ادب کا خدمت گزار۔ کیسی سچی بات کسی نے کہی کہ "سیاست کوئلے کا کاروبار ہے جس میں سبھی کا ہاتھ تھوڑا بہت کالا ہوتا ہے۔ سوائے حسرت کے"[2]

---

[1] عشرت رحمانی [2] رشید احمد صدیقی

مرحومہ بیگم حسرت موہانی

مولانا حسرت کے تمام سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ ان کی سیرت کی تعمیر اور انکی سیاسی اور ادبی خدمات میں بڑا حصہ مرحومہ بیگم حسرت کا ہے ان کا نام نشاط النساء تھا اور مولانا کے قریبی عزیز سید شبیر حسن موہانی کی دختر نیک اختر تھیں غالباً ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئیں اور ان کا عقد مولانا حسرت کی طالب علمی ہی کے زمانے میں ہو گیا تھا۔ رواج کے مطابق گھر پر تعلیم پائی تھیں تصوف کا ذوق اور ادبی مذاق دونوں میں مولانا حسرت کی شریک تھیں ان کی بیوی نے جس دلیری بہادری استقلال اور صبر سے مشکلات کا سامنا کیا اس کی نظیر ملنا مشکل ہے مولانا کی قید کے زمانے میں ان کے مقدمات کی پیروی اردوئے معلیٰ کی اشاعت پریس کا بندوبست اخبارت کی نگرانی، دواوین کی ترتیب وطباعت سب کام ان محترم خاتون نے انجام دیئے حقیقی معنوں میں مولانا حسرت کی شریک حیات تھیں۔

سیاسی معاملات میں بھی وہ مولانا کے ساتھ شریک رہیں ۲۵ء کا نگریس کا سالانہ اجلاس مسز نیڈو کی صدارت میں کانپور میں ہو رہا تھا مولانا حسرت اور بیگم حسرت مزدوروں کے ایک جلوس کی قیادت کر رہے تھے جب کانگریس کے پنڈال کے قریب یہ جلوس پہنچا تو پنڈت جواہر لال نہرو نے جو کانگریس رضاروں کی کمان کر رہے تھے اس جلوس پر لاٹھی چارج کرنے کی دھمکی دی اس پر مرحومہ بیگم حسرت موہانی نے کھینچ کر جواہر لال نہرو کے منہ پر طمانچہ لگایا اور نادری حکم کی بدتمیزی پر سرزنش کی جواہر لال نہرو نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور یہ جلوس کانگریس کے اجلاس میں شامل ہو گیا۔

مولانا کی پہلی گرفتاری کے موقعہ پر انھوں نے جس کردار کا مظاہرہ کیا اس کا اندازہ درج ذیل عبارتوں سے کیا۔

گرفتاری کے وقت راقم حروف کی شیرخوار لڑکی نعیمہ حد درجہ علیل تھیں اور اتفاق سے مکان میں

والدہ نعیمہ ایک خادمہ کے سوا اور کوئی موجود نہ تھا لیکن ان کی ذات سے اس نازک وقت میں بربنائے قیادت وتائیدِ ربانی حیرت انگیز حوصلہ واستقلال کا اظہار ہوا خود پریشان ہو کر راقم کو بھی مغموم کرنے کے بجائے انھوں نے دوسرے ہی دن بذریعہ سپرنٹنڈنٹ جیل ایک ایسا ہمت افزا خط بھیجا جسے دیکھ کر جملہ کارپردازان زندان حیران رہ گئے راقم کا دل بفضلہ امر حق کی بہبودی کے باعث یونہی قوی تھا لیکن ان کی یہ تحریر کا تم پر جو افتاد پڑی ہے اسے مردانہ وار برداشت کرو میرا یا گھر کا مطلق خیال نہ کرنا خبردار تم سے کسی قسم کی کمزوری کا اظہار نہ ہو تقویت مزید کا باعث ہوئی بھائی صاحب کو انھوں نے تار دے کر بلوالیا تھا جن کے ہمراہ مجھ سے وہ ملنے بھی آئیں اور جب تک مقدمہ چلتا رہا ہر ہفتہ آیا کیں اور آخر تک ان کی جرائت ہمت میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔

ان محترم خاتون کی وفات پر مولانا حسرت نے تحریر فرمایا۔

۱۸ اپریل ۱۹۳۷ء ٹھیک گیارہ بجے دن کے وقت بیگم حسرت مکروہات دنیا سے آزاد ہو کر بہ اطمینان تمام واصل بہ حق ہو گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سلسلۂ علالت کئی سال سے جاری تھا سال بھر بیمار رہتی تھیں لیکن موسم حج کے قریب اس قدر صحت حاصل کر لیتی تھیں کہ حج کے لیے میرے ساتھ جانے میں بہ ظاہر کوئی دشواری نظر نہ آتی تھی چار سال یہی حال رہا آخری بار یعنی ۱۹۳۶ء میں براہ عراق سفر حج کے وقت البتہ وہ اس قدر کمزور تھیں کہ ان کو ساتھ لے جانے کی ہمت نہ ہوتی تھی مگر ان کی دل شکنی اور مایوسی کا خیال بھی سوہان روح تھا مجبوراً مجھ کو یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ بصرہ تک جہاز اور وہاں سے بغداد تک ریل میں جانا چونکہ نسبتاً آسان ہے اس لیے ان کو وہیں چھوڑوں گا اور صرف صحرائے عرب ۱۲۰۰ میل موٹر میں طے کر کے مدینہ اور مدینہ سے مکے ہو کر پھر اسی راہ واپس آؤنگا اور بغداد سے پھر ساتھ لیونگا اس تجویز کو انھوں نے سنا مگر کچھ نہ سنا اور کچھ نہ کہا اور ساتھ ہولیں مگر بغداد پہنچکر اپنے جد امجد حضرت امام موسیٰ کاظم کے روبرو دل نے اللہ سے دعا کی کہ زیارت

روضۂ رسول اور حج زیارت سے محروم نہ ہوں اس دعا نے تریاق محبوب کا کام کیا اور انھوں نے باوجود علالت ونقاہت تمام ارکان حج بخوبی ادا کیے اور دو بار مدینے اور دو ہی بار بغداد و کاظمین نجف و کربلا میں حاضری دے کر صحیح وسلامت کانپور پہنچ گیئں۔ مگر بصرے سے کراچی پہنچتے پہنچتے علالت پھر نمودار ہوگئی جس کی روز افزوں تکلیفیں آخر کار ان کی جان لے کر ہی گیئں۔

ریڑھ کی ہڈی میں کچھ خرابی ایسی پیدا ہو گئی تھی جو ڈاکٹروں کی رائے میں لاعلاج ہوتی تھی اور جس کی وجہ سے ان کے جسم کا نصف حصہ اسفل کئی ماہ سے بالکل بے حس ہو گیا تھا اور پلنگ پر پڑے پڑے کئی زخم نہایت درتکلیف دہ پیدا ہو گئے تھے پسلیوں میں بھی شدید درد رہنے لگا مگر ان کی زبان سے اس کے سوا کہ "جو اللہ کی مرضی" اور اس کی مصلحت کا تقاضا کسی نے بھی کوئی شکایت نہ سنا کبھی کبھی البتہ اتنا کہہ دیتی تھیں کہ جب بیماری میں تکلیف کی شدت ہو تو جسم روح کے وقت کیا حال ہو گا مگر انتقال سے ایک روز قبل نماز فجر کے اول وقت ٹوٹے پھوٹے الفاظوں میں کہا کہ اب مجھ کو کسی تکلیف کا اندیشہ نہیں ہے اس لیے کہ ابھی ابھی حضور تشریف لائے تھے تو میں نے دامن تھام اور عرض کیا کہ مجھکو مدینے لے چلیے آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں ہم تم کو جلد بلا لیں اور تکلیف جان کنی کی نسبت بھی ارشاد ہوا تم ذمہ دار ہیں تم کو ایسی کوئی تکلیف نہ ہو گی چنانچہ اب ہم کو کوئی فکر نہیں ہے۔

الحمد للہ کہ نتیجہ بھی واقعی اسی شکل میں ظاہر ہوا کہ میرے سوا کسی کو آخر تک اس کا احساس نہ ہوا کہ ان کا خاتمہ اس درجہ قریب ہے۔

خدا گواہ ہے کہ راقم کے اس قول میں ذرا برابر بھی مبالغہ نہیں ہے کہ ایثار، حیا، غیرت، مروت و محبت فہم و فراست، جرأت و صداقت، وفا و سخا حسن عقیدت، صدق و نیت و خلوص و عبادت حسن خلق، صحت مذاق، پاکی و پاکیزگی، صبر و استقلال اور سب سے بڑھ کر عشق رسول اور محبت حضرت حق کے لحاظ سے شاید مسلمان عورتوں بلکہ مردوں میں بھی کم ایسے افراد موجود ہوں گے جن

کو ہم بیگم حسرت سے بہتر بلکہ برابر دے سکیں ان تمام باتوں کی تفصیل ایک حد اماہ تصنیف کے طالب ہیں۔

ایں سعادت بہ زور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

راقم کو بیگم حسرت کی جدائی سب سے زیادہ اس خیال سے شاق ہے کہ اب کوئی اس کی کوتاہیوں پر ملامت کرنیوالا نہ رہا ظاہری تعلیم کو چھوڑ کر باقی کل باتوں میں بیگم اس سے بدرجہا بہتر ہیں ان کو ہر قسم کی تنبیہ کا حق حاصل تھا جس کا اثر بھی خاطر خواہ ہوتا تھا افسوس کہ گذشتہ چند ماہ کے دوران میں مجھ سے بعض خانگی امور میں بالکل نادانستہ طور پر ایسی خامیاں ظاہر ہوئیں جن کی بنا پر انھوں نے اپنے لیے میری جانب سے بے رخی و کم التفاتی کا گمان پیدا ہو گیا اور اس کا انھیں بہت صدمہ ہوا بعد میں اگرچہ فطری نیک نیتی اور عالی حوصلگی کی بنا پر انھوں نے میری معذرت کو صحیح تسلیم کر کے دل کو صاف کر لیا تھا مگر مجھکو پاداش کا خطرہ ہی .... لگا رہتا تھا جس کا اظہار میں نے اپنی آخری غزل میں بہ ایں الفاظ کیا تھا۔

چھوڑ کر وہ چل نہ دیں آخر زراہ انتقام

مجھ کو تنہا رات دن آنسو بہانے کے لئے

افسوس کہ جس بات کا ڈر تھا وہی سامنے آئی اور ہمیشہ کیلئے مجھ کو مغموم و محروم بنا گئی

(منقول از حسرت موہانی)

(مصنفہ از پرنسپل عبدالشکور)

مولانا حسرت کا سلسلہ طریقت

مولانا حسرت کے مرشد حضرت مولانا شاہ عبدالوہاب صاحبؒ فرنگی محل ایک ایسے خاندان کے رکن تھے جس کا علمی تبحر اور حاق درجہ مسلم ہے انکے جد اعلیٰ حضرت ملا قطب الدین شہید سہالوی سلسلہ چشتیہ سے وابستہ تھے لیکن حضرت قطب شہید کے فرزند استاذ الہند ملا نظام الدین اور پوتے حضرت ملا احمد عبدالحق ایک ایسے بزرگ کے وسیلے سے قادریہ میں داخل ہوئے جو عارف رموز شریعت و طریقت تھے مگر بظاہر نوشت و خواند سے بھی نا آشنا تھے۔ ؎

نگار ما کہ بہ مکتب نہ رفت و خط نوشت
بغمزہ مسئلہ رموز صد مدرس شد

ان جلیل القدر بزرگ کا نام نامی اور اسم گرامی (سید السادات حضرت شاہ) عبدالرزاق (علیہ الرحمۃ) تھا حضرت ممدوح اودھ کے ایک گاؤں بانسہ شریف میں اقامت پذیر ہوئے اور وہیں آپ کا مرقد منور ہے سید صاحب نے مولا علی کرم اللہ وجہہ کی خواب میں زیارت کی اور ان کے ارشاد کے بموجب حضرت میر سید عبدالصمد خدانما احمد آبادی کے دست حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوئے میر خدانما علیہ الرحمۃ کے ایک خادم خصوصی تاج بابا نے بیعت کے بعد درخواست کی کہ معمولی کے مطابق حضرت سید صاحب کو چلہ کشی کی ہدایت کی جائے اس پر حضرت میر عبدالصمد خدانما نے فرمایا "اولیاء کاملین کو جو کچھ خلوت اور چلہ کشی میں حاصل ہوا ہے وہ اس سپاہی کو گھوڑے کے پیٹ پر حاصل ہو گا" حضرت سید صاحب کو رخصت کرتے وقت ہدایت فرمائی کہ جب دہلی سے گزریں میر سید حسین رسولنما سے ملاقات کریں جب وہ دہلی پہنچے اور میر سید حسن رسولنما سے ملے تو انھوں نے فرمایا اے مرد سپاہی ایک ہی بات ہے جو تم کو تمہارے پیر و مرشد سے پہنچی اور مجھکو میرے پیر سے لیکن مطالب کا حصول ہر ایک کی سعی کوشش کے بقدر ہے ایسا نہ چاہیے کہ خوب شکم سیر ہو کر کھائے اور پیر پھیلا کے سوئے اور کسی فقیر کو بدنام کرے۔

مولانا حسرت کے جد سید محمود نیشاپوری کو دسویں پشت میں حضرت شاہ وجیہ الدین محمد تھے جو ۱۱۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۶۳ھ میں انکی وفات ہوئی شاہ وجیہ تحصیل علوم کے بعد گئے تھے اور وہاں سید حسن رسولنما کی خدمت میں حاضر ہوئے غالباً بیعت سے بھی مشرف ہوئے شاہ وجیہ مولانا حسرت کے پر دادا تھے ان کا عرس موہان میں ہوتا ہے اور مولانا حسرت نے اپنی جائداد کا ایک حصہ اس عرس کیلئے پہلے حج کے جانے سے پہلے وقف ہی کر دیا تھا۔

ملا احمد عبد الحق فرنگی محلی کے فرزند مولانا انوار الحق سلسلہ رزاقیہ قادریہ کے ایک نمایاں بزرگ تھے قبرستان فرنگی محلی جہاں مولانا حسرت مدفون ہیں انھیں کے نام سے منسوب ہے اور باغ انوار کہا جاتا ہے سادات موہان مولانا انوار الحق کے زمانے ہی سے وابستہ ہو چکے تھے مولانا حسرت کے پرنانا مولانا سید آل حسن مرحوم مولانا انوار الحق کے مرید تھے مولانا انوار الحق کے جانشین مولانا عبد الوالی اور انکے جانشین مولانا عبد الرزاق فرنگی محلی تھے مولانا حسرت کے نانا احمد سعید مولانا عبد الرزاق کے خصوصی مرید تھے اور مدت العمر فرنگی محل میں اپنے پیر و مرشد کے پاس رہے مولانا حسرت کا پورا خاندان شاہ عبد الرزاق فرنگی محلی کا ارادت مند تھا انکی والدہ اعراس میں شرکت کیلئے پابندی سے جایا کرتی تھیں اور مولانا ان کے ساتھ ہوتے تھے اس لیے عہد طفولیت ہی سے وہ حضرت مولانا شاہ عبد الرزاق کے معتقد تھے اور ارادت مند تھے بہت ممکن ہے کہ انھوں نے بچپن ہی سے بیعت کی ہو کیونکہ اکثر اشعار میں اس طرف اشارے ملتے ہیں مثلاً ؎

غلام حضرت رزاق کیا ہوئے حسرت

کہ آپ نام خدا عاشقوں کے میر ہوئے

مولانا حسرت کو مولانا شاہ عبد الرزاق سے بے حد عقیدت تھی اردوئے معلی اگست ۱۹۲۸ء کی اشاعت میں انوار رزاقیہ (سوانح حیات مولانا شاہ عبد الرزاق) پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ہمارے حضرت کامل ولی کامل، امام وقت اور غوث دوراں ہونا ارباب نظر اور اہل تحقیق کے نزدیک مسلم ہے۔

خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کو حضور کی زیارت نصیب ہوئی۔ جن لوگوں کو یہ دولت نہیں نصیب ہوئی انھیں کم سے کم اس کتاب کے مطالعہ سے فیضیاب ہونا لازم ہے لکھنؤ منسٹرل جیل میں فقیر نے حضور کی شان میں یہ شعر کہے تھے ؎

اک خلش ہوتی ہے محسوس رگ جاں کے قریب
آن پہنچے ہیں مگر منزل جاناں کے قریب

لکھنؤ آنے کا باعث یہ کھلا آخر کار
کھینچ لایا ہے دل اک شاہد پنہاں کے قریب

روز ہو جاتی ہے رویائیں زیارت حسرت
آستان شہ رزاق ہے زنداں کے قریب

مولانا عبدالرزاق کے وصال بعد ان کے جانشین ان کے فرزند مولانا عبدالوہاب ہوئے مولانا حسرت نے تجدید بیعت یا باقاعدہ بیعت ان سے کی خود بیان فرماتے تھے کہ یہ بیعت بعض قلبی شکوک کے رفع ہو جانے کی وجہ سے کی گئی اس مقطع میں اس واقعہ کی طرف بھی اشارہ ہے۔

کیا چیز تھی وہ مرشد وہاب کی نگاہ
حسرت کو جس نے عارف کامل بنا دیا

اردوئے معلیٰ میں جو شجرے شائع ہوئے ہیں وہ مولانا عبدالباری کے عنایت کیے ہوئے ہیں اور عبارت ذیل ان پر لکھی ہیں:۔ "مولوی سید فضل الحسن لالہ بر دست حضرت ابن مرشدی مولانا عبدالوہاب قدس سرالعزیز توبہ کردہ بیعت نمودہ داخل سلسلہ قادریہ رزاقیہ والیہ رزاقیہ شدہ استقامت بر توبہ بخشاد و خاتمہ بخیر کناد"

اس سلسلہ مشائخ کا دستور تھا کہ وہ مرید کو پہلے سلسلہ قادریہ میں اور بعد کو ظرف استطاعت کے مطابق سلاسل چشت و دیگر سلاسل میں بھی داخل کرتے تھے حضرت سید بانسوی کو سلسلہ چشتیہ کی احتیاجات باطنی مکاشفات کی بنا پر ہوئی مولانا حسرت کو سلسلہ قادریہ کی خلافت حاصل ہو چکی تھی اور بعد کو دولت چشت بعطائے خاص حاصل ہوئی اجمال اس تفصیل کی درج ذیل مکتوب سے ہوتی ہے۔

از زیر دو استرول جیل۔ ۵۔ شعبان المعظم

مخدومی و مطاعی۔ بعد سلام مسنون گذارش ہے کہ اس وقت تک میں نے شرم کے سبب سے اپنا

حال آپ کو نہیں لکھا تھا مگر آج بایماے خاص بذریعہ عریضہ ہذا درخواست کرتا ہوں کہ بروقت ضرورت مجھکو سلسلہ چشتیہ صابریہ رزاقیہ انواریہ والیہ رزاقیہ میں بیعت لینے کی اجازت مرحمت ہو میں آپکی اجازت کو اپنے اور آپ کے مرشد علیہ الرحمۃ کی اجازت کا قائم مقام سمجھوں گا۔

درصورت منظوری درخواست اگر جواب بذریعہ تار مرحمت ہو تو اور بھی خوب ہو

خاک پاے شماد بزرگان شما۔ فقیر حسرت موہانی

پتہ یہ ہے ا۔ در جیل خانہ حسرت موہانی بذریعہ سپرنٹنڈنٹ جیل۔ یرودا۔ پونا

جواب از حضرت مولانا عبدالباری صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

آپ کا خط مولانا عبدالوالی صاحبؒ کے عرس کے دوران میں پہونچا جو آپ کی شرکت کا قائم مقام ہے میں آپ کو مطلوبہ اخذ بیعت کی اجازت بخوشی دیتا ہوں اور اپنے لیے باعث افتخار و مغفرت سمجھتا ہوں مجھے آپ کی تخفیف سزا کا حال معلوم ہوا۔

مولانا حسرت کو دوسرے سلاسل میں بھی بیعت لینے کی اجازت ان کے مرشد زادے نے دے دی تھی لیکن شاگردان شاعری کی طرح مریدان حسرت کی تعداد بہت مختصر ہے۔

مولانا حسرت نے اپنے شیوخ کی مدح میں جو اشعار لکھے ہیں وہ تصنع سے بری ہیں اور ان میں زیادہ تر ایسے معاملات کا ذکر ہے جو ان پر خود گزر رہے ہیں مثلاً قید فرنگ ثانی میں ان کو بلا اطلاع فیض آباد جیل سے لکھنؤ جیل لایا گیا مولانا حسرت قید تنہائی میں تھے اور بند گاڑی میں لکھنؤ لاے گئے کسی بیرونی ذریعہ سے انھیں معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کس جگہ ہیں پہلی ہی شب میں انھوں نے خواب میں حضرت مولانا شاہ عبدالرزاق کی زیارت کی حضرت نے تسلی دی اور کہا کہ وہ قریب ہیں۔ مولانا حسرت فرماتے تھے کہ جتنے دن لکھنؤ جیل میں رہے ہر روز زیارت کی مقطع میں برملا اس کا ذکر موجود ہے ؎

روز ہو جاتی ہے رویا میں زیارت حسرتؔ آستان شہ رزاق ہے زنداں کے قریب

اس غزل کے ان دو اشعار کے علاوہ جو اوپر درج ہو چکے یہ دو شعر بھی بیان واقعہ ہیں۔

وہ جو ہیں پاس تو بھی ہے اک بدل میں
کامیابی بھی نمودار ہو حرماں کے قریب

پلٹے اس ڈھب سے کہ پھر ہو نہ جدا خاک مری
کہیں پہونچے بھی تو اس گوشہ داماں کے قریب

سلسلہ قادریہ کے بانی حضرت غوث اعظم جیلانی سے مولانا حسرت موہانی کو والہانہ شیفتگی تھی اور ان کا عقیدہ تھا کہ جو بھی خواہش وہ دربار غوثیت میں کرتے ہیں وہ ضرور قبول ہوتی ہے جب وہ زمانہ جنگ میں بغداد شریف حاضر ہوئے تو دعا کی کہ روس کو شکست نہ ہو لڑائی کے خاتمے کے بعد کہا کرتے تھے کہ ان کی یہ دعا بھی قبول ہوئی حضرت غوث پاک کی شان میں ایک غزل ایسی ہے جو بعض قادری خانوادوں میں وظیفے کے ساتھ پڑھی جاتی تھی

دستگیری کا طلبگار ہوں شیاً للہ
میر بغداد میں بیمار ہوں شیاً للہ

اس غزل کے مقطعے میں بھی ان کے متکلم عقیدے کا اظہار ہے۔

غوث الاعظم سے جو مانگوگے ملیگا حسرت
بس کہو حاضر دربار ہوں شیاً للہ

سلسلہ چشتیہ کے بزرگوں کے اعراس میں بھی پابندی سے شریک ہوتے تھے پہلی بار قید فرنگ سے رہا ہوتے وقت ان کو سب سے زیادہ مسرت یہ تھی کہ حضرت مخدوم عبدالحق ردولوی عرس میں شرکت ہو جائیگی۔
راقم حروف کو بزرگان دین کی عقیدت کے ساتھ جو فطری انس ہے اسکی بدولت زندان فرنگ میں جیسی کچھ قلبی قوت اور روحانی آزادی واطمینان میسر رہا اور ضمناً جو باطنی فیوض حاصل ہوئے الفاظ کے ذریعہ انکی حقیقت صحیح طور سے بیان نہ ہو سکتی تھی نہ انکے ذکر کا یہ محل ہے اس لیئے اس سے قطع نظر ہی مناسب ہے۔
البتہ آخر زمانہ قید فرنگ کا ایک واقعہ ایسا ہے جس کے اظہار پر کوئی حرج نہیں ردولی شریف کا عرس ماہ جمادی الثانی کی درمیانی تاریخوں میں ہوتا ہے۔ ۱۳۲۸ھ میں یہ تاریخیں ماہ جولائی کی ابتدائی تاریخوں سے مطابق واقع ہوئی تھیں اتفاق سے میں نے ایک روز سوتے وقت حساب کیا تو معلوم ہوا کہ میری رہائی کا دن ٹھیک اس تاریخ مقرر ہوا ہے جو عرس کا آخری روز ہو گا مجھ کو چونکہ حاضری عرس شیخ العالم سے معاد اندوز

اور فیض پذیر ہونے کا اکثر اتفاق ہو چکا تھا اس لیے بے اختیار دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ رہائی کی تاریخ دو ایک روز قبل بھی مقرر ہوتی تو شرکت عرس کا موقع مل سکتا تھا لیکن تاریخ رہائی ٹکٹ پر درج ہو جانے کے بعد دوبارہ تبدیلی ہو سکنے کا اس وقت میرے دل میں وہم و گمان بھی نہ تھا پھر بھی نہ اٹھنے پر سب سے پہلی بات جو مجھے معلوم ہوئی وہ یہ تھی کہ سپرنٹنڈنٹ صاحب نے صبح اٹھنے پر مجھے غیر معمولی طور پر دفتر کے بجائے نئی تکلیف میں طلب کیا نئی تکلیف بس پہونچکر منشی صاحب سے معلوم ہوا کہ صاحب بہادر میرے استقلال اور نیک چلنی سے بہت خوش ہوئے ہیں اور اس لیے اپنے اختیار سے غالباً وقت مقررہ سے کچھ قبل ہی مجھے رہا کر دیں گے اس مژدۂ جانفزا کے سننے سے مجھکو بھی بہت مسرت ہوئی اور یقین ہو گیا کہ گذشتہ شب کی آرزو اب ضرور پوری ہو گی سپرنٹنڈنٹ صاحب نے مجھ کو دیکھتے ہی حکم دیا کہ ہم اپنی جانب سے ان کو پندرہ دن کی رہائی پہلے دیتے ہیں چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی اور تاریخ مقررہ سے پندرہ روز قبل رہا ہو کر شام تک الہ آباد میں شہر کو مکان روانہ ہوا اور وہاں دس دن قیام کر کے بااطمینان تمام ردولی روانہ ہوا ممکن ہے کہ لوگ اس واقعہ کو حسن اتفاق پر محمول کریں لیکن راقم کے نزدیک یہ سب کچھ شیخ العالم مخدوم احمد عبدالحق ردولی رحمتہ اللہ علیہ کے باطنی تصرف اور توجہ کا نتیجہ تھا۔

(مشاہدات زندان صفحہ ۱۲)

مولانا حسرت نہ صرف باقاعدہ مرید اور بزرگان سلسلہ کے معتقد تھے وہ اپنے سلسلے کے سلوک اور زیارات سے بھی آگاہ تھے جس طرح انکی شاعری غور و فکر عمیق مطالعے اور قدیم قواعد کی پابندی کی وجہ سے اساتذہ قدیم کے اصول پر بھی درست ہے اور ندرت مضامین وجدتِ فکر کے لحاظ سے جدید تقاضوں کو بھی پورا کرتی ہے اسی طرح ان کی طریقت اگر ایک طرف مجاہدات و مکاشفات سے وابستہ ہے تو دوسری طرف ان کے سیاسی کردار و افکار پر اس کے گہرے اثرات پڑے ہیں ایک سچے درویش کی طرح وہ زندگی بھر ساز و سامان سے بے نیاز رہے اللہ کے ایک فقیر کی شان سے کبھی مخلوق کے سامنے دست طلب دراز نہیں کیا قید فرنگ میں جن مصائب کا سامنا ہوا وہ خوشی خوشی برداشت کیں حق گوئی اور بے خوفی انکا اشعار رہا کبھی مایوس و ملول

نہیں ہوئے طالبان حق و مالکانِ معرفت کو جو کچھ چلہ کشی اور ریاضت سے حاصل ہوتا ہے وہ مولانا حسرت کو چکی کی مشقت اور جیل خانہ کے اعتکاف میں حاصل ہوا مشاہدات زندان کے صفحات گواہ ہیں کہ سیاسی جدوجہد اور قید و بند کے تمام مراحل انھوں نے ایک پکے صوفی کے انداز سے طے کیے، ان کے سیاسی نظریات کلیتہً ان کی درویشی کا نتیجہ تھے حد یہ ہے کہ اشتراکیت کے ایسے نظریے کو بھی وہ اپنے درویشی اور اسلام سے مرتبط سمجھتے تھے خود فرماتے ہیں۔

اہل ایماں رکھتے ہیں کامل بقول اے جنوں | شان لا خوف علیہم شیوۂ لا یحزنون
کامیاب و کامراں ہیں شاد کام و شادماں | گو کہ دیوانے ترے ظاہر میں ہیں زار و زبوں
روشنی بخش دل و جاں ہو نہ کیوں اس کا خیال | جس کے جلوے کی درخشانی ہے انوار العیوں

تکمیل علاج دنیوی کو حسرت | ہے خواہش حسن عاقبت بھی لازم
درویشی و انقلاب مسلک ہے مرا | صوفی مومن ہوں اشتراکی مسلم
زانروکہ بہ ہیچ است مآل اسلام | فی الجملہ ہے آئینہ سویت قائم

پرنسپل عبدالشکور صاحب نے اپنی کتاب حسرت موہانی میں ان کا ایک جملہ نقل کیا ہے جس سے ان کے عقائد کی پوری تشریح ہو جاتی ہے۔ "میں قدامت پرست سنی اور صوفی ہوں تصوف کو مذہب کا جوہر سمجھتا ہوں اور تصوف کا ماحصل میرے نزدیک جذبۂ عشق ہے۔"

علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے تحریر فرمایا ہے:۔

"بچپن ہی میں وہ قادری سلسلہ میں مولانا شاہ عبدالوہاب صاحب فرنگی محلی (پدر بزرگوار مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی یعنی جد بزرگوار مولانا جمال میاں فرنگی محلی) کے مرید ہو چکے تھے اور اس سلسلہ میں سید مولانا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے انکو خاص عقیدت تھی یہی وجہ ہے کہ ہزاروں انقلابات کے باوجود حسرت اپنی زندگی اور صوفیانہ مشرب میں غیر متزلزل رہے۔ بچپن سے موت تک وہ سچے اور پکے دیندار مسلمان رہے وہ نہ صرف مسلمان

بلکہ صوفی مسلمان تھے اور صوفیوں میں بھی وہ صوفی جن سے بزرگوں کا کوئی مزار اور کوئی عرس اور کوئی قوالی کی مجلس چھوٹتی نہ تھی خصوصاً فرنگی محلی اور ردولی کی مجلس "سید فضل الحسن موہانی کی زندگی کے واقعات پر نظر کرکے ان کی شان حضرت ابوذر صحابی کی سی نظر آتی ہے جن کی نسبت رسول اللہ نے فرمایا ابوذر سے زیادہ کسی حق گو پر آفتاب کی کرن کبھی نہیں چمکی سچ یہ ہے کہ اس عہد پر فریب میں حسرت سے زیادہ کسی حق گو پر آفتاب کی کرن کبھی نہیں چمکی۔

مولانا حسرت نے جابجا اس کا اظہار کیا ہے کہ انکی بے انتہا قوت برداشت اور فطری شادمانی وبے غمی کا سرچشمہ ان کا ذوق تصوف اور جذبہ عشق ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی شاعری اور سیاست ان کے تصوف سے وابستہ ہیں ان کا عشق مجازی بھی ہے تو صرف حقیقت کی رہنمائی کے لیے۔

حق الیقیں تک آئے ہیں عین الیقیں سے ہم　　　　عشق بتاں سراج طریقت صفا بنا

مولانا صوفی تھے صاحب نسبت تھے اپنے مرشدین کی روحانیت سے اکتساب فیوض کرتے تھے ان کے سلسلہ طریقت میں صفائے باطن اور تہذیب اخلاق کے ساتھ شریعت کی کامل پابندی لازمی ہے اس لیے انکا کلام یکسران اصلاحات اور مضامین سے خالی ہے جو ارباب تصوف کے نقل کرنیکا شعار ہیں انھوں نے ایسے اشعار نہیں لکھے ہیں جو شریعت اور طریقت کے پورے معیار پر نہ اتریں انھوں نے اپنا سلوک دو مصرعوں میں بیان کر دیا اور ان کی سیرت شاہد ہے کہ وہ ان پر عامل رہے ؎

خدمت خلق و عشق حضرت حق　　　　پڑھ لے اس کے سوا نہ کوئی سبق

ان کا خیال تھا کہ گیتا میں وراگ اور تیاگ پر زور نہیں دیا گیا ہے بلکہ سری کرشن عمل یعنی کرم یوگ کے فلسفہ کی تبلیغ کرتے تھے اس لیے انکے نزدیک اسلام اور گیتا کی تعلیمات میں جابجا یکسانیت پائی جاتی ہے کرشن جی کے ساتھ اس حسن باطن کے باوجود انھوں نے ان کی مدح میں جو غزلیں لکھی ہیں ان کے ساتھ حضرت سید ہانسوی کے مکاشفے کا بھی حوالہ دیا ہے اور اس مدح میں بھی اپنے اصول سے نہیں ہٹتے ہیں۔

متھرا کہ نگر ہے عاشقی کا — دم بھرتی ہے آرزو اسی کا
پیغام حیات جاوداں تھا — ہر نغمہ کرشن بانسری کا
وہ نور سیاہ تھا کہ حسرت — سرچشمہ فروغ آگہی کا

دیوان ہفتم کے دیباچہ میں انھوں نے تحریر فرمایا ہے "جن جن بزرگوں سے فقیر کو فیض پہنچا ہے ان ہی اکثر کی جانب اس مجموعہ میں کہیں نہ کہیں اشارہ موجود ہے بزرگانِ دین اسلام کے علاوہ ایک موقع پر سری کرشن کا بھی نام آیا ہے۔ حضرت سری کرشن علیہ الرحمۃ کے سلسلے میں فقیر اپنے پیر اور پیروں کے پیر حضرت سید عبدالرزاق بانسوی قدس اللہ سرہ کے مسلک عاشقی کا پیرو ہے"

مسلک عشق ہے پرستش حسن — ہم نہیں جانتے عذاب و ثواب

طریقت نے انکو سب سے بڑی نعمت یہ عنایت کی کہ وہ صوم و صلوٰۃ حج اور خیرات کی انتہائی پابندی اور مہمات شرعیہ سے مکمل اقرار کے باوجود تقشف کی خشونت اور زہد کے غرور سے محفوظ رہے ہے۔ کلیات حسرت کے مطالعہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ انھوں نے راہ سلوک و تصوف کو طے کر لیا تھا تصور شیخ اور محبت شیخ سے تصور رسول اور محبت رسول تک پہنچے۔ فنا فی الشیخ سے فنا فی الرسول ہوئے اور درجہ کمال یعنی فنا فی اللہ بھی حاصل کر لیا کلیات کے ابتدائی حصول میں شیوخ طریقت کی مدح سرائی ہے اور آخری حصوں میں زیادہ تر نعت و حمد ہے۔

مولانا حسرت کی شاعری اور انکی سیاست بلکہ انکی ساری زندگی تصوف اور روحانیت پر مبنی تھی انکے روزنامچے کے چند صفحات یہاں نقل کیے جا رہے ہیں جن سے انکی قلبی کیفیات اور بعض رویائے صالحہ کی تفصیل معلوم ہوتی ہے۔

مارچ ۱۶ ۱۹۴۳ء۔ آج بیگم حسرت مرحوم کا فاتحہ تھا حسب معمول میں نے بتاشوں پر نیاز دیکر بچوں کو تقسیم کر دیے میرا تجربہ یہ ہے کہ ہر ماہ گیارھویں، بارھویں اور تیرھویں تاریخیں واقعات و حوادث زندگی کیلئے نہایت درجہ اہم ہوتی ہیں چنانچہ آج بارھویں تاریخ کی شب میں پہلی بار رسول اللہ کی زیارت نصیب

ہوئی۔ حضرت ایک تہہ بند پہنے ہوئے تھے اور جسم مبارک پر ایک کوٹ تھا قمیص تھی بشکل مبارک کا ایک ایک حصہ فقیر کی نظروں اسوقت تک موجود ہے ایک قلعہ نما عمارت میں پہلی حاضری کا اتفاق ہوا اور دیں شناسائی کی دولت نصیب ہوئی قلعے کے باہر ایک میدان میں بڑی نماز جماعت کے ساتھ ہو رہی تھی ایک رکعت ختم ہو گئی تھی میں رسول اللہ سے دور تھا مگر میں نے دوڑ کر حضور ہی کے قریب جماعت میں شرکت کی اور پہلی رکعت ملنے کی پروانہ کی بعد نماز کرسیوں پر حاضرین کی جماعت بیٹھی رہی حضور نے اپنے سامنے کی ایک قاب سے دو نارنگی کی پھانکیں مجھ کو خاص طور پر مرحمت فرمائیں سب لوگوں نے اس لطف پر مبارکباد دی میرے خیال میں یہ پھانکیں اس کی علامت ہیں کہ حضور کو فقیر کے ذریعہ درویشی کی اشاعت منظور ہے۔

۱۳/ مارچ ۱۹۴۲ء:۔ رات کے خواب کا آج دن بھر دل پر اثر رہا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاید آزادی ہندو مسلمین ہند کا کام مجھ سے لینا ہے اب مجھکو یہ بھی یاد آتا ہے کہ پہلے سفر حج کے موقعہ پر جبل احد پر چلہ اس غرض سے باندھا تھا کہ انگریزوں کی حکومت کا ہندوستان میں خاتمہ ہو جاوے۔ رات کے خواب کی نسبت یہ دو باتیں اور یاد آئیں۔

(۱) یہ کہ نماز جماعت اور اجلاس عام بعد نماز سے پہلے ہی قلعہ میں حضور کی نظر مجھ پر پڑ چکی تھی اور حضور نے خوب پہچان کر توجہ کے لیے مخصوص کر لیا تھا۔

(۲) اجلاس عام میں جب پہلے انار ایک رکابی میں جملہ حاضرین میں تقسیم کی گئی اور ہر شخص کو چند دانہائے انار نصیب ہوئے مجھ کو بھی ملے۔ نارنگی کی پھانکیں صرف مجھ کو ملیں۔

نوٹ:۔ یہ واقعہ ۲۵/ صفر ۱۳۶۱ھ کو پیش آیا جو ان کے مرشد کی تاریخ عرس بھی ہے۔ ح

۲/ اپریل ۱۹۴۲ء رات یعنی ۲/۳ اپریل کی درمیانی رات میں اور ۲ بجے شب کے دقیقہ رسول اللہ کی زیارت دو بار نصیب ہوئی ایک مربع کمرے میں آپ استراحت فرما رہے تھے صورت قاضی محمد حامد حسرت فیض آبادی

سے مشابہ تھی فرط شوق میں جب دست بوسی کے قریب ہوا تو حضور نے لیٹے لیٹے دست مبارک میری طرف بڑھا دیا اور میری اس بے باکی کو گستاخی پر محمول نہ فرمایا بلکہ بہ تبسم کچھ نصیحتیں کیں جو مجھ کو یاد نہ رہیں۔

۲ مئی ۱۹۴۶ء۔ آج رات کے نصف آخر حصہ میں بلا تکلف رسول اللہ کی زیارت نصیب ہوئی ایسا معلوم ہوا کہ روضہ مبارک میں، جو گنبد خضرا کے تحت میں محصور و محدود ہے حضور لحد مبارک کے قریب کسی چیز سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے ہیں۔ تہہ بند جاوی وضع کا ہے اور بند کوٹ پھول دار کپڑے کا زیب بر ہے۔ جس کے درمیان ایک پٹی بھی ہے جس کی وضع وہی ہے جیسی کہ حجاج استعمال کرتے ہیں میرے دل میں بے اختیار خواہش پیدا ہوئی کہ حضور میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر اسی وقت مجھ کو مرید کر لیں میں نے بغور دیکھا تو حلیہ مبارک کو قریب قریب ویسا ہی پایا جیسا کہ کتب حدیث مثل "شمائل ترمذی" میں منقول ہے۔

" ایک موقع ایسا آیا کہ میں اس قدر قریب ہو گیا کہ جسد مبارک کی خوشبو بخوبی محسوس ہوئی اس کے بعد کیا ہوا وہ آنکھ کھلنے پر مجھے یاد نہیں رہا دوبارہ آنکھ کھلنے پر ایک بار پھر وہی منظر پیش نظر ہوا۔ مگر اس کی تفصیل بھی باوجود کوشش کے مجھے یاد نہ آئی۔"

مولانا حسرت کا سلسلہ سخن

شاہ ظہور الدین حاتم

مرزا محمد رفیع سودا

قیام الدین قائم ← خواجہ میر درد سے بھی تلمذ تھا

شاہ محمدی مائل دہلوی

شاہ نصیر

حکیم مومن خاں مومن

نواب اصغر علی خاں نسیم

منشی احمد امیر اللہ تسلیم

مولانا سید فضل الحسن حسرت موہانی

مولانا شفیق جونپوری — شفقت کاظمی

فن شاعری میں مولانا حسرت کا سلسلہ تلمذ ایک ایسے خاندان سے تھا جسمیں یکے بعد دیگرے نامی گرامی اساتذہ سخن ہوتے رہے ہیں شیخ ظہور الدین حاتم ۱۱۱۱ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے اور ۹۶ برس کی عمر میں ۱۲۰۷ھ میں وفات پائی ان کی زبان صحیح اور کلام بے تکلف تھا حیرت ہے کہ اتنے قدیم زمانے میں اتنی شیریں اور سہل اردو کیسے استعمال کی۔

مثلاً ؎

حاتم جہاں کو جان کے فانی خدا کو چاہ | اللہ بس ہے اور یہ باقی ہے سب ہوس

دامن تلک بھی اس کے نہ پہنچا مرا غبار | کہتے ہیں سچ زمیں کہاں آسماں کہاں

کعبے میں جسکو ڈھونڈنے جاتا ہے شیخ تو | وہ تو تری بغل میں ہے اندھے وہاں کہاں

مولانا حسرت نے ان کے دیوان کا انتخاب شائع کیا ہے وہ بلا شبہ شاہ حاتم استاذ الاساتذہ تھے اور اردو شاعری کے موجودہ زبان کے بانی تھے ان کے شاگردوں کی فہرست طویل ہے جن میں مرزا رفیع سودا کے ایسے استاد بھی شامل ہیں۔

مرزا رفیع سودا بھی دہلی کے رہنے والے تھے ۱۱۲۵ھ میں پیدا ہوئے ۷۰ برس کے سن میں لکھنؤ میں وفات پائی انتقال کے وقت شاہ حاتم موجود تھے سن کر بہت روئے اور کہا افسوس ہمارا پہلوان سخن مرگیا جن اشخاص نے زبان اردو کو پاک صاف کیا مرزا ان میں پہلا نمبر ہے (آب حیات)

سودا کی قادر الکلامی اور استادی مسلم ہے خوش گو شاعر ہونے کے علاوہ رموز شاعری کے ماہر تھے اور اس فن پر ایک کتاب تنبیہ الغافلین بھی لکھی ہے ان کے اشعار زبان زد خاص و عام ہیں کون ہے جس نے نہ سنا ہو ؎

گل پھینکے ہیں عزیزوں کی طرف بلکہ ثمر بھی | اے خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی

کیفیت چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا | ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

ناوک نے ترے صید نہ چھوڑا زمانے میں | تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

سودا کے شاگرد قیام الدین قائم تھے قائم سے خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ نے اصلاح لی تھی ان کے

شاگرد شاہ محمدی مائل اور شاہ محمد مائل کے شاگرد رشید شاہ نصیر دہلوی ہوئے شاہ نصیر کے شاگردوں کی تعداد بیشمار ہے جنہیں ذوق کے ایسے تلامذہ بھی تھے اور حکیم مومن خاں مومن ایسے رنگین بیان اور زندہ جاوید شاعر بھی

حکیم مومن خاں مومن ۱۲۱۵ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے ان کا نام رکھا علوم عربیہ اور دہلویہ کی تحصیل کی طبابت اور نجوم میں بھی کمال حاصل کیا شاعری کا مذاق بہ شعور سے تھا غزلوں میں ان کے خیالات نہایت نازک اور مضامین عالی ہیں اشعار میں فارسی کی ترکیبیں اور دلکش تراشیں ان کی خصوصیت ہیں اور یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ ایک طرز خاص کے موجد تھے۔ نمونہ کلام

دشنام یار طبع حزیں پر گراں نہیں	اے ہم نفس نزاکت آواز دیکھنا
تو میرے پاس ہوتے ہو گویا	جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا
اس نقش پا کے سجدے نے کیا کیا ذلیل	میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا
نہ مانوں گا نصیحت کو نہ سنتا میں تو کیا کرتا	کہ ہر ہر بات پر ناصح تمہارا نام لیتا تھا
تو کہاں جائے گی کچھ اپنا ٹھکانا کرلے	ہم تو کل خواب عدم میں سب ہجراں ہونگے
عمر تو ساری کٹی عشق بتاں میں مومن	آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہونگے
مانگا کریں گے اب سے دعا ہجر یار کی	آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ

مومن دہلوی کے سب سے بہتر شاگرد نواب اصغر علی خاں نسیم اپنے دو بھائیوں سے ناراض ہوکر لکھنؤ چلے آئے پھر بقیہ عمر وہیں بسر کی اول درجے کے خوشنویس اور زیادہ ضعف شخص تھے کچھ دن مطبع نولکشور میں ملازم رہے پھر گلدستے میں نسیم کی ایک غزل دیکھکر مرزا غالب نے نولکشور سے انکا حال دریافت کیا اور انکی چند دیگر غزلوں کا شوق ظاہر کیا منشی صاحب نے ان سب بہ وفت تمام سب حال پوچھکر لکھا اور غزلیں بھی بھیجیں غالب نے جواب میں اپنی کمال پسندیدگی کا اظہار کیا اور ان کا دہلوی ہونا معلوم کرکے لکھا۔

"لہریا جستم و عقیق یافتم" "دل نیرنگی خیال اور رنگینی بیان" "وہ خاص جو میر نسیم کو مومن خاں سے بہ

حیثیت میراث استاد حاصل ہوئے جنکو انھوں نے یہ تجدید خوب سے خوب بنا دیئے کر دینا شاعری میں اس آن بان کے ساتھ کیا کہ لکھنؤ کے لفظ پرستوں نے بھی داد دی اور اظہار پسندیدگی سے باز نہ رہ سکے لکھنؤ کی زبان اور دہلی کے بیان کی پسندیدہ اور معتدل ترکیب کا جلوہ جیسا مرزا نسیم کی شاعری میں نظر آتا ہے اسکی مثال کسی اور دوسرے شاعر کے کلام میں نہیں مل سکی اور یہیں سے ہم کو ہم نسیم کی منتخب غزلوں کی اردو شاعری کا بہترین نمونہ قرار دیتے ہیں۔ (اردوئے معلی جنوری ۱۹۱۰ء) نمونہ کلام

ساغر بلا کے بے خبر دو جہاں بتا	اوپیرِ مے فروش ہمیں بھی جواں بنا
اللہ رے درازیٔ آغاز مدعا	نکلا جو حرف منہ سے مری داستاں سنا
خوشا قسمت قفس میں ہم قفس پر سینکڑوں پردے	نظر بھی اب تو جا سکتی نہیں دیوار گلشن پر
دیکھا و قاتل بسر کرتے ہیں کس مشکل سے ہم	چارہ گر سے درد مالان درد دل ہو دل سے ہم
سینہ و دل میں ہجوم داغ حسرت ہے نسیم	پھول چن لیتے ہیں اپنے گلشن حاصل سے ہم

نسیم کو اپنی زبان دانی پر ناز تھا خود کہہ گئے ہیں۔

نسیم دہلوی ہم موجد باب فصاحت ہیں	کوئی اردو کو کیا سمجھے گا جیسا ہم سمجھتے ہیں

نسیم دہلوی کے شاگرد منشی امیراللہ تسلیم بدوی مضافات دریا آباد کے رہنے والے تھے مالی پریشانیاں لکھنؤ لائیں اور محمدی شاہ کی سرکار میں تیس روپے ماہوار پر ملازم ہوئے پانچسو سواروں کے افسر تھے اور زرتیشہ پر گری تھا عہد واجد علی شاہ بہ حیثیت شاعر ملازم رہے انھوں نے ایک قصیدہ واجد علی شاہ کی خدمت میں پیش کیا تھا جس کے چند ابتدائی شعر یہ ہیں :-

کس طرح نہ دل تڑپے رگ و جاں کے برابر	ہر دم ہے دم خنجر براں کے برابر
ناکامیٔ قسمت سے ہے مجھ کو یہ گردوں	ہر روز تمنا شب ہجراں کے برابر
کیا کیا نہیں خوں گشتہ تمنائیں جگر میں	سینہ ہے مرا گنج شہیداں کے برابر

واجد علی شاہ نے اس قصیدہ پر درج ذیل دو شعر میں اپنا حکم درج فرمایا:۔

بشنو اے خوشنویس و یا خوش گو ہر دو فن می کنی دہر دو نکو
اسم تو مندرج بہ دفتر شد بست و دو روپیہ مقرر شد

سلطنت اودھ کے خاتمے کے بعد کچھ دن نولکشور میں اپنے استاد کی طرح خوشنویسی کی خدمت پر ملازم رہے نواب کلب علیخاں کے عہد میں رام پور چلے گئے اور وہیں ۱۹۱۱ء میں وفات پائی پیدائش کی صحیح تاریخ معلوم نہیں مگر سو سال سے زائد سن ہوا خود کہتے ہیں:۔

سو برس کی عمر میں تسلیم کیسی شاعری اب دل کو نظم کی خواہش نہ انشا کی ہوس

نواب حامد علیخاں کے عہد میں ۱۹۰۰ء میں چالیس روپے ماہانہ پنشن مقرر ہوئی جو آخر تک ملتی رہی

وہ راحت پائی ہے حامد علیخاں کے تصدق میں عجب کیا خلد میں بھی یاد مجھکو رام پور آئے

تسلیم نے ناسخ اور آتش کو بھی دیکھا تھا لکھنؤ میں تمام نامی گرامی شعراء کیساتھ مشاعروں میں بھی شریک ہوتے تھے فن شاعری و تمام کمال اپنے استاد نسیم سے حاصل کیا استاد کی زندگی ہی میں انکے کمال کا شہرہ ہو گیا تھا علیگڑھ کا یہ شاندار مشاعرہ جس پر منشی امیر اللہ تسلیم اس قدر برہم ہوئے مولانا حسرت کیلئے بڑی مشکل کا باعث ہوا اس اجمال کی تفصیل جناب مجنوں گورکھپوری کی شگفتہ عبارت میں درج ذیل ہے۔

غالباً سنہ ۱۹۰۳ء کے ایام تھے تدریسی مہینے ختم ہو چکے تھے اور طلباء امتحان کی تیاریاں کر رہے تھے حسرت بھی بی اے کے امتحان میں شریک ہونے والے تھے اس زمانے میں انجمن اردوئے معلی کی طرف سے جس کے معتمد و مہتمم حسرت تھے ایک عظیم الشان مشاعرہ منعقد ہوا یہ مشاعرہ کئی اعتبار سے یادگار ہے ہندوستان کے تمام اکابر شعراء اس میں شریک ہوئے غالب کے محبوب شاگرد میر مہدی مجروح جو کافی سن رسیدہ اور ضعیف ہو چکے تھے اس محفل میں سب سے نمایاں اور ممتاز صورت تھے۔ اس زمانے میں امیر مینائی کے شاگرد رشید گستاخ رامپوری جن کی گستاخ نگاری کی کافی شہرت پھیل چکی تھی علیگڑھ میں جیلر کے عہدے پر مامور تھے

وہی گستاخ ہیں۔ جن کے بعض شعر زبانوں پر چڑھے ہوئے ہیں ؎

دل ہے گستاخ دلربا گستاخ ایک سے ایک ہے سوا گستاخ

پوچھتے ہیں وہ صبح وصال اب کہو دل کا مدعا گستاخ

بول اٹھے رند دیکھ کر یہ صنم شیخ ہے پارسا نہ گستاخ

ان کی صحبت میں اب وہ لطف نہیں ہو گئے جب سے پارسا گستاخ

صد سالہ دور چرخ تھا ساغر کا ایک دور نکلے جو میکدے سے تو دنیا بدل گئی

نہ جانے کس نے بگاڑا اسے علی گڈھ میں کہ رام پور میں وہ یوں خراب نہ تھا

غرض کہ مشاعرہ بڑی دھوم دھام کا رہا اور بڑی چہل پہل رہی

طرحی غزل میں گستاخ نے ایک مطلع سنایا تھا

یہ مرض گستاخ تجھکو کیسا پیدا ہو گیا جس کی صورت اچھی دیکھی اس پہ شیدا ہو گیا

مشاعرے کی محفل بڑی کامیاب ہی کالج کی تمام سربرآوردہ ہستیاں اور شہر کے منتخب ممتاز اور ارباب مشاعرے میں موجود تھے اور سب اس یادگار بزم کی تعریف کرتے ہی اٹھے اور دوسرا دن حسرت کیلئے بڑی آزمائش کا دن تھا ہم کو یاد رکھنا چاہئے کہ یہ یا نہ برطانوی قیصریت کے شباب کا زمانہ تھا مسٹر مارسین کالج کے پرنسپل تھے اور نواب محسن الملک سکریٹری ارباب حل و عقد پر مسٹر کالر برطانیہ کا رعب چھایا ہوا تھا اور کالج سب گھر کے بھیدی لنکا ڈھانے والوں کی بھی کمی نہ تھی پیٹھ پیچھے لڑائی کرنے والوں نے جن کو حسرت کی آزاد و مستغنی طبیعت سے زوال ہی سے اختلاف تھا مارسین سے جا کہہ دیا کہ مشاعرہ میں تہذیب سے گرے ہوئے اشعار پڑھے گئے اور مثال کے طور پر گستاخ رامپوری کا وہ شعر پیش کیا جو اوپر حوالہ قلم ہو چکا ہے اس اعتراض کرنے والے فرقہ کے امام محمد علی مرحوم تھے اسوقت میں حال ہی ولایت سے واپس آئے تھے اور نہایت خالص محمد علی تھے ان لوگوں نے مشاعرے کو نہ جانے کس روشنی میں پیش کیا اور گستاخ رامپوری اور بیچارے شعر کی کیا تشریح کی کہ مارسین آگ بگولہ ہو گیا اور حسرت کو بلا کر نہایت

خشونت کے لہجے میں کہا کہ تمہارا مشاعرہ نہایت غیر مہذب اور مخرب اخلاق تھا حسرت نے پہلے تو نرم لہجے میں اختلاف کیا لیکن مارلیسن کا غصہ کسی طرح دھیما نہ پڑا تو نہایت بیباکی کے ساتھ کہہ دیا کہ ممکن ہے کہ آپ کے معیار اخلاق سے ایسا ہی ہوا ہو ہمارے معیار اخلاق سے تو مشاعرے میں کوئی خلاف تہذیب بات نہ تھی حسرت کا یہ کہنا تھا کہ مارلیسن آپے سے باہر ہو گیا اور انتہائی غیض و غضب میں چیخ چیخ کر کہنے لگا کہ کیا یہ ممکن کہ دنیا میں اخلاق و تہذیب کے دو معیار ہوں اس کے بعد اس نے فوراً کالج کے معتمدین کا ایک خاص اجلاس طلب کیا اور اس میں یہ تجویز پیش کی کہ حسرت کو کالج سے نکال دیا جائے اور کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ مارلیسن کی رائے سے اختلاف کرتا لیکن چونکہ حسرت کی شخصیت کا رعب سب پر چھا چکا تھا یہاں تک کہ خود نواب محسن الملک ان کی قابلیت اور فضیلت کے معترف تھے اس لئے اس تجویز میں اتنی ترمیم کر دی گئی کہ حسرت کو کالج سے نکال تو دیا جائے لیکن امتحان میں شریک ہونے سے نہ روکا جائے ۔۔۔۔

تسلیم کے شاگرد غزلیں اصلاح کے لئے انھیں کو دکھاتے تھے ؎[1]

تسلیم آخری مشاعرے میں مولانا حسرت کے اصرار سے شریک ہوئے تھے یہ مشاعرہ علیگڈھ میں ہوا تھا جس میں اس عہد کے تمام معمر شعرا موجود تھے مشاعرے سے واپسی کے بعد اپنے شاگرد عرش کو تجدید کیا۔ "مولوی فضل الحسن حسرت موہانی کی ضد سے میں اس مشاعرے میں شریک ہوا اس مشاعرے میں نئی روشنی والوں کی یہ قدر دانی نہیں بھولتی کہ عرض واہ واہ کے یاروں نے تالیاں بھی بجائیں ؎

مٹائے جاتے ہیں اردو کو انگریزی فیشن والے   خرابی اس کی قسمت میں خدا جانے کہاں تک ہے

---

[1] تسلیم کے دو شعر خوب ہیں ؎

یادگار ہستی موہوم اہم رکھتے ہیں   صورت عمر رواں نقش قدم رکھتے ہیں

ایک صورت پر بسر کرتے ہیں زاہد ایمان   صورت ماہ دو ہفتہ بیش و کم رکھتے ہیں

بہت سے دوسرے شعراء کی طرح حسرت بھی لکھنؤ، شاہجہاں آباد، دہلی کے جس رنگ سے متاثر ہوئے اس کی شاعری میں سے ہیں
مولانا سید فضل الحسن حسرت موہانی ایسے خاندان میں پیدا ہوئے جس کی مسلمات میں ابتدائی تعلیم کا
چلن ہے۔ حسرت کی شاعری کا آغاز تسنیم دہلوی کے کلام کے مطالعے کی اصلاح سے ہوا جو حسرت کی ابتدائی
لکھنؤ میں شیخ ... ذوق ... مولانا حسرت فرماتے ہیں کہ بچپن ہی سے شاعری کی طرف
مائل تھا ... سے انھوں نے اس فن کی تکمیل کی انھوں نے حسرت شعرائے کلام کا خوب مطالعہ کیا تھا اور دلی
اساتذہ ... میر، غالب، مومن کی ... صاحب کے انداز کہنے سے متاثر تھے۔

غزل میں وہ مصحفی کی برتری کے قائل تھے ... شعر کا ... کلام ... نظم ... اساتذہ کی
شاید ہی کسی شاعر سے متاثر نہ ہوا ہو انھوں نے سلسلہ ... تک ... استاد شاہ حاتم کی طرح مولانا
حسرت نے بھی اپنی غزلوں میں ... دہلی کی ... نمونہ ... کلام ... شاعری
مولانا حسرت کے کلام میں جامعیت اور ان کا کلام ان کے تمام اساتذہ کی شاعری کا ایک منتخب گلدستہ ہے۔

مولانا حسرت کی شاعری کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے ہر دور کی شعر گوئی کی بھی جلد ہی قلمی قید خانوں
کی تنہائی میں فرصت ملی تو شعر کہے کسی سفر میں ہوتے تو ... غزل ہو رہی ہو گئی ... آخر عمر میں ... حالت
خواب میں ایک غزل کہی اور یاد رہی تو لکھ لی ... میں اس طرح کی کئی غزلیں ہیں انھوں نے اپنے کمال سے
حالات بھی نظم کر دیے جو محض ... مشاہدات اور تجربات ہی سے حاصل ہوتے ہیں۔

مولانا حسرت کی پوری زندگی پاکیزگی اور تقوے میں گزری ... اور ہوس ناکی ... کا
ذکر بھی ... وہ ... نہیں ... کی طرح حسرت کی ... عاشقی بالکل فرضی اور خیالی ہے
مولانا کے ... بھی ... جیل خانوں میں لکھی ہوئی غزلوں کی طرح ... جو شعر یاد آئے
... شعرائے ... کی تعریف میں ... تھے ایک بار ہم
... جب ... فرمانے لگے ہر شاہ ... کچھ

سخت کرتا ہے خیال قدیم ہو یا پامال ہو کم سے کم اس کی بندش میں جو محنت شاعر نے کی ہے اس کی قدر کرنا چاہئے اور اس لحاظ سے میرا خیال ہے کہ ہر شعر اپنی جگہ پر اچھا ہوتا ہے۔

کلام حسرت کی دل پذیری میں بڑا دخل الفاظ کی شیرینی کو ہے وہ انتخاب الفاظ کا خاص خیال رکھتے تھے خود تحریر فرماتے ہیں شاعری اور استادی کا صرف یہی کمال نہیں کہ مضمون بلند ہو اور زبان صحیح یا ردیف کھلتی ہوئی یا اچھوتا اور تازہ بلکہ ان سب باتوں کے علاوہ سب سے بڑی خوبی جو سب سے بڑھ کر مشکل لیکن سب سے زیادہ قابل لحاظ ہے وہ انتخاب الفاظ کا سو متعلق ہے (اردوئے معلیٰ اگست ۱۹۰۵ء منقول از مضمون آل احمد سرور)۔

مولانا حسرت نے بہ اعتبار مضامین غزلیات یا اشعار کی تقسیم کی تھی۔ پرنسپل عبدالشکور صاحب نے اپنی کتاب میں یہ غیر مطبوعہ مقالہ درج کیا ہے چونکہ اس مقالے سے مولانا مرحوم کے نقطہ نظر کی تشریح ہوتی ہے اس لئے ہم پورے مقالے کی نقل کرتے ہیں۔

غزلوں (یا اشعار) کی قسمیں حسرت کے خیال میں یہ ہیں:-

آمد (۱) عاشقانہ (۲) عارفانہ (۳) فاسقانہ

آورد (۱) ماہرانہ (۲) ناقدانہ (۳) ضاحکانہ

آمد اورد (۱) شاعرانہ (۲) واصفانہ (۳) باغیانہ

چنانچہ بقول حسرت ناسخ کا کلام ماہرانہ ہے چونکہ ان کے ہاں آورد ہی آورد ہے اور جگر کا کلام بالعموم عاشقانہ ہوتا ہے کیونکہ ان کے ہاں اکثر آمد پائی جاتی ہے۔ ناقدانہ کلام میں عام طور سے پند و نصائح ہوتے ہیں اکبر کا ضاحکانہ کلام کی مثال ہے یہ ضرور ہے چونکہ شاعری کا تعلق وجدان اور کیفیت روحانی سے ہے اس لئے ایسے کسی کاغذی نقشے میں مقید نہیں کیا جا سکتا لیکن حسرت نے جو شکل پیش کی تھی وہ بہت بڑی حد تک جامع ہے اور ان کا خیال تھا کہ جب تک کسی خاص رنگ میں کم از کم پانچ غزلیں موجود نہ ہوں تب تک وہ رنگ کسی شاعر سے منسوب کرنا مناسب نہیں ہے پانچ چھ مکمل عارفانہ غزلیں کہنے کے بعد شاعر کا کلام عارفانہ کہا جا سکتا ہے۔

حسرت نے داخلی شاعری کو تین قسموں پر مشتمل کیا تھا جو کلام خالص جذبات حسن و عشق کا حامل اور اپنی خوبی کیلئے کسی محسوس صنعت گری کا محتاج نہ ہو وہ عاشقانہ کہلائیگا اور جس کلام میں عشق مجازی سے برتر درجہ پر عشق سے اور حسن سے حسن مطلق مراد ہو وہ عارفانہ ہوگا اور اس کے برخلاف جن غزلوں میں مجازی عشق سے کم تر درجے کے جذبات ہوس کی مصوری اور صحیح مصوری موجود ہو وہ فاسقانہ کہلائے گا مثلاً عاشقانہ شاعری کی مثالیں زیادہ تر میر و مصحفی، قائم و غالب، شیفتہ و حالی، جلال لکھنوی و شاد عظیم آبادی کی غزلوں میں ملیں گی اور عارفانہ شاعری کے نمونے درد دہلوی، نیاز بریلوی اور آسی سکندر پوری کی غزلوں میں دستیاب ہونگی اور فاسقانہ سخن سنجی کی تصویریں زیادہ تر جرأت اور کم تر مصحفی و انشا یا متاخرین میں کسی قدر مضطر خیر آبادی اور گستاخ رامپوری کے یہاں موجود ہیں۔

فاسقانہ شاعری کو بد مذاقی پر محمول کرنا سوقیانہ و متبذل مزاج قرار دینا انصاف کا خون کرنا ہے حقیقت حال یہ ہے کہ جب شاعری کا مقصد صحیح جذبات کی مصوری مسلم ہو تو پھر اس کے دائرے کو صرف پاک جذبۂ عشق و محبت تک محدود کر دینے کی کوشش اور وہ بھی محض اس بنیاد پر کہ اس کا اظہار و اعلان بعض فقہائے و ملایانہ طبائع کی مصنوعی پاکیزگی خیال کیلئے ناگوار ثابت ہوگا خود مخالفین ہوس نگاری کی انتہائی بد مذاقی اور بے شعوری کے سوا اور چیز پر دلالت نہیں کرتا البتہ اس ضمن میں حد اعتدال سے گزر جانا جیسا کہ رنگین کی بعض ریختیوں اور صاحب قران و جان صاحب کے متبذل اشعار میں پایا جاتا ہے بیشک قابل اعتراض ہے مگر ایسے کلام کو فاسقانہ کی بجائے فاحشانہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔

اب اگر عاشقانہ شاعری کی خوبی بسیط ہونے کے بجائے مرکب ہو یعنی صنعت گری کی بھی شرمندۂ احسان ہو اور یکسر بیگانہ تاثیر بھی نہ ہو تو اسی کو عاشقانہ کی بجائے شاعرانہ کہنا چاہیے دور حاضر کے تقریباً کل متغزلین کی اکثر غزلیں اسی رنگ سخن کی حامل ہیں اور "آمد و آورد" کی درمیانی تقسیم کے تحت میں آتی ہیں۔

اس کے بعد بھی شاعرانہ طرز سخن اگر خوبی تاثیر سے بھی بالعموم محروم ہو تو پھر اسکو شاعرانہ کے بجائے ماہرانہ یا استادانہ کہنا چاہیے مثلاً امیر مینائی و منیر شکوہ آبادی سے لیکر بزم اکبر آبادی ثاقب لکھنوی و ضامن کشوری تک کی غزلیں عاشقانہ نہیں شاعرانہ بلکہ ماہرانہ ہیں اور آورد کے تحت میں آتی ہیں پھر اگر یہ ماہرانہ شاعری پختگی و مشاقی

کے جوہر سے بھی خالی ہو اور بہ قول مصحفی موزونی طبع کا نتیجہ ہو تو اسے ناظمانہ کہنا چاہئے۔

عاشقانہ شاعری کی مانند عارفانہ شاعری کا بھی یہی حال ہے کہ اگر اس میں حسن و عشق مطلق کی جگہ محض حمد یا اصلاحی تصوف کا جلوہ نظر آتا ہو تو اس کو عارفانہ کے بجائے نافعانہ کہنا چاہئے جو آورد کے تحت میں آئیگی۔

یا اگر روحانی محرکات عشق سے کم تر درجے پر جذبات خلوص و عقیدت کے ماتحت نعت منقبت یا سوز و سلام کے مضامین قید نظم میں آ گئے ہوں اور فی الجملہ اثر انگیز بھی ہوں تو اس شاعری کو واصفانہ شاعری کہنا چاہئے مثلاً غلام امام شہید، شاہ نیاز بریلوی، محسن کاکوروی، رضی مراد آبادی، ضیا بدایونی، حمید لکھنوی یا انیس و متعلقین انیس نقش، رشید وغیرہ کا کلام لیکن اگر اس قسم کا کلام محض صنعت گری کا مرہون اور تاثیر سے محروم ہو یا محض ثواب و نجات کی غرض سے وجود میں آیا ہو مثلاً امیر مینائی یا مضطر خیر آبادی کا نعتیہ دیوان یا مرزا دبیر کا تمام دفتر منظومات اس کو واصفانہ کے بجائے ماہرانہ کہنا ہوگا یا نافعانہ اور یہ دونوں قسمیں آورد کے تحت میں آتی ہیں۔

علیٰ ہذا القیاس فاسقانہ شاعری میں اگر خالص جذبات کی مصوری کی بجائے سماج یا مذہب یا حکومت کے استخفاف یا انکار کا پہلو نمایاں ہو تو اسے باغیانہ کہنا چاہئے مثلاً جوش، احسان دانش، شاعر اختر شیرانی، حجاز رودولوی وغیرہ ترقی پسند ادب کے دعویداروں کی بیباک نگاری ......

" اب صرف ایک قسم سخن اور رہ گئی یعنی ضاحکانہ جس میں محض ظرافت ہوتی ہے مثلاً ظریف لکھنوی یا احمق پھپھوندوی کا کلام یا ظرافت کیساتھ طرز قدامت پرستی کا پہلو نکلتا ہے مثلاً اکبر الہ آبادی و ظفر علی خاں کا کلام جو ضاحکانہ کے علاوہ نافعانہ بھی ہو سکتا مگر بہر حال آورد ہی کے تحت میں آسکتا ہے......

ہزل یا ہجو کا شمار بھی اسی قسم سخن میں ہوتا ہے لیکن اگر یہ چیزیں حد اعتدال سے گذر کر پھکڑ بازی یا فحش گوئی کے درجے تک پہنچ جائیں تو اس کو ضاحکانہ کے بجائے سوقیانہ کہنا چاہئے۔

(حسرت کے ایک غیر مطبوعہ مقالے سے اخذ کیا گیا)

" از پرنسپل عبد الشکور "

تصانیفِ حسرت

(۱) شرح دیوانِ غالب :- غالب کی یہ شرح مولانا حسرت کی ابتدائی تصانیف سے ہے یہ شرح اس زمانہ میں لکھی گئی جب غالب کی طرف جدید تعلیم یافتہ طبقہ متوجہ ہو رہا تھا یہ کہنا بجا ہے کہ غالب کو مقبول بنانے میں اس شرح کا بڑا حصہ ہے اردوئے معلیٰ میں اس کا ایک اشتہار ۱۹۲۵ء میں طبع ہوا ہے جسمیں درج ہے کہ ابتک اس شرح کے پانچ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں دیباچے میں غالب کے حالات اور ان کی شاعری پر تبصرہ ہے اصل دیوان اور اسکی شرح کے علاوہ ایک ضمیمہ ہے جسمیں غالب کی وہ غزلیں اور اشعار ہیں اور انکی شرح ہے جو رائج دیوان میں موجود نہ تھے

(۲) نکات سخن :- معائب سخن، محاسن سخن، شعرائے اردو کے کلام کے وسیع مطالعے سے مولانا حسرت کو شعر کے حسن و قبح کے متعلق جو واقفیت ہوئی اس کو ان رسالوں میں جمع کر دیا ان رسائل کے مجموعہ کا نام نکات سخن ہے قاضی عبدالودود لکھتے ہیں انصاف متقاضی ہے کہ اس غیر معمولی زحمت کا جو مثالوں کی تلاش میں حسرت نے گوارا کی ہے اعتراف کیا جائے اور ساتھ ساتھ یہ تسلیم کیا جائے کہ شاید ہی اس ضخامت کی کوئی اور کتاب اردو میں ہو جسمیں مختلف اردو شعراء کے اتنے اچھے اشعار اس تعداد میں موجود ہوں یہ کتاب مقبول ہوئی اور پنجاب یونیورسٹی کے نصاب میں داخل ہے

(۳) مشاہدات زنداں :- پہلی قید فرنگ کی نہایت دلچسپ اور موثر سرگزشت اس عنوان سے اردوئے معلیٰ میں سلسلہ وار شائع ہوئی یہ کتاب حسرت کی انشاپردازی کا بہترین نمونہ ہے مولانا حسرت کے کردار اور افکار سے دلچسپی رکھنے والوں کو اس کا مطالعہ لازم ہے۔

(۴) مولانا حسرت کا سب سے بڑا کارنامہ انتخاب سخن ہے یہ اردو زبان کے تمام مستند اور صاحب دیوان شعراء کے کلام کا نایاب انتخاب ہے جو رسائل اردوئے معلیٰ کے صفحات اور اس کے ضمیموں کی صورت میں سالہا سال شائع ہوتا رہا۔ انتخاب سخن کی گیارہ جلدیں ہیں اور ہر جلد کے حصے حسب تفصیل ذیل شائع ہو چکے ہیں۔

جلد اول سلسلہ حاتم (۱) منتخب دیوان شاہ حاتم (۲) انتخاب دیوان بقا (۳) رنگین (۴) نثار (۵) بیدار

(۶) تاباں (۷) ماہر (۸) امیر (۹) بیتاب (۱۰) عشرت (۱۱) طالب (۱۲) معروف (۱۳) شاہ نصیر

جلد دوم سلسلہ ذوق ا۔ انتخاب دواوین ذوق ۲۔ انتخاب دواوین داغ ۳۔ رسا ۴۔ جگر

جلد سوم سلسلہ مومن ا۔ مومن ۲۔ نسیم ۳۔ تسلیم ۴۔ حسرت موہانی۔

جلد چہار سلسلہ مظہر ا۔ حسرت ۲۔ یقین ۳۔ حزین ۴۔ شاطر ۵۔ بیاں

حصہ پنجم :۔ سلسلہ جرأت ا۔ دیوان جرأت ۲۔ حسرت ۳۔ غضنفر ۴۔ رعنا ۵۔ رفیق ۶۔ بزمی

۷۔ محنت ۸۔ نصرت ۹۔ معروف ۱۰۔ محبت ۱۱۔ جلال ۱۲۔ شائق ۱۳۔ نساخ ۱۴۔ وحشت

جلد ششم۔ سلسلہ مصحفی ا۔ مصحفی ۲۔ سرور ۳۔ منتظر

جلد ہفتم :۔ سلسلہ آتش ا۔ آتش ۲۔ صبا ۳۔ حنا ۴۔ ماہ ۵۔ قمر ۶۔ فروغ

جلد ہشتم :۔ سلسلہ اسیر و امیر ا۔ اسیر ۲۔ امیر ۳۔ جلیل

جلد نہم :۔ سلسلہ ناسخ ا۔ ناسخ ۲۔ برق ۳۔ جلال ۴۔ آرزو

جلد دہم سلسلہ غالب ا۔ غالب ۲۔ مجروح ۳۔ سالک ۴۔ حالی ۵۔ ذکی ۶۔ شعلہ ۷۔ دلکش ۸۔ اسمٰعیل

جلد یازدہم سلسلہ اساتذہ شرق ا۔ فغاں ۲۔ راسخ ۳۔ رونق ۴۔ صحیح ۵۔ ندرت ۶۔ خانی ۷۔ بجز ۸۔ محشر

اس فہرست میں صرف ان شعراء کے نام ہیں جن کے دواوین کے انتخاب علیحدہ کتابی صورت میں بھی طبع ہوئے ورنہ تقریباً تمام معروف شعراء کے کلام کا انتخاب اردوئے معلی میں شائع ہوا ہے علاوہ متذکرہ بالا فہرست کے بعض شعراء کے دیوان بھی مولانا حسرت نے تلاش بسیار کے بعد حاصل کئے اور ان کو طبع کرایا مثلاً دیوان شیفتہ حاتم راسخ، امیر، سودا، میر، درد، سوز علی میاں کامل نازش بدایونی، ثروت رائے نظیر وغیرہ۔

اردو پریس کی تمام مطبوعات نہایت ارزاں قیمتوں پر فروخت کی جاتی تھیں مولانا حسرت نے اپنا کلیات بھی ہمیشہ معمولی کاغذ پر طبع کیا مشاہیر شعراء کے دیوان چند آنے پیسوں میں ان کی بدولت اردو داں حضرات کو دستیاب ہوئے۔

اشاعت دواوین اور انتخابات کلام کے علاوہ شعراء کے حالات بھی فراہم کر کے مولانا نے شائع کئے ہر شاعر کے ساتھ اس کے سلسلہ کا تعین خصوصیت کلام تلامذہ کی فہرست وغیرہ کے متعلق مولانا نے محنت کر کے معلومات حاصل کئے انتخاب سخن مولانا حسرت کا سب سے بڑا کارنامہ ہے ان کی بدولت ان شعراء کا کلام اور حالات محفوظ ہو گئے ورنہ اُردو کا بڑا سرمایہ تلف ہو جاتا اُردو ادب کے تذکرہ نگاروں نے مولانا کی ان تالیفات سے برابر استفادہ کیا ہے۔

(۵) رسالہ تذکرۃ الشعراء۔ اردوئے معلی کی اشاعت جس زمانے میں مسدود رہی " تذکرۃ الشعراء" سہ ماہی شائع ہوتا رہا۔

(۶) اُردوئے معلیٰ یہ رسالہ ۱۹۰۳ء سے نکلا اور ۱۹۰۸ء تک نکلتا رہا اس کے بعد ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۹ء تک نکلتا رہا۔ حسرت نے اُردوئے معلیٰ کے ذریعہ اُردو زبان کی جو گراں قدر خدمت انجام دی ہے وہ ہماری تاریخ میں سونے کے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے اور اردو کا کوئی طالب علم اسے نظر انداز نہیں کرسکتا۔ (آل احمد سرور)

(۷) مولانا حسرت کے خطبات صدارت بھی تفصیلی درجہ رکھتے ہیں سیاسی مسائل پر وہ ٹھوس نظر رکھتے تھے اور ان خطبات میں پورے پورے لائحہ عمل لکھتے جاتے تھے۔

(۸) مطبوعہ چیزوں کے علاوہ ان کے روزنامچے اردو انشاپردازی کے شاہکار ہیں وہ پابندی سے ڈائری لکھتے تھے۔ بلیغ جملوں اور منتخب الفاظ میں اہم اور غیر اہم تمام واقعات اس میں درج ہیں۔

(۹) مکاتیب، خطوط میں بھی انداز تحریر وہی ہے جو ان کے روزنامچوں اور مضامین میں ہے انکی ہر تحریر و تقریر تصنع سے بری دلائل پر اور معلومات سے معمور ہوتی تھی۔ خطابت پختہ اور اچھا تھا۔

(۱۰) ایک سہ روزانہ اخبار "مستقل" کانپور سے کئی برس نکالتے رہے۔

(۱۱) کچھ دنوں روزنامہ "شمس ہند" لکھنؤ کی عام نگرانی اور سرپرستی کی۔

طرز اصلاح

مولانا حسرت کے دو شاگرد ہیں جن میں شفیق جونپوری کے نام سے اہل ادب اچھی طرح واقف ہیں موصوف نہایت خوشگو اور قابل شاعر ہیں مولانا حسرت کے طریقہ اصلاح پر ایک مقالہ حسرت نمبر والہ نگار میں شفیق صاحب کا شائع ہوا جس کا اقتباس ذیل میں درج ہے۔

حسرت کا انداز اصلاح اصلاحات حسرت

سلطان تغزل استاذی حسرت مولانا حسرت موہانی علیہ الرحمۃ کا طریقہ اصلاح عام اساتذہ سے بالکل مختلف تھا اول تو مولانا کو شاگرد بنانے کا قطعاً شوق نہ تھا بہت اصرار اور پیہم تقاضوں کے بعد کسی خوش نصیب کو انکی شاگردی کا شرف حاصل ہوا اصلاح سخن کے متعلق مولانا اکثر بے تکلف ارشاد فرما دیتے کہ جتنے وقت میں کسی غزل کی اصلاح کروں گا اس میں خود کیوں نہ ایک غزل کہہ ڈالوں۔

مولانا حسرت نے اپنے رسالہ اردوئے معلی میں اساتذہ کے انتخابات کلام کا ایک سلسلہ رکھا تھا جس میں ردیف وار اشعار شائع ہوا کرتے تھے میرے لیے یہ خصوصیت ہمیشہ فخر کا باعث رہیگی کہ مشاہیر کے انتخابات کے سلسلہ میں استاد معظم نے دسمبر ۱۹۳۳ء میں میرے ناچیز کلام کا انتخاب بھی شائع فرما کر مجھے عزت بخشی اور ازراہ قلم سے میرے تخلص کے ساتھ شاگرد حسرت موہانی تحریر فرمایا اس مطبوعہ انتخاب میں اشاعت سے پیشتر استاد مرحوم نے بیاض پر مختصر طور سے اصلاحی نظر ڈالی اور اسی موقع پر اصلاحات لفظی کا شوق پورا ہوا اور میرے اکثر اشعار میں تقریباً نصف نصف مصرے مولانا مرحوم نے بدلے یا ایک آدھ لفظ کے بدل دینے سے اشعار میں جان ڈالدی جس کے نمونے میں ذیل میں پیش کرتا ہوں یہ میری مشق کا ابتدائی زمانہ تھا

اصل شعر:۔ الفت میں جدا سب سے طریقہ ہے ہمارا سنگ در محبوب پہ سجدہ ہے ہمارا

مصرع ثانی میں سنگِ در محبوب کی جگہ "نقش قدم یار" بنا دیا جو ذوق سجود کے اظہار کیلئے علاوہ بلیغ ہونے

عام سجدوں سے جداگانہ ہونے کا اہم پہلو ہے۔

اصل شعر:- ابھی زاہد مے وسوق سے پرہیز مشکل ہے
جوانی کا زمانہ ہے امنگیں ہیں طبیعت بھی

پہلے مصرعہ میں زاہد کی جگہ ہم سے اصلاح دی گئی جس سے روانگی بڑھ گئی

اصل شعر:- قیامت خیز ہے محفل میں ان کی یہ شرارت بھی
کہ اٹھنا چاہتا ہوں میں تو وہ دامن دبانے ہیں

قیامت خیز کی جگہ عجب پر لطف بنا دیا گیا جس سے شعر کا لطف بڑھ گیا۔ قیامت خیز مبالغہ ہی مبالغہ تھا لیکن عجب پر لطف نے موقع کی صحیح تصویر شعر میں کھینچ دی جیسے بے جا مبالغہ نگاری سے حقیقت کا رنگ غالب آ گیا۔

اصل شعر:- ذرا برقع ہٹا دیں آپ اپنے روئے زیبا سے
کہ رخصت ہو رہا ہے آپ کا بیمار دنیا سے

استاد معظم کا طریقہ اصلاح یہ تھا کہ غلطی سے باخبر فرما کر ارشاد فرماتے تھے کہ اب شعر یا مصرعہ کو خود بدلو یہ اصلاح و ترقی اور مشق سخن کا بہترین طریقہ ہے میں نے اس طریق کار سے بہت فائدہ حاصل کیا مولانا مرحوم ایک مصرعہ بھی کاٹ کر بنانا پسند نہ فرماتے تھے۔

مولانا کے دو شاگردوں کے علاوہ جن کا ذکر اوپر گذرا ہے وہ بے شمار حضرات بھی انکے شاگرد شمار کئے جا سکتے ہیں جنھوں نے نکات سخن سے استفادہ کیا اس تصنیف کا اصل مقصد یہی تھا کہ نوخیز حضرات رموز سخن سے بغیر استاد کے واقف ہو جائیں۔ نکات سخن کے دیباچے میں تحریر فرماتے ہیں۔

ایک عرصہ دراز سے راقم حروف کو جہاں اردو زبان کی روز افزوں ترقی اور مذاق صحیح کی جانب نوجوان اردو شاعروں کے قابل قدر رحجان کو دیکھکر قدرتی طور پر مسرت حاصل ہوتی ہے وہیں اس بات کا افسوس بھی ہوتا تھا کہ دور جدید کے تعلیم یافتہ شاعر اپنے کلام میں بلندی مضمون و ندرت کے مقابلے میں زبان و بیان کی خوبیوں کا کافی لحاظ نہیں رکھتے جس کا اکثر یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ اچھے سے اچھا مضمون

محض ایک ادنیٰ خرابی کی وجہ سے بے لطف ہو کر رہ جاتا ہے۔

اس خرابی کی متعدد وجوہ میں سے سب سے بڑا اور پہلا سبب یہ ہے کہ شاعری کے موجودہ دور میں استادی وشاگردی کا سلسلہ قریب قریب ناپید ہو چکا ہے درجۂ کمال تک پہنچنے کیلئے زبان بیان کی جتنی خوبیاں کلام میں ہونی ضروری ہیں وہ استاد کی مدد سے جلد اور یقینی طور پر حاصل ہو جاتی ہیں برخلاف اسکے بطور خود مشق کرنے میں بہت زمانہ صرف ہو جاتا ہے اور پھر بھی کامیابی یقینی نہیں ہوتی۔

یہ سب کچھ سہی مگر دشواری یہ ہے کہ استادی وشاگردی کی وہ رسم قدیم جس کا سلسلہ قریب قریب منقطع ہو چکا اب دوبارہ اپنی گذشتہ روایات کیساتھ از سر نو قائم نہیں ہو سکتی اور جب ایسا نہیں ہو سکتا تو لازماً آیا کہ نئے شاعروں کے فائدے کیلئے اس قدیم اور متروک طریقہ کے بجائے کوئی اور آسان طریق ایجاد کیا جائے اور راقم کو اسکا اور کوئی طریق اس سے بہتر نظر نہیں آیا کہ اپنے گذشتہ ۴۰ سال کے شاعرانہ تجربوں کو نکات سخن کے نام سے کتابی شکل میں پیش کر دے واضح رہے کہ راقم حروف کو استادی کا زعم نہیں ہے ورنہ اس خیال سے یہ کتاب لکھی جاتی ہے کہ کوئی شخص اسکی پیروی استاد کی ہدایتوں کی مانند کرے۔ منشا صرف اتنا ہے کہ جو تحقیق اور تجربہ راقم کی ۴۰ سال کی تلاش کوششوں کا نتیجہ ہے اس پر طالبانِ فن صرف چند ماہ بلکہ چند دن میں حاوی ہو جائیں جو بات ان کو پسند آوے اسے قبول کریں جو ناپسند ہو اس سے درگذر کریں اور راقم کو دعائے خیر سے یاد کریں۔

نوشتہ کاسد سپہر بر سپید   نو نسیدہ رانیست فردا امید

اصلاح سخن کا باب نوخیز شاعروں کیلئے خصوصیت کیساتھ قابل مطالعہ ہے اگر وہ اس کتاب کو بغور پڑھکر اپنے کلام کی اصلاح بھی اس کا باب میں بیان کئے ہوئے طرز پر بطور خود کر لیا کریں گے تو انشاء اللہ ان کو کسی استاد کی ضرورت نہ ہو گی۔

(فقیر حسرت موہانی ۲۶/ نومبر ۲۳ء سنٹرل جیل یروڈا)

یہ مجموعہ غزلیات جو دیوانِ حسرت کا ساتواں حصہ ہے اس کی بعض خصوصیتیں قابل لحاظ ہیں مثلاً اس کی تصنیف میں کل گیارہ دن صرف ہوئے ہیں جن جن بزرگوں سے فقیر کو فیض پہنچا ہے ان میں سے اکثر کی جانب اس مجموعہ میں کہیں نہ کہیں اشارہ موجود ہے۔ بزرگانِ دین اسلام کے علاوہ ایک موقع پر سری کرشن کا نام بھی آیا ہے۔ حضرت سری کرشن علیہ الرحمۃ کے باب میں فقیر اپنے پیر اور پیروں کے پیر حضرت سید عبدالرزاق بانسوی قدس اللہ سرہ کے مسلک عاشقی کا پیرو ہے ؎

مسلک عشق ہے پرستش حسن

ہم نہیں جانتے عذاب و ثواب

یہ کل غزلیں اسی زمانے میں لکھی گئیں جب کہ فقیر پر حکومت کی جانب سے ایک دوسرا مقدمہ چلایا جا رہا تھا۔ مگر اس کے سبب سے انشاء اللہ تعالیٰ کہیں پریشانی خیال کے نمونے نظر نہ آئیں گے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

(دیباچہ طبع اول دیوان حسرت حصہ ہفتم)

حصہ ہشتم، نہم و دہم یرودا جیل میں مکمل ہوا۔ دیوان حسرت یازدہم میں وہ غزلیں ہیں جو جنوری ۲۵ء سے دسمبر ۳۲ء تک لکھی گئیں۔ حصہ دوازدہم میں وہ غزلیں ہیں جو جنوری ۳۵ء سے [illegible] تک لکھی گئیں۔

ضمیمہ دیوان حسرت میں چند ابتدائی غزلیں درج ہیں جو موہان، فتح پور اور علی گڑھ میں بہ زمانہ طالب علمی لکھی گئیں (۱۸۹۴ء سے ۱۹۰۳ء تک)

حصہ سیزدہم میں نومبر ۳۵ء تک لکھی ہوئی غزلیں شامل ہیں مولانا کی

آخری غزل کا مطلع ہے ؎

شوق کو داد حیا ملتی نہیں
وہ نگاہ آشنا ملتی نہیں

یہ غزل ۳۰ نومبر ۱۹۵۰ء کو لکھی گئی

حسرت کی تمام غزلوں کی تعداد ۷۷۱ ہوتی ہے جن میں ۳۷۳ یعنی تقریباً نصف قید یا نظر بندی کی حالت میں لکھی گئیں۔ مجموعی اشعار تقریباً ۷ ہزار ہیں۔

(نیاز فتح پوری)

دیوان حسرت

موہانی

حصہ اوّل

جس میں سید فضل الحسن حسرت موہانی بی۔ اے اڈیٹر رسالہ اردوئے معلی علیگڑھ کی وہ کل غزلیں درج ہیں اردوئے معلی اور ملک کے دوسرے ادبی رسالوں میں چھپ کر مشہور اور مقبول ہوچکی ہیں

از ۱۹۰۳ء تا ۱۹۱۳ء

ان غزلوں کا ایک بڑا حصہ اس زمانہ کی تصنیف ہے جو بحالت قید فرنگ اولی ۱۹۰۸ء تا ۱۹۰۹ء علی گڈھ ڈسٹرکٹ جیل اور نینی سنٹرل جیل میں بسر ہوا تھا۔

Mabasum Majeed
Year 1984-85
Padgampora
Awantipora
Pulwama

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵

لاؤں کہاں سے حوصلۂ آرزو سپاس کا
جبکہ صفاتِ یار میں دخل نہ ہو قیاس کا

عشق میں تیرے دل ہوا ایک جہانِ بے خودی
جان خزینہ بن گئی حیرتِ بے قیاس کا

رونق پیرہن ہوئی خوبیٔ جسم نازنیں
اور بھی شوخ ہو گیا رنگ ترے لباس کا

لطف و عطائے یار کی عام ہیں بسکہ شہرتیں
قلبِ گناہ گار میں نام نہیں ہراس کا

دل کو ہو تجھ سے واسطہ لب پہ ہو نام مصطفیٰ
وقت جب آئے اے خدا خاتمہ حواس کا

طے نہ کسی سے ہو سکا تیرے سوا معاملہ
جانِ امیدوار کا حسرت محو یاس کا

حسن بے پروا کو خود بیں و خود آرا کر دیا
کیا کیا میں نے کہ اظہارِ تمنا کر دیا

بڑھ گئیں تم سے تو مل کر اور بھی بیتابیاں
ہم یہ سمجھے تھے کہ اب دل کو شکیبا کر دیا

پڑھ کے تیرا خط مرے دل کی عجب حالت ہوئی
اضطرابِ شوق نے اک حشر برپا کر دیا

ہم رہے یاں تک تیری خدمت میں سرگرم نیاز
تجھ کو آخر آشنائے ناز بیجا کر دیا

اب نہیں دل کو کسی صورت کسی پہلو قرار
اس نگاہِ ناز نے کیا سحر ایسا کر دیا

عشق سے تیرے بڑھے کیا کیا دلوں کے مرتبے
مہر ذروں کو کیا قطروں کو دریا کر دیا

کیوں نہ ہو تیری محبت سے منور جان و دل
شمع جب روشن ہوئی گھر میں اجالا کر دیا

تیری محفل سے اٹھاتا غیر مجھ کو کیا مجال
دیکھتا تھا میں کہ تو نے بھی اشارہ کر دیا

سب غلط کہتے تھے لطفِ یار کو وجہ سکوں
دردِ دل اس نے تو حسرت اور دونا کر دیا

رنگ سوتے میں چمکتا ہے طرحداری کا
طرفہ عالم ہے ترے حسن کی بیداری کا

مایۂ عشرتِ بے حد ہے غمِ قید وفا
میں شناسا بھی نہیں رنجِ گرفتاری کا

جو یہ ہیم نہ کرے شان تو جد پیدا
دیکھ بدنام نہ ہو نام ستمگاری کا

ہلس جواے عشق تری بےخبری کے بندے
بس ہو ان کا تو نہ لیں نام بھی ہشاری کا

کٹ گیا قید میں ماہ رمضان بھی حسرت
گرچہ سامانِ سحر کا تھا نہ افطاری کا

تجھ سے وہ ملا شوق سے اور تو نے نہ جانا
حسرت کو ابھی یاد ہے تیرا وہ زمانہ

ہے ایک درِ پیرِ مغاں تک تو رسائی
ہم بادہ پرستوں کا کہاں اور ٹھکانا

مخصوصِ غمِ عشق ہیں ہم لوگ ہمارا
اچھا نہیں اے گردشِ افلاک ستانا

صد شکر غم ہر دو جہاں سے ہے وہ فارغ
جو دل ہے ترے تیرِ محبت کا نشانا

اب عشق کا وہ حال نہ ہے حسن کا وہ رنگ
باقی ہے فقط عہدِ تمنا کا فسانا

آتی ہے تری یاد سو حسرت کو شب غم
ہر بار اسے افسانۂ دل کہہ کے سنانا

کوئی بھی پرساں نہیں حال دلِ رنجور کا
یہ ستم دیکھو دیارِ شوق کے دستور کا

جلتے جاتے رہ گیا وہ تازنیں صبح وصال
تا زہر دابہ اثر ہوں گدیہ مجبور کا

سر اٹھائے بزمِ جاناں میں بھلا کس کی مجال
رعب غالب ہے یہ اس کے جلوۂ مغرور کا

ہے غضب کی دلفریبی آج حسنِ ماہ میں
پھر بھی دے اک جام ساقی بادۂ پرنور کا

خاطرِ مایوس میں نقشِ امیدِ وصلِ یار
نور ہے صحرا میں گویا اک چراغِ دور کا

یک قلم بے سود ہے اظہارِ حالِ آرزو
حسن بے پروا کے آگے عشق نامنظور کا

مستیٔ عیشِ دو عالم کی نہیں پروا مجھے
دیکھنے والا ہوں میں اس نرگسِ مخمور کا

ہے سپردِ خاک حسرتؔ واں جو اک یارِ عزیز[1]
قصد اک مدت سے ہم رکھتے ہیں گورکھپور کا

دل کو خیالِ یار نے مخمور کر دیا
ساغر کو رنگِ بادہ نے پرنور کر دیا

مانوس ہو چلا تھا تسلی سے حالِ دل
پھر تو نے یاد آ کے بدستور کر دیا

گستاخ دستیوں کا نہ تھا مجھ میں حوصلہ
لیکن ہجومِ شوق نے مجبور کر دیا

کچھ ایسی ہو گئی ہے ترے غم کی مبتلا
گویا کسی نے جان کو مسحور کر دیا

بیتابیوں سے چھپ نہ سکا ماجرائے دل
آخر حضورِ یار بھی مذکور کر دیا

اہلِ نظر کو بھی نظر نہ آیا روئے یار
یاں اک حجابِ نور نے مستور کر دیا

حسرتؔ بہت ہے مرتبۂ عاشقی بلند
تجھ کو تو مفت لوگوں نے مشہور کر دیا

ہم نے کسی دن ترے کوچے میں گزارا کیا
تو نے اے شوخ مگر کام ہمارا نہ کیا

ایک ہی بار ہوئیں وجہِ گرفتاریِ دل
التفات ان کی نگاہوں نے دوبارہ نہ کیا

محفلِ یار کی رہ جائے گی آدھی رونق
ناز کو اس نے اگر انجمن آرا نہ کیا

---

[1] اشارہ بہ جانب عزیز اللہ مرحوم گورکھپوری یکے از عزیزترین احباب فقیر بود (حسرتؔ)

طعن احباب سنے سرزنش خلق سہی — ہم نے کیا کیا تری خاطر سے گوارا نہ کیا
جب دیا تم نے رقیبوں کو دیا جام شراب — بھول کر بھی مری جانب کو اشارہ نہ کیا
روبرو چشم تصور کے وہ ہر وقت رہے — نہ کبھی آنکھ نے گر ان کا نظارہ نہ کیا

گو یہی ہے ستم یار تو ہم نے حسرت
نہ کیا کچھ بھی جو دنیا سے کنارا نہ کیا

چہرہ یار سے نقاب اٹھا — دل سے اک شور اضطراب اٹھا
رات پیر مغاں کی محفل سے — جو اٹھا مست اٹھا خراب اٹھا
ناز بیجا اٹھائے تھے ان کے — اے دل اب ناز اضطراب اٹھا
ہم تھے بیباک اور وہ محجوب — شب غرض لطف بیحساب اٹھا
تھے اسی پر نباہ کے دعوے — سر تو اے شوخ بے حجاب اٹھا
میکشوں سے نہ محتسب کی چلی — آخر کار لاجواب اٹھا
اس قیامت خرام کو یوں چھیڑ — حشر اے جوش اضطراب اٹھا

مست صہبائے شوق ہے حسرت
ہمنشیں ساغر شراب اٹھا

ہجوم بیکسی کو وجہ لطف بیکراں پایا — کہ ہم نے آج اس نامہرباں کو مہرباں پایا
مگر تھا رنگ بزم یار میں نیرنگ عالم کا — کسی کو سرنگوں دیکھا کسی کو شادماں پایا
ستم سمجھے ہوئے بیٹھے تھے ہم تری بے اعتنائی کا — مگر جب غور سے دیکھا تو اک لطف نہاں پایا
کسے فرصت تمہاری جستجو کے شوق بیجا سے — ابھی تو نے کہاں ڈھونڈھا ابھی ہم نے کہاں پایا
نہ سمجھا بانی جور و جفا اس شوخ کو کوئی — نہ ہم نے جس کو پایا شکوہ سنج آسماں پایا

نہ پا سکتے کبھی پابند رہ کر قید ہستی میں ۔۔۔ سو ہم نے بے نشاں ہو کر تجھے اے بے نشاں پایا
حقیقت نالۂ دل سے کھلی غمہائے پنہاں کی ۔۔۔ سنا سوزِ جرس جس نے نشانِ کارواں پایا
ہنسی عبرت بہت جب رنگِ گل کی بے ثباتی نے ۔۔۔ چمن میں عندلیبِ سادہ دل کو شادماں پایا

بجا ہے کوئی میری وضعِ رسوا پہ کہے حسرت
کمالِ عاشقی نے تجھ کو یکتائے زماں پایا

(2)
پیہم دیا پیالۂ مے برملا دیا ۔۔۔ ساقی نے التفات کا دریا بہا دیا
اس حیلہ جو نے وصل کی شب ہم سے روٹھ کر ۔۔۔ نیرنگِ روزگار دو عالم دکھا دیا
اللہ رے بہار کی رنگ آفرینیاں ۔۔۔ صحنِ چمن کو تختۂ جنت بنا دیا
اب وہ ہجومِ شوق کی سرمستیاں کہاں ۔۔۔ مایوسئ فراق نے دل ہی بجھا دیا 10

حسرت یہ وہ غزل ہے جسے سن کے سب کہیں
مومن سے اپنے رنگ کو تو نے ملا دیا

(3)
اضطرابِ عاشقی پھر کارفرما ہو گیا ۔۔۔ صبر میرا ناشکیبائی سراپا ہو گیا
سادگی ہائے تمنا کے مزے جاتے رہے ۔۔۔ ہو گئے مشتاق ہم اور وہ خود آرا ہو گیا
وائے ناکامی نہ سمجھا کون ہے پیشِ نظر ۔۔۔ میں کہ حسنِ یار کا محوِ تماشا ہو گیا 11
بعد مدت کے ملے تو شرم تجھ سے کس لیے ۔۔۔ تم ہی کچھ ہو گئے یا میں نرالا ہو گیا
نوجوانی تھی کوئی شیدا نہ تھا میرے سوا ۔۔۔ ایک حسنِ کار کا وہ بھی زمانہ ہو گیا
شورشیں جاتی رہیں وہ آرزوئے وصل کی ۔۔۔ رنجِ دوری مرہمِ زخمِ تمنا ہو گیا
سحر وہ کیا تھا نگاہِ آشنائے یار میں ۔۔۔ جو دلِ بیمار کے حق میں مسیحا ہو گیا
ضبط سے رازِ محبت کا چھپانا تھا محال ۔۔۔ شوق گر پنہاں ہوا غم آشکارا ہو گیا

ہے زبانِ لکھنؤ میں رنگِ دہلی کی نمود
تجھ سے حسرتؔ نام روشن شاعری کا ہو گیا

نہانِ تغافل میں ہے رمزِ امتیاز اس کا — باندازِ جفا ہے التفاتِ دل نواز اسکا
نگاہِ آرزو تابِ نگاہِ یار کیا لاتی — اگر حائل نہ ہو جاتا حجابِ کارساز اسکا
غلط ہے شکوہ سنجی میرے عشقِ ناشکیبا کی — بجا کرتا ہے جو کرتا ہے حسنِ بے نیاز اسکا
چھڑایا دمِ زدن میں دل کو فکرِ شادی و غم سے — قیامت پر اثر تھا جلوۂ حیرت نواز اسکا

دیارِ شوق میں ماتم بپا ہے مرگِ حسرتؔ کا!
وہ وضع پارسا اس کی وہ عشقِ پاکباز اسکا

بر سرِ ناز وہ از راہِ کرم پہنچا تھا — شب عجب لطف کا ساماں بہم پہنچا تھا

شرحِ بے مہریِ احباب کروں کیا حسرتؔ
رنج ایسا دلِ مایوس کو کم پہنچا تھا

ازبسکہ نازِ یار بشکلِ عتاب کا — جو کامیاب تھا وہی ناکامیاب تھا
اب آرزوئے شوق کی بیتابیاں کہاں — یعنی وہ سب ملازمِ عہدِ شباب تھا
حالت عجیب تھی دلِ بے اختیار کی — بزمِ خیال میں جو وہ بت بے حجاب تھا
اب میں ہوں اور تغافلِ بسیار کے گلے — وہ دن کہ موردِ کرمِ بے حساب تھا

حیرانیِ نگاہ سے حسرتؔ جمالِ یار!
تھا پردۂ حجاب میں گو بے نقاب تھا

یاد کر وہ دن کہ تیرا کوئی سودائی نہ تھا — باوجودِ حسن تو آگاہِ رعنائی نہ تھا

عشق رونا افزوں پہ اپنے مجھ کو حیرانی نہ تھی ‏ جلوۂ رنگیں پہ تجھ کو نازِ یکتائی نہ تھا

دید کے قابل تھی میرے عشق کی بھی سادگی ‏ جبکہ تیرا حسن سرگرمِ خود آرائی نہ تھا

کیا ہمیں وہ دن کہ محوِ آرزو تھے حسن و عشق ‏ ربط تھا دونوں میں گو ربطِ شناسائی نہ تھا

تو نے حسرت کی عیاں تہذیبِ رسمِ عاشقی

اس سے پہلے اعتبارِ شانِ رسوائی نہ تھا

ملتا ہے ہمارے سے اب شوق کہیں تیرا ‏ ہے پیشِ نظر ہر دم حسنِ نمکیں تیرا

اے قصرِ امارت کی ویرانی و بربادی ‏ کس گوشۂ عبرت میں سوتا ہے مکیں تیرا

آنکھوں کے تبسم نے سب کھول دیا پردہ ‏ ہم پر نہ چلا جادو اے چینِ جبیں تیرا

جز کثرتِ محرومی، جز غایتِ دل گیری ‏ مونس نہ ہوا کوئی اے جانِ حزیں تیرا

تھا سحر وہ کیا ایسا تاثیرِ محبت کا ‏ پڑھتے ہیں جو سب کلمہ اے دشمنِ دیں تیرا

جس نور سے روشن ہیں جان و دلِ مشتاقاں ‏ شاید وہ تصور ہے اے ماہ جبیں تیرا

مرغوب تمنا ہے، محبوبِ دل و جاں ہے ‏ ہر وضعِ جفا تیری ہر شیوۂ کیں تیرا

ہم خوب سمجھتے ہیں حسرت سے تیری باتیں

اقرار کا پردہ ہے انکار نہیں تیرا

سرگرمِ ناز آپ کی شانِ جفا ہے کیا ‏ باقی ستم کا اور ابھی حوصلہ ہے کیا

آنکھیں تری جو ہوش ربائی میں فرد ہیں ‏ ان میں یہ سحر کاری رنگِ حیا ہے کیا

گر جوشِ آرزو کی ہیں کیفیتیں یہی ‏ میں بھول جاؤں گا کہ مرا مدعا ہے کیا

آتے ہیں وہ خیال میں کیوں میرے بار بار ‏ عشقِ خدا نما کی یہی ابتدا ہے کیا

اک برقِ مضطرب کہ اک سحرِ بیقرار ‏ کچھ پوچھیے نہ وہ نگہِ فتنہ زا ہے کیا

اس درجہ دل پذیر ہے آہنگ نغمہ کیوں
پنہاں لباسِ درد میں تیری صدا ہے کیا

چل بھی دیے وہ چھین کے صبر و قرارِ دل
ہم سوچتے ہی رہ گئے یہ ماجرا ہے کیا

نزدیک بامِ یار سے ہے نردبانِ عشق
اے دل یہ جائے حوصلہ ہے دیکھتا ہے کیا

حسرت جفائے یار کو سمجھا جو تو وفا
آئینِ اشتیاق میں یہ بھی روا ہے کیا

مجھ کو خبر نہیں کہ مرا مرتبا ہے کیا
یہ تیرے التفات نے آخر کیا ہے کیا

ملتیں کہاں گزار طبیعت کی لذتیں
رنجِ فراقِ یار بھی راحت فزا ہے کیا

حاضر ہے جانِ زار جو چاہو مجھے ہلاک
معلوم بھی تو ہو کہ تمہاری رضا ہے کیا

ہوں دردِ لادوائے محبت کا مبتلا
مجھ کو خبر نہیں کہ دوا کیا دعا ہے کیا

میری خطا پہ آپ کو لازم نہیں نظر
یہ دیکھیے مناسبِ شانِ عطا ہے کیا

ہیں بہترین صلح پہ ظاہر کی رنجشیں
ناحق ہوں میں ملول وہ مجھ سے خفا ہے کیا

گرویدہ جس سے تو ہے خبر بھی نہیں اسے
پھر تیرے اضطراب کی حسرت بنا ہے کیا

کیا کہیے آرزوئے دلِ مبتلا ہے کیا
جب یہ خبر بھی ہو کہ وہ رنگیں ادا ہے کیا

کافی ہیں میرے بعد پشیمانیاں تری
میں کشتۂ وفا ہوں مرا خوں بہا ہے کیا

وقتِ کرم نہ پوچھیے گا لطفِ عمیمِ یار
رندِ خراب حال ہے کیا پارسا ہے کیا

دیکھو جسے ہے راہِ فنا کی طرف رواں
تیری محل سرا کا یہی راستا ہے کیا

ہم کیا کریں اگر نہ تری آرزو کریں
دنیا میں اور بھی کوئی تیرے سوا ہے کیا

یوں شکر جور کرتے ہیں تیرے ادا شناس
گویا وہ جانتے ہی نہیں ہیں گلا ہے کیا

رونے لگے الٰہی سے کہ ہے ابتدائے حال
تم نے کبھی فسانۂ حسرت سنا ہے کیا

8

ہم بندگانِ درد پہ مشقِ جفا ہے کیا — دل جوئی وفا کا یہی مقتضا ہے کیا
محرومیوں نے گھیر لیا ہے خیال کو — اے عشقِ یار تیری یہی انتہا ہے کیا
شوقِ لقائے یار کہاں میں عذاب کہاں — اے جانِ بے قرار تجھے یہ ہوا ہے کیا
ہو جائے گی کبھی نہ کبھی جان نذرِ یار — بیمارِ عشق ہم ہیں ہماری شفا ہے کیا
لاکھوں کو جس نے صبر سے بیگانہ کر دیا — کیا کہیے آہ وہ نگہِ آشنا ہے کیا
گرویدہ اس قدر ہے جو محرومیوں سے دل — اے دردِ یار تیری اسی میں لقا ہے کیا
سودائے عشقِ یار ملامت کی جا نہیں
حسرت کو پیرِ عقل یہ سمجھا رہا ہے کیا

غضب ہے دل کا حالِ شوق ان سے بے محل کہنا — مگر کاہے کو مانے گا یہ پابندِ اجل کہنا
ارادے تھے کہ ان سے حالِ دل سب مل کے کہہ دینگے — مگر ملنے پہ ہم سے آج ہوتا ہے نہ کل کہنا
غضب میں جان ہے پابندیِ آدابِ الفت سے — کہ ہر ہر بات کو در پردہ کہنا فی المثل کہنا
الٰہی کیا ہوئے دل والے آغازِ وحشت کے — کہ اب تو ہم ہیں اور افسانۂ وحشت جبل کہنا
مقرر ہے خیالِ یار کی یہ کار فرمائی — نہ ہوتا ورنہ ہم فرقت کے ماروں سے غزل کہنا
فنا ہو جاتے ہم کارِ محبت میں تو بہتر تھا — کہ یوں پڑتا نہ حالِ پائے لنگِ دوست شل کہنا
پسند آیا طریقِ شاعری تیرا ہمیں حسرت
کہ جب کہنا کبھی کچھ نغز کہنا بے بدل کہنا

9

فراقِ یار میں بیصرفہ غم کھانے سے کیا ہوگا — اگر مر بھی گئے اب ہم تو مر جانے سے کیا ہوگا

بجومِ آرزو کی کہہ رہا ہے داستاں سہرا — مگر نوشاہ کے دل کا بنا ہے ترجماں سہرا
سرِ ہر تار سے رنگینیاں جلوے کی پیدا ہیں — چھپائے گا کہاں تک حسنِ روئے نوشہ سہرا
ہوا سے ملتی ہیں لڑیاں کہ قربِ روئے روشن سے — وفورِ شوق میں کرنے لگا بیتابیاں سہرا
رخِ نوشاہ اگر اک گلستانِ حسن و خوبی ہے — تو اس گلشن کے حق میں ہے بہارِ بوستاں سہرا

نمایاں ہو گیا کچھ اور حسرت حسنِ یار اس سے
نگاہِ شوق ناحق ہو اتھا بدگماں سہرا

ادا نہ ہم سے ہوا حق تری غلامی کا — نصیبِ شوق رہا داغِ ناتمامی کا
بچھی ہیں راہِ تمنا میں سیکڑوں آنکھیں — کہ ناز جلوہ کرے تیری خوش خرامی کا
کھلے نہ ہم سے خموشانِ آرزو کی زباں — جو اتفاق کبھی ہو ان سے ہم کلامی کا
حضور مجھ پہ نہ ضائع کریں عطا اپنی — کہ مستحق ہوں جفا ہائے التزامی کا
بقدرِ شوق کہاں تابِ التماس ہمیں — لکھیں جواب جو اس نامۂ گرامی کا
بہت ہے میرے لیے جلوہ گاہ کی یاد — امیدوار نہیں التفاتِ سامی کا

نہاں نہ ہو کہ کرم یار میں ستم حسرت
بہت نہ کیجیے اظہار شادکامی کا

راحت کو اضطراب سے مقرون کر دیا — ان سرخ پوشیوں نے تو دل خون کر دیا
بیتابیاں ہیں عام کہ اس حسنِ شوخ نے — دنیا سے محو صبر کا مضمون کر دیا
اب دل ہے اور فراغتِ حسرت کہ یاس نے — تکلیفِ انتظار سے مامون کر دیا

منسوب کر کے حسرتِ عاصی سے خلق نے
جذباتِ پاک شوخ کو مطعون کر دیا

اک برقِ طپاں ہے کہ تکلم ہے تمہارا
اک سحر ہے لرزاں کہ تبسم ہے تمہارا

پایا جو مجھے درپئے اظہار تمنا
بولے وہ سراسر یہ توہم ہے تمہارا

اشکوں سے ہے خواہشِ دیدار کو شکوہ
کچھ آج غضب رنگ تلاطم ہے تمہارا

دیکھے نہ ہمیں کوئی محبت کی نظر سے
کیا خوب یہ انداز تحکم ہے تمہارا

اب ان سے کہو آرزوِ شوق نہ حسرت
وہ حسنِ بیاباں آج کہاں کم ہے تمہارا

صحبتِ اہلِ عشق و شغلِ شراب
تھا یہی مقتضائے عہدِ شباب

کسقدر سبز و تر ہے کشتِ خیال
گریۂ انتظار سے شاداب

غیر پر دیکھ کر کرم تیرا
ہو گئی جانِ آرزو بے تاب

عشق سے ہے کہاں روائے حسن
اس قدر اہتمام شرم و حجاب

ہم کو یکساں ہے لطف ہو کہ جفا
ہم کہ ہیں بادۂ وفا کے خراب

جان بھی دی پیام شوق کیساتھ
ہم نے کھینچا نہ انتظار جواب

مذہب عشق ہے پرستشِ حسن
ہم نہیں جانتے ثواب و عذاب

قدر نشناس ہے جفا تیری
ورنہ جنسِ وفا نہیں کمیاب

ہے مرے شوق بیکراں کا شمار
نہ تری شرم ناروا کا حساب

لطفِ جاناں ہے جور کی تمہید
دیکھ حسرت نہ کھا فریب سراب

جانفزا تھی کس قدر یارب ہوائے کوئے دوست
بس گئی جس سے شامِ آرزو میں بوئے دوست

بیخودی میں اب نہیں کچھ امتیاز وصل و ہجر
رات دن پیش نظر ہے جلوۂ نکوئے دوست

ہو چکی اب ہم گرفتارانِ فرقت کو نصیب — آہ وہ خوشبو کہ تھی پروردۂ گیسوئے دوست

اہلِ دل کہنے لگے ہیں جس کو نقشِ لوحِ جان — ہے الف اللہ کا یا قامتِ دلجوئے دوست

بن گئی محفل کی محفل اک طلسمِ بےخودی — چل گیا آخر فسونِ نرگسِ جادوئے دوست

رہ گئی ناکام و حیراں میری چشمِ اشتیاق — کامیابِ نور تھا کس درجہ حسنِ روئے دوست

شعرِ حسرت ہم نے یہ مانا کہ نازک ہے بہت
اس سے بھی کچھ بڑھ کے نازک ہے خوشبوئے دوست

جو نازِ حسن نے کی تھی کبھی غرور کی بات — سو آج تک ہے مجھے یاد وہ حضور کی بات

بدیر جا کے ہوا ختم سلسلہ ان کا — چلی جو اہلِ خرابات میں سرور کی بات

مزاجِ یار مکدر حسد سے کیوں ہوتا — ضرور کوئی نہ کوئی ہوئی فتور کی بات

ملیں دل کی آنکھ سے دیکھو نہ چشمِ سر سے انہیں — کہ پھر نہ پیشِ نظر ہو وہ کوہِ طور کی بات

نہ پوچھئے کہ ہوئی حسن کی عجب حالت — سنی جو پہلے پہل عشقِ ناصبور کی بات

ملے بھی وہ تو غرورِ جمال نے نہ سنی — زبانِ دل سے تمنائے بےشعور کی بات

وہ بے سبب ہیں خفا مجھ سے کیا کہوں حسرت
مجھے تو یاد نہیں ہے کوئی قصور کی بات

رنگ پر لایا ہجومِ ساغر و پیمانہ آج — بھر گئی سیرابیوں سے محفلِ رندانہ آج

بسکہ زیبِ انجمن ہے جلوۂ جانانہ آج — ہے سراپا آرزو ہر عاشقِ دیوانہ آج

پر ہوا بیتابیوں پر نشۂ مے کا اثر — کہہ دیا سب ان سے حالِ شوقِ گستاخانہ آج

رشک سے مٹ مٹ گئے ہم تشنہ کامانِ وصال — جب ملا لبہائے ساقی سے لبِ پیمانہ آج

ہے فروغِ بزمِ یکتائی جو وہ شمعِ جمال — آ گئی ہے دل میں بھی بیتابیٔ پروانہ آج

ہیں سرورِ وصل سے لبریز مشتاقوں کے دل — کر رہی ہیں آرزوئیں سجدۂ شکرانہ آج
حسرتیں دل کی ہوئی جاتی ہیں پامالِ نشاط — ہے جو وہ جانِ تمنا رونقِ کاشانہ آج
غرق ہے رنگینیوں میں مستیوں سے چور چور — ہے سراپا بیخودی وہ نرگسِ مستانہ آج
میہمانِ خانۂ دل ہے جو وہ رشکِ بہار — ہو گیا ہے غیرتِ فردوس یہ ویرانہ آج
مل گیا اچھا سہارا عذرِ مستی کا ہمیں — لے گیا آغوش میں اس گل کو بیباکانہ آج
خم لگا دے ہم بلا نوشوں کے منہ میں ساقیا — کام آئے گا نہ ساغر آج نے پیمانہ آج
دیکھئے اب رنگ کیا لائے وہ حسنِ دلفریب — آئینہ پیشِ نظر ہے ہاتھ میں ہے شانہ آج

میں ہی اے حسرت نہیں محوِ جمالِ روئے یار
پڑ رہی ہیں سب نگاہیں اس پہ مشتاقانہ آج

لے غمِ عشق اے متاعِ فلاح — اہلِ دل کیوں نہ ہوں ترے مداح
ہم کو صبر و سکوں نہیں درکار — دلِ مضطر کی بھی یہی ہے صلاح
29 بے خبر ماجرائے عالم سے — ہم ہیں دشتِ خیال کے سیاح
ہے زبانِ وصالِ یار کی یاد — بابِ فردوسِ عیش کی مفتاح
ہم بھی مشتاق ہیں شہادت کے — اے تجھے خونِ اہلِ شوق مباح
غم ترا مایۂ سرورِ قلوب — یاد ہے تیری مونسِ ارواح

اب کہاں ہجرِ یار میں حسرت
لذتِ اکلِ شام و شربِ صباح

30 خون بے جرمی سے اپنی دیکھ کر تلوار سرخ — ہو گئی مارے ندامت کے جبینِ یار سرخ
آشکارا ہے جہاں میں ہر طرف رنگِ بہار — سبز تر ہے صحنِ گلشن دامنِ کہسار سرخ

دیکھئے کس کس کو اعزازِ شہادت ہو نصیب
آج نکلا ہے بدل کر رنگ وہ عیار سرخ

اس قدر کیں مستیاں ہم بادہ خواروں نے کہ آج
ہو گیا سب رنگ مے سے خانۂ خمار سرخ

مل گیا حسرتؔ شہیدانِ وفا کا خوں بہا
ہو گئی ہیں روتے روتے ہر دو چشم یار سرخ

دشوار ہے اسے ملامت اے پند
ہوں اہل جنوں خرد کے پابند

شرمندۂ جور ہے نہ وہ شوخ
ارباب وفا ہیں یوں بھی خورسند

زیبا کشِ فرق عاشقی ہے
دستارِ جنوں ہیں غم کا پیوند

سیکھا ہے کہاں سے اے لب یار
یہ شیوۂ دل کش شکر خند

مہمان فراق ہے تری یاد
بے خود ہے خیال آرزومند

بے صبر و سکوں سے کام حسرتؔ (ق)
آئینِ وفا کی تجھ کو سوگند

یہ ماتم روز وصل تا کے
یہ گریۂ بے قرار تا چند

مجبور تجھ کو جان کے عہد وفا کے بعد
بے مہرباں وہ کرنے لگے اختیار کے بعد

اہل رضا کی جان ہے اتنی سی یہ امید
کچھ اور بھی ہے اس ستم بر ملا کے بعد

مجبوریٔ سوال سے اس چشم ناز میں
منظوریوں کا رنگ عیاں ہے حیا کے بعد

نے راحتِ سرور نہ تکلیفِ اضطراب
باقی نہیں ہے کچھ بھی دل مبتلا کے بعد

تم بھی تو زندۂ جاوید ہو گئے
ہم کو بقا نصیب ہوئی ہے فنا کے بعد

افزوں ہوئیں کچھ اور محبت کی شورشیں
تجدید آرزو جو ہوا التوا کے بعد

دامانِ صبر ہاتھ سے حسرتؔ نہ دیجیو
گر خواہش طرب ہے ہجوم بلا کے بعد

کچھ دردِ دل سے بڑھ کے ہے دردِ جگر لذیذ　　تجھ سے ہیں جتنے درد وہ سب بس لذیذ
مایوسیوں سے کام نہ لے جان مبتلا　　رنج فراق یار بھی ہے سر بسر لذیذ
جانِ حزیں کو بھول گئی سختیٔ فراق　　کچھ اس قدر ہے گریۂ وقتِ سحر لذیذ
کہتا ہے کون شورشِ باطن کو بے مزا　　مرغوبِ شوق کیوں ہے نہیں ہے اگر لذیذ

اشک وفا سے دامنِ حسرت ہوا لالہ رنگ
پی جائے گر نہ پا کے انہیں چشم تر لذیذ

صبر مشکل ہے ضبط ہے دشوار　　دل وحشی ہے اور جنوں بہار
کش مکش میں ہے کامرانی شوق　　مجھ کو ابرام ہے انہیں انکار
دلِ مایوس میں ہے نقش امید　　یا مسافر کوئی غریب دیار
لطف کر لطف اے سراپا ناز (ق)　　تجھ پہ رنگینیٔ بہار نثار
دلِ عشاق ہیں امید کے جام　　بادۂ اشتیاق کے سرشار
اے تری ذات مجمع ضدین　　حسن سب نور تو غضب نار
غیر ممکن ہے ہم سے طاقت غیر　　اے جفا کار اے غریب آزار

روح آزاد ہے خیال آزاد
جسم حسرت کی قید ہے بیکار

اب تو اٹھ سکتا نہیں آنکھوں سے بار انتظار　　کس طرح کاٹے کوئی لیل و نہار انتظار
ان کی الفت کا یقیں ہو ان کے آنے کی امید　　ہوں یہ دونوں صورتیں تب ہے بہار انتظار
عمر کیجے صرف یاد گیسو و رخسار یار　　یوں بسر ہو جائے لیل و نہار انتظار
جان و دل کا حال کیا کہئے فراقِ یار میں　　جان مجروح الم ہے دل فگار انتظار

کیا ہوئیں آسانیاں وہ روزگار وصل کی   اب تو ہم ہیں اور رنج بے شمار انتظار
میری آئیں نارسا میری دعائیں نا قبول   یا الٰہی کیا کروں میں شرمسار انتظار
صبر کی طاقت نہیں باقی دل مایوس میں   دیکھئے کیونکر بسر ہو روزگار انتظار
راہ تیری اس قدر دیکھی کہ اے غفلت شعار   میری آنکھیں بن گئیں سرمایہ دار انتظار
ان کے خط کی آرزو ہے ان کی آمد کا خیال   کس قدر پھیلا ہوا ہے کاروبار انتظار

ہے دل مسرور حسرت اک طرب زار امید
پھونک ڈالے گو نہ اس گلشن کو نار انتظار

عشق کی روح پاک کو تحفۂ غم سے شاد کر   اپنی جفا کو یاد کر میری وفا کو یاد کر
جان کو محو غم بنا دل کو وفا نہاد کر   بندۂ عشق ہے تو یوں قطع رہ مراد کر
غمزۂ دل فریب کو اور بھی جاں فزا بنا   پیکر ناز حسن پر رنگ حیا زیاد کر
خستگی دو روزہ کو عشرت جاوداں بنا   فکر معاش سے گزر حوصلۂ معاد کر
ایک نجات ہند کی دل سے ہے تجھ کو آرزو   ہمت سربلند سے یاس کا انسداد کر
قول کو زید و عمر کے حد سے سوا اہم جان   روشنئ ضمیر میں عقل سے اجتہاد کر
حق سے بعذر مصلحت وقت پہ جو کرے گریز   ان کو نہ پیشوا سمجھ اس پہ نہ اعتماد کر
خدمت اہل جور کو کر نہ قبول زینہار   فن و ہنر کے زور سے عیش کو خانہ زاد کر
غیر کی جد و جہد پر تکیہ نہ کر کہ ہے گناہ   کوشش ذات خاص پر ناز کر اعتماد کر

غضب ہے کہ پابند اغیار ہو کر   مسلمان رہ جائیں یوں خوار ہو کر
اٹھے ہیں جفا پیشگان مہذب   ہمارے مٹانے پہ تیار ہو کر
تقاضائے غیرت یہی ہے عزیزو   کہ ہم بھی رہیں ان سے بیزار ہو کر

کہیں صلح و نرمی سے ریجائے دیکھو　　نہ یہ عقدۂ جنگ دشوار ہو کر

وہ ہم کو سمجھتے ہیں احمق جو حسرت
وفا کے ہیں طالب دل آزاد ہو کر

چلتا ہے روز دورِ مۓ ارغواں ہنوز　　جاری ہے فیضِ محفلِ پیرِ مغاں ہنوز

ہے غضب ہنگامۂ فصلِ بہار ابکی برس　　دل بہ کا ہے کو رہے گا اختیار اب کی برس!

ہے جنونِ شوق ابھی سے بیقرار اب کی برس　　کیا غضب ڈھائیگا طوفانِ بہار ابکی برس

38 کامیابی جلد ہو گی آکے پابوس امید　　کھینچ ڈالیں اور رنج انتظار ابکی برس

حادثے سنہ آٹھ میں گزرے بہت اب دیکھیے　　کیا دکھائے گردشِ لیل و نہار ابکی برس

فرقتِ ساقی میں ہم حسرت کشانِ بادہ سے　　مل کے رویا خوب ابرِ نو بہار اب کی برس

مدتیں ترکِ محبت کو ہوئیں پھر اے عجب　　یاد یار آتی ہے کیوں بے اختیار ابکی برس

جوشِ گل کی ہیں یہی کیفیتیں تو کیا عجب　　اشکِ بلبل سے قفس ہو لالہ زار ابکی برس

حسرتِ شوریدہ سر ہے پائمالِ اشتیاق
اس طرف بھی کر گزر اے شہسوار اب کی برس

پیمانِ وفا نہ کر فراموش　　اے حسرتِ بیقرار خاموش

دیوانِ حسنِ پاک داماں　　ہے پردۂ دل میں عشق روپوش

39 اس عشوائے نازنیں کے جلوے　　ہیں دشمنِ عقلِ مصلحت کوش

پوشیدہ سکونِ یاس میں ہے　　اک محشرِ اضطرابِ خاموش

آزاد ہیں قید میں بھی حسرت
ہم دل شدگانِ خود فراموش

سب ہیں تری انجمن میں بیہوش
نظارۂ حسن کا کسے ہوش

بیہوش کیا ہے سب کو تو نے
اب جس کو خدائے ہوش دے ہوش

ہو جاؤ نثار حیرت عشق
اے دانش وائے قرار اے ہوش

تم آئے کہ ختم ہو گئے ہم
باقی تھے مگر اسی لئے ہوش

ہم عرصۂ حشر میں بھی حسرتؔ
پہچان گئے انہیں زہے ہوش

یورپ میں جیسے پھیل گئی ہے دبائے حرص
چلنے لگے نہ سارے جہاں میں ہوائے حرص

ہے چین کو ریا کو مٹانے پہ مستعد
جاپان بھی ہوا ہے مگر آشنائے حرص

جانِ وفا شعار کو شکوۂ غم سے کیا غرض
عذرِ جفا سے کام کیا غرضِ کرم سے کیا غرض

سرخوشہائے شرابِ مشکبو سے کیا غرض
مست الفت ہیں ہمیں اس آرزو سے کیا غرض

دل ہے غرق شادمانی جاں سیرابِ نشاط
وصل کی شب ہے بہم ہیں جملہ اسبابِ نشاط

ہے جہانِ آرزو میں آج گویا روزِ عید
چل رہی ہے محفلِ دل میں مئے نابِ نشاط

حسرتیں وقفِ طرب ہیں آرزو محوِ سرور
بخت نے کھولا ہے روئے شوق پر بابِ نشاط

ہیں فراہم اہل ذوق آمادہ ہے بزم طرب
اہتمام نغمہ سنجی میں ہیں اربابِ نشاط

ہو گئی جوش تمنا سے مبدل بے خودی
سازِ حیرت پر لگی جس وقت مضرابِ نشاط

کامیابِ عیش یعنی ہے دل عشرت نصیب
آرزو کے سر سے گزرا جاتا ہے آبِ نشاط

ہے غرض ہر سمت اک ہنگامۂ شادی بپا
کچھ نہیں چلتی ملامت گر کی در بابِ نشاط

چل سکے گا اب نہ قابو دل پہ رعبِ حسن کا
یار مجبورِ حیا ہے میں ہوں بے تابِ نشاط

ساز و سامانِ خودی سرمایۂ ہوش و حواس
آج بہہ جائے بہا کر سب کو سیلابِ نشاط

رشک سے بیتاب ہے نیرنگیٔ دورِ فلک (ق) ہوشیار اے بے خبر اے غافلِ خوابِ نشاط

ہے اسی کا نام حرمانِ اتم اے وصلِ یار
خاطرِ محروم حسرتؔ کو نہیں تابِ نشاط

کچھ ہم کو عجب گریۂ مستی میں ملا خط — ایسا تو کسی شے میں نہ ہوگا بخدا خط
کیا آئے اگر آئے بھی دم بھر کے لیے تم — اس سے تو بڑھا دردِ جگر اور گھٹا خط
مرغوبِ دل و جاں تمنا ہے، نہ کیوں ہو — رکھتا ہے غمِ شوق ترا حد سے سوا خط 42
پوچھے کوئی رندانِ سیہ مست کے جی سے — کیا کچھ نہ انہیں خدمتِ ساقی میں ملا خط
اچھا ہے اگر فصلِ گل آتی ہے جہاں میں — کیا اس سے اگر پائیں گے ہم بے سروپا خط
تم مشقِ جفا چھوڑ دو گر ہو تمہیں معلوم — رکھتی ہے جو پابندیٔ آئینِ وفا خط

ہے پاس ادب رسمِ قدیمِ شعرا کا
حسرتؔ نہیں اس قسم کے اشعار میں کیا خط

الوداع اے ماہِ رمضاں الوداع — الوداع اے مونسِ جاں الوداع
تجھ سے روشن تھا سوادِ ملکِ جاں — اے چراغِ نورِ ایماں الوداع 43
اے زبانِ رحمتِ حق الفرقان — اے محبِ اہلِ عصیاں الوداع
اے نشانِ شانِ صبر و فقر و عشق — زاہدِ عشاقِ حیراں الوداع
لذتِ افطار و اے لطفِ سحر — تم میں تھا عیشِ فراواں الوداع
عینِ راحت تجھ سے تھی تکلیفِ قید — اے انیسِ اہلِ رنداں الوداع

قدر جانی کچھ نہ تیری اے عزیز
تجھ سے حسرتؔ ہے پشیماں الوداع

دل نہ تھا رنجِ ہجرِ یار کا داغ
کیا ہوا آہ وہ زمانِ فراغ

کر نہ ہم غم زدوں پہ جور اتنا
گل نہ ہو جائے عاشقی کا چراغ

چھیڑ مت ناحق اے نسیمِ بہار!
سیرِ گل کا یہاں کسے ہے دماغ

ہے وہ اک لالہ زارِ ناکامی
دل نے کھائے ہیں بسکہ داغ پہ داغ

ہم نے ڈھونڈا بہت مگر حسرتؔ
نہ ملا دل میں خرمی کا سراغ

وہ شوخ عجب کیا ہے مجھ سے جو نہیں واقف
گمنام ہوں میں ہوتا ہے کوئی بھی کہیں واقف

ہم عشق کے بندوں کو اسلام سے کیا مطلب
اس بات سے خود ہوگا وہ دشمنِ دیں واقف

تقریبِ محبت کی کیا خوب تھی وہ ساعت
جس وقت ہوا مجھ سے وہ ماہ جبیں واقف

ناکامی بیحد کا رہتا ہے کرم ہم پر
ہم درد کے خوگر ہیں درماں سے نہیں واقف

بیکار تو اے دولت حسرتؔ کو نہ دے لالچ
ہے تیرے بکھیڑوں سے وہ خاک نشیں واقف

تجھ سے حسنِ جہاں دونوں جہاں کی رونق
اے تری یاد مرے خانۂ جاں کی رونق

یاد میں اس گلِ رعنا کے جو نکلے آنسو
بن گئے دیدۂ خوننابہ فشاں کی رونق

جاں گزیں جب سے ہوئی تیری محبت دل میں
بڑھ گئی اور بھی اس جنسِ گراں کی رونق

مقدمِ یار کی آنکھوں میں بسی ہے جو بہار
قابلِ دید ہے چشمِ نگراں کی رونق

ہر طرف رندی و مستی کا نمودار ہے رنگ
ہے خرابی سے خراباتِ مغاں کی رونق

کیا نہیں شوقِ شہادت کا یہ کافی اعزاز
کہ مرا سر ہے ترے نوکِ سناں کی رونق

تیرے حسنِ نظر افروز کے جلوے اے شوخ
ہو گئے ہیں نگہِ دیدہ وراں کی رونق

شعر سے تیرے ہوئی مصحفی و میر کے بعد
تازہ حسرتؔ اثر و حسنِ بیاں کی رونق

47
وصل کی شب رواں ہو سوئے فراق — آ چلی لو ہوا میں بوئے فراق
اشک بھر لائے وہ بھی وقتِ سحر — جب چلی آہ گفتگوئے فراق
خود ہیں وہ جانِ آرزوئے وصال — یاد ہے ان کی آبروئے فراق
خوبیہائے وصلِ یار کے بعد — اب دکھائے خدا نہ روئے فراق
بہرِ افزائشِ سرورِ وصال — شوق کو پھر ہے جستجوئے فراق
کون ان کی فراشی سے کرے — عرضِ احوال موبموئے فراق

غلغلِ عہدِ عیش سے حسرتؔ
بڑھ کے ہے شورِ ہائے و ہوئے فراق

48
محرومِ طرب ہے دلِ دل گیر ابھی تک — باقی ہے ترے عشق کی تاثیر ابھی تک
وصل اس بتِ بدخو کا میسر نہیں ہوتا — وابستۂ تقدیر ہے تدبیر ابھی تک
اک بار سنی تھی سو مرے دل میں ہے موجود — اے جانِ تمنا تری تقریر ابھی تک
سیکھی تھی جو آغازِ محبت میں قلم نے — باقی ہے وہ رنگینیٔ تحریر ابھی تک
اس درجہ نہ بیتاب ہو اے شوقِ شہادت — ہے میان میں اس شوخ کی شمشیر ابھی تک
کہنے کو تو میں بھول گیا ہوں مگر اے یار — ہے خانۂ دل میں تری تصویر ابھی تک
بھولی نہیں دل کو تری دزدیدہ نگاہی — پہلو میں ہے کچھ کچھ خلشِ تیر ابھی تک
تھے حق پہ وہ بیشک کہ نہ ہوتے تو نہ ہوتا — دنیا میں بپا ماتمِ شبیر ابھی تک

گزرے بہت استاد مگر رنگ اثر میں
بے مثل ہے حسرتؔ سخن میر ابھی تک

بکھرے رخ روشن پہ جو ہیں گیسوے شب رنگ — نکلا ہے نئے حسن دل آرا کا غضب رنگ
کیا کیجیے بیاں اس تن نازک کی خفیفت — خوشبو میں ہے گل بو تو لطافت میں ہے سب رنگ
سب سیکھ لیا غیر سے افسون شرارت — باقی وہ کہاں سادگی یار کا اب رنگ
اک چشمۂ حسرت ہے کہ آنکھوں سے ہے جاری — عشاق کا ہے صدمۂ ہجراں سے عجب رنگ
پوچھو نہ شب وصل کی لذت کہ ابھی تک — بدلا ہے رخ شوخ کا ازروے حیا اب رنگ
دل خون ہوے جاتے ہیں ارباب نظر کے — رکھتی ہے قیامت کا تری سرخی لب رنگ

حسرتؔ تری اس پختہ کلامی کی ہے کیا بات
پایا ہے کسی اور سخنور نے یہ کب رنگ

عہد مستی کے اب کہاں وہ رنگ — ساغر بادہ ہے نہ کاسۂ بنگ
ایسی پھر شب نصیب ہو کہ نہ ہو — ساقی ماہ وش کرے نہ درنگ
خوب تھا وہ زمان رسوائی (ق) — خوب تر تھی وہ عشق و عقل کی جنگ
آہ وہ شہر کانپور کی شام — وہ لب نہر وہ کنارۂ گنگ
ہیں طلب گار شوق گوناگوں — حسن کے جلوہ ہاے رنگارنگ

بڑھ چلا جوش آرزو حسرتؔ
ختم ہونے کو آئی قید فرنگ

از بسکہ حسن یار ہے خوبی سے جان دل — لائے کہاں سے روز کوئی ارمغان دل
راہ وفا میں پھر ہوئی ظلمت فراق — محرومیوں نے لوٹ لیا کاروان دل

یک قطرہ خوں بھی سینۂ عشاق میں نہیں — اس شوخ کو مگر ہے ابھی تک گمان دل

ٹھہرا ہے اک نگاہ کرم پہ معاملہ — اے لطف یار مفت ہے جنس گران دل

ہیں خون آرزو سے جو سیراب داغ یاس

ہم رنگ نو بہار ہے حسرت خزان دل

روشن جمال یار سے ہے انجمن تمام — دہکا ہوا ہے آتش گل سے چمن تمام

حیرت غرور حسن سے شوخی سے اضطراب — دل نے بھی تیرے سیکھ لیے ہیں چلن تمام

اللہ ری جسم یار کی خوبی کہ خود بخود — رنگینیوں میں ڈوب گیا پیرہن تمام

52 دل خون ہو چکا ہے جگر ہو چکا ہے خاک — باقی ہوں میں مجھے بھی کر اے تیغ زن تمام

دیکھو تو چشم یار کی جادو نگاہیاں — بیہوش اک نظر میں ہوئی انجمن تمام

ہے ناز حسن سے جو فروزاں جبین یار — لبریز آب نور ہے چاہ ذقن تمام

نشو و نمائے سبزہ و گل سے بہار میں — شادابیوں نے گھیر لیا ہے چمن تمام

اس نازنیں نے جب سے کیا ہے وہاں قیام — گلنار بن گئی ہے زمین دکن تمام

اچھا ہے اہل جور کیے جائیں سختیاں — پھیلے گی یوں ہی شورش حب وطن تمام

سمجھے ہیں اہل مشرق کو شاید قریب مرگ — مغرب کے یوں ہیں جمع یہ زاغ و زغن تمام

شیرینیٔ نسیم ہے سوز و گداز میر

حسرت ترے سخن پہ ہے لطف سخن تمام

53 کام لوں ناکامیوں سے عشق کا کہنا کروں — ہو کے واقف لطف غم سے رات دن رویا کروں

بڑھ چلا تھا حد سے جور شیوۂ بے گانگی — ورنہ میں اور اس سراپا ناز کا شکوہ کروں

وصل کی شب بھی ہوئی جاتی ہے صرف اضطراب — اس ہجوم آرزو کو یا الٰہی کیا کروں

جان کر مجھ پہ ستم بھی ہو تو ہے منظور شوق — لطف بے پروائی میں کیا قدر کیوں پیدا کروں
مجھ سے تم چھپنے لگے، اچھا کیا یونہی سہی — اور جو ہیں اب دیدۂ دل سے تمہیں دیکھا کروں
اس کے لطف بندہ پرور کا ہوں اک دل غلام — میری کیا طاقت کہ عشق یار کا دعویٰ کروں
ہے یہی شرطِ وفاداری کہ بے چون وچرا — وہ مجھے چاہے نہ چاہے میں اسے چاہا کروں
اے ستم گر مجھ سے گو ترکِ وفا ممکن نہیں — میں کروں لیکن کبھی ایسا تو کیا ایسا کروں

حسرت اس دیر آشنا کی آرزو آساں نہیں
دل میں پہلے ضبطِ غم حوصلہ پیدا کروں

آوارۂ دشتِ جستجو ہیں — ہم خانہ بدوشِ آرزو ہیں
54 رندوں پہ یہ کیا ستم ہے ساقی — ساغر خالی ہیں پر سبو ہیں
دشوار ہے اہتمام تمکیں — ہم پر کہ ہلاکِ گفتگو ہیں
اس درجہ غرور ناروا ہے — مانا کہ حضور خوب رو ہیں
ناواقف بے ثباتیِ گل — بلبل ہیں کہ محو رنگ و بو ہیں

ہم زخمیِ تیغِ عشق حسرت
بے گانۂ خواہشِ رفو ہیں

بدلِ لذتِ آزار کہاں سے لاؤں — اب تجھے اے ستم یار کہاں سے لاؤں
55 پرسشِ حال یہ ہے خاطرِ جاناں مائل — جرأتِ کوششِ اظہار کہاں سے لاؤں
ہے وہاں شانِ تغافل کو جفا سے بھی گریز — التفاتِ نگہ یار کہاں سے لاؤں
نور عنقا ہے شب ہجر کی تاریکی میں — جلوۂ صبح کے آثار کہاں سے لاؤں
صحبتِ اہلِ صفا خوب ہے مانا لیکن — رونقِ خانۂ خمار کہاں سے لاؤں

شعر میرے بھی ہیں پر درد ولیکن حسرتؔ
میرؔ کا شیوۂ گفتار کہاں سے لاؤں

اے تلک اے افتخارِ جذبۂ حبِّ وطن — حق شناس و حق پسند و حق یقیں و حق سخن
تجھ سے قائم ہے بنا آزادیٔ بیباک کی — تجھ سے روشن اہلِ اخلاص و وفا کی انجمن
سب سے پہلے تو نے کی برداشت اے فرزندِ ہند — خدمتِ ہندوستاں میں کلفتِ قید و محن 56
ذات تیری رہنمائے راہ آزادی ہوئی — تھے گرفتارِ غلامی ورنہ یارانِ وطن
تو نے خودداری کا پھونکا اے تلک ایسا فسوں — یک قلم جس سے خوشامد کی مٹی رسمِ کہن
نازِ تیری پیروی پر حسرتِ آزاد کو
اے تجھے قائم رکھے تا دیر ربِّ ذوالمنن

خوبرویوں سے یاریاں نہ گئیں — دل کی بے اختیاریاں نہ گئیں
عقل صبر آشنا سے کچھ نہ ہوا (اف!) — شوق کی بے قراریاں نہ گئیں
دن کی صحرا نوردیاں نہ چھٹیں — شب کی اختر شماریاں نہ گئیں
ہوش یاں سدِّ راہِ علم رہا — عقل کی ہرزہ کاریاں نہ گئیں 57
تھے جو ہم رنگِ ناز ان کے ستم — دل کی امیدواریاں نہ گئیں
حسن جب تک رہا نظارہ فروش — صبر کی شرمساریاں نہ گئیں
طرزِ مومن میں مرحبا حسرتؔ
تیری رنگیں نگاریاں نہ گئیں

مے وہ مینا سے یاریاں نہ گئیں — میری پرہیزگاریاں نہ گئیں 58
مر کے بھی خاکِ راہِ یار ہوئے — اپنی الفت شعاریاں نہ گئیں

اشکباری سے سوزِ دل نہ مٹا　　آہ کی شعلہ باریاں نہ گئیں
حسن کی دلفریبیاں نہ گھٹیں　　عشق کی تازہ کاریاں نہ گئیں
سب نے چھوڑا تجھے مگر حسرت
درد کی غمگساریاں نہ گئیں

گرفتارِ محبت ہوں اسیرِ دامِ محبت ہوں　　میں رسوائے جہانِ آرزو ہوں یعنی حسرت ہوں
عجب انداز ہے میرے مزاجِ لاابالی کا　　نہ ممنونِ تمنا ہوں نہ مشتاقِ مسرت ہوں
مری بیتابیوں کا قول ہے ہم جانِ تمکیں ہیں　　مری افتادگی کہتی ہے تاجِ فرقِ عزت ہوں
مرا شوقِ سخن پروردۂ آغوشِ حرماں ہے　　میں خود شیدائے غم ہوں رفتۂ قد محبت ہوں
نہیں ہے قدرداں کوئی تو میں ہوں قدرداں اپنا　　تکلف برطرف بیگانۂ رسمِ شکایت ہوں
کمالِ خاکساری پر یہ بے پروائیاں حسرت
میں اپنی داد خود دے لوں کہ میں بھی کیا قیامت ہوں

گریباں چاک ہیں گلہائے رنگیں صحنِ بستاں میں　　قیامت کا اثر تھا نالہائے عندلیباں میں
نگاہِ یار بھی کس کس ادا سے لطف کرتی ہی　　تغافلہائے پیدا ہیں نوازشہائے پنہاں میں
نگاہِ شوق کیوں کر کامیابِ شادمانی ہو　　غضب کا رعب ہے اس شوخ کے حسنِ نگہباں میں
قیامت کا تعلق ہے قیامت کی محبت ہے　　مرے زخموں کی گویا جاں ہے تیرے نمکداں میں
مجھے معلوم ہے پھر جوشِ الفت رخنہ ڈالیگا　　ترے عہدِ تغافل میں مرے پیمانِ حرماں میں
تمہارے حسنِ روز افزوں کے جلوے کیا قیامت ہیں　　نگاہِ شوق کی بھی جا نہیں ہے چشمِ حیراں میں
الٰہی خیر میرے عہدِ ترکِ مے گساری کی　　ہجومِ شوق میں ہنگامۂ فصلِ بہاراں میں

اثرؔ کا مصرعِ رنگیں پسندِ طبعِ حسرتؔ ہے

قیامت ہے نہاں ان کے تبسم ہائے پنہاں میں

ہم بھی مثلِ غیر ہیں کیوں مہربانیاں / اے بدگماں یہ خواب نہیں بدگمانیاں

غیرت ہے یادگارِ زمانِ جنوں ہنوز / باقی ہیں شوقِ یار کی اب تک نشانیاں

طاعت گزار ہوں دلِ حسرت پسند کا / ناکامیاں ہیں میرے لئے کامرانیاں

61 رنگِ بہارِ باغ ہے مہمانِ یک نفس / اے وائے عندلیب تری شادمانیاں

ٹھہرا ہے ضبطِ شوق پہ اگر معاملہ / اس درجہ آبرو کی بڑھیں بے نیازیاں

گو ترکِ آرزو کا زمانہ گزر گیا / لیکن گئیں نہ ہم سے تری سرگرانیاں

حسرتؔ تری شگفتہ کلامی پہ آفریں

یاد آگئیں نسیمؔ کی رنگیں بیانیاں

بھلاتا لاکھ ہوں لیکن برابر یاد آتے ہیں / الٰہی ترکِ الفت پر وہ کیوں کر یاد آتے ہیں

نہ چھیڑ اے ہمنشیں کیفیتِ صہبا کے افسانے / شرابِ بےخودی کے مجھ کو ساغر یاد آتے ہیں

62 رہا کرتے ہیں قیدِ ہوش میں اے وائے ناکامی / وہ دشتِ خود فراموشی کے چکر یاد آتے ہیں

نہیں آتی تو یاد ان کی مہینوں تک نہیں آتی / مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں

حقیقت کھل گئی زاہد ترے ترکِ محبت کی

تجھے تو اب وہ پہلے سے بھی بڑھ کر یاد آتے ہیں

63 وصل کی بنتی ہیں ان باتوں سے تدبیریں کہیں / آرزوؤں سے پھرا کرتی ہیں تقدیریں کہیں

بے زبانی ترجمانِ شوق بے حد ہو تو ہو / ورنہ پیشِ یار کام آتی ہیں تقریریں کہیں

مٹ رہی ہیں دل سے یادیں روزگارِ حسن کی / اب نظر کاہے کو آئیں گی یہ تصویریں کہیں

التفاتِ یار تھا اک خوابِ آغازِ وفا — سچ ہوا کرتی ہیں ان خوابوں کی تعبیریں کہیں

تیری بے صبری ہے حسرتؔ خام کاری کی دلیل
گریۂ عشاق میں ہوتی ہیں تاثیریں کہیں

عشق میں جان سے گزر جائیں — اب یہی جی میں ہے کہ مر جائیں
یہ ہمیں ہیں کہ قصرِ یار سے روز — بے خطر آ کے بے خبر جائیں
جامہ زیبی نہ پوچھئے ان کی — جو بگڑتے میں بھی سنور جائیں
ان کی مدِ نظر ہوا پروا — اہلِ شوق اب کہو کدھر جائیں
شب وہی شب ہے دن وہی دن ہیں — جو تری یاد میں گزر جائیں
گریۂ شام سے تو کچھ نہ ہوا — ان تک اب نالۂ سحر جائیں
دوش تک بھی بلائے جاں ہیں وہ بال — جانے کیا ہوں جو تا کمر جائیں

شعر دراصل ہیں وہی حسرتؔ
سنتے ہی دل میں جو اتر جائیں

قصۂ شوق کہوں، درد کا افسانہ کہوں — دل ہو قابو میں تو اس شوخ سے کیا کیا نہ کہوں
خود ہے اقرار انہیں اپنی ستم گاری کا — پھر بھی اصرار ہے مجھ سے کہ میں ایسا نہ کہوں
آپ بیٹھیں تو کبھی آ کے مرے پاس کبھی — کہ میں فرصت میں حدیثِ دلِ دیوانہ کہوں

اشک عشق سے نکلیں جو تمہارے آنسو — دامنِ جاں میں وہ لے لیجئے سارے آنسو
جلوۂ حسن سے رنگیں ہیں جو آنکھیں ان کی — سرخ نکلے ہیں اسی رنگ کے مارے آنسو
دیکھ کر غیر کی محفل میں انہیں مستِ شراب — نہ ہوا ضبط نکل آئے ہمارے آنسو
عالمِ حسن میں ہیں نور کی نہریں جاری — یار دانِ عارضِ جاناں کے کنارے آنسو

گریۂ شوق سے تر ہیں جو تمہاری آنکھیں ۔۔۔ بن گئے ہیں فلکِ حسن کے تارے آنسو

ہو کے آہِ غمِ عشق مری حالت پر ۔۔۔ اب تو بھر لائے ہے وہ شوخ بھی بارے آنسو

ہے محبت سے سروکار انہیں بھی حسرت
چشمِ جاناں میں یہ کرتے ہیں اشارے آنسو

66

کسی عنوان صبر آتا نہیں مجھ ناشکیبا کو ۔۔۔ الٰہی کیا کروں اس خاطرِ محوِ تمنا کو

نہ تھی واقف جو میرے اشتیاقِ بے نہایت سے ۔۔۔ نگاہیں ڈھونڈھتی ہیں اس نگاہِ بے محابا کو

وہ خوابِ ناز میں تھے اور تھے اے شوق پابوسی ۔۔۔ نہ سمجھی پستیٔ ہمت تری اس لطف ایما کو

تمہیں بھی یاد ہو گا وہ زمانہ عیشِ ماضی کا ۔۔۔ تمنا چاہتی ہے پھر اسی لطفِ شناسا کو

بھر آئے اشک دردِ افتادگانِ بزمِ ساقی کے ۔۔۔ مئے رنگیں سے خالی دیکھ آغوشِ مینا کو

نگاہِ شوق میں چمکا دیا ہے اور بھی ظالم ۔۔۔ ترے ظلمِ نمایاں نے ترے حسنِ خود آرا کو

عیاں سب حال ہو جاتا ہماری بے قراری کا ۔۔۔ وہ خود بھی دیکھ سکتے کاش اپنے نازِ یکتا کو

چھپائے کہیں آثار چھپتے ہیں محبت کے ۔۔۔ نہ دو الزام میرے اضطرابِ آشکارا کو

گزاری عمر شغلِ عاشقی میں مرحبا حسرت
نہ پاس آنے دیا غم ہائے بے پایانِ دنیا کو

67

دلجوئی اغیار سے فرصت نہیں تم کو ۔۔۔ معلوم ہوا قدرِ محبت نہیں تم کو

مٹ جائیں گے اس شیوۂ بیباک پہ لاکھوں ۔۔۔ مارا ہے مجھے اور ندامت نہیں تم کو

بھولے ہی سے اٹھ جائے نقابِ رخِ زیبا ۔۔۔ کیا شوق کہ اتنی بھی رعایت نہیں تم کو

کچھ غیر نہیں ہم کہ بگڑ جائیں جفا سے ۔۔۔ اظہارِ مراعات کی حاجت نہیں تم کو

ڈرتے نہیں رسوائیِ عقبیٰ سے بھی حسرت
دنیا میں تو پروائے ملامت نہیں تم کو

وہ اب یہ کہتے ہیں دیکھا کرے نہ تو مجھ کو
مجھ لیا ہے جو مجبورِ آرزو مجھکو

خاص کر ہم چاہنے والوں سے پردا کیوں نہو
کیوں نہ ہو اے دشمنِ اہلِ تمنا کیوں نہ ہو

قابو میں نہیں ہے دلِ شیدائے مدینہ
کب دیکھئے بر آئے تمنائے مدینہ

خوشبوئے رسالت سے ہے ازبسکہ معطر (ق)
ہر ذرۂ آبادی و صحرائے مدینہ

بیخودیِ عشقِ حقیقی کا شناسا
ہر دل کہ ہے مخمور تولائے مدینہ

آتی ہے جو ہر سے یہاں انس کی خوشبو
دنیائے محبت ہے کہ دنیائے مدینہ

ہے شام اگر گیسوئے احمد کی سیاہی
تو نورِ خدا صبح دلآرائے مدینہ

اے وہ کہ سرورِ ابدی کا ہے طلبگار
پی ساغرِ دل سے مئے مینائے مدینہ

ڈر غلبۂ اعدا سے نہ حسرت کہ ہے نزدیک
فرمائیں مدد سید والائے مدینہ

نگاہِ یار جسے آشنائے راز کرے
وہ اپنی خوبیِ قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے

دلوں کو فکرِ دو عالم سے کر دیا آزاد
ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

ترے ستم سے میں خوش ہوں کہ غالباً یوں بھی
مجھے وہ شاملِ اربابِ امتیاز کرے

غمِ جہاں سے جسے ہو فراغ کی خواہش
وہ ان کے دردِ محبت سے ساز باز کرے

امیدوار ہیں ہر سمت عاشقوں کے گروہ
تری نگاہ کو اللہ دلنواز کرے

تو نے کرم کا سزاوار تو نہیں حسرتؔ
اب آگے تیری خوشی ہے سرفراز کرے

لایا ہے دل پہ کتنی خرابی — اے یار تیرا حسن شرابی
پیراہن اس کا ہے سادہ رنگیں — یا عکس مے سے شیشہ گلابی
عشرت کی شب کا وہ دور آخر (ق) — نور سحر کی وہ لاجوابی
پھرتی ہے اب تک دل کی نظر میں — کیفیت ان کی وہ نیم خوابی 60
بزم طرب ہی وہ بزم کیوں ہو — ہم غمزدوں کو واں باریابی
اس نازنیں نے باوصف عصمت (ق) — کی وصل کی شب وہ بے حجابی
شوق اپنی بھولا گستاخ دستی — دل ساری شوخی حاضر جوابی
وہ روئے زیبا ہے جان خوبی — ہیں وصف جس کے سارے کتابی

اس قید غم پر قربان حسرتؔ
عالی جنابی گردوں رکابی

اور تو پاس مرے ہجر میں کیا رکھا ہے — اک ترے درد کو پہلو میں چھپا رکھا ہے
دل سے ارباب وفا کا ہے بھلانا مشکل — ہم نے سیاں کے تغافل کو سنا رکھا ہے 61
تم نے بال اپنے جو پھولوں میں بسا رکھے ہیں — شوق کو اور بھی دیوانہ بنا رکھا ہے
سخت بے درد ہے تاثیر محبت کہ انہیں — بستر ناز پہ سونے سے جگا رکھا ہے
آہ وہ یاد کہ اس یاد کو ہو کر مجبور — دل مایوس نے مدت سے بھلا رکھا ہے
کیا تامل ہے مرے قتل میں اے بازو بار — ایک ہی وار میں سر تن سے جدا رکھا ہے
حسن کو جور سے بیگانہ نہ سمجھو کہ اسے — یہ سبق عشق نے پہلے ہی پڑھا رکھا ہے

تری نسبت سے ستمگر ترے مایوسوں نے — داغ حرماں کو بھی سینے سے لگا رکھا ہے
کہتے ہیں اہل جہاں دردِ محبت جس کو — نام اسی کا دلِ مضطر نے دوا رکھا ہے 72
نگہ یار سے پیکان قضا کا مشتاق — دل مجبور نشانے پہ کھلا رکھا ہے

اس کا انجام بھی کچھ سوچ لیا ہے حسرت
تو نے ربط ان سے جو اس درجہ بڑھا رکھا ہے

دل کو تری دزدیدہ نظر لے کے گئی ہے — اب یہ نہیں معلوم کدھر لے کے گئی ہے
اس بزم سے آزردہ نہ آئے گی محبت — آئینِ وفا مد نظر لے کے گئی ہے
جب سے لے کے گئی ہے ہمیں تا کوئے ملامت — مجبوریِ دل خاک بسر لے کے گئی ہے 73
پہلے ہی سے مایوس نہ کیوں ہو کہ دعا کو — قسمت مری محرومِ اثر لے کے گئی ہے
اللہ رے کافر ترے اس حسن کی مستی — جو زلف تری تا بہ کمر لے کے گئی ہے

مغموم نہ ہو خاطر حسرت کہ تلک تک
پیغام وفا بادِ سحر لے کے گئی ہے

نہ ہوا اس کی خطا پوشی پہ کیوں ناز گنہگاری — نشانِ شانِ رحمت بن گیا داغِ سیہ کاری
ستم تم چھوڑ دو میں شکوہ سنجیہائے ناچاری — کہ فرضِ عین ہے کیشِ محبت میں روا داری 74
وفا سے دشمنی رکھ کر مرے دل کی طلبگاری — بہت مشکل ہے اس جنسِ گراں کی خریداری
ہوئیں ناکامیاں، بدنامیاں، رسوائیاں کیا کیا — نہ چھوٹی ہم سے لیکن کوئے جاناں کی ہواداری
وہ دن اب یاد آتے ہیں کہ آغازِ محبت میں — نہ چالاکی تجھے اے شوخ آتی ہے نہ عیاری
نہیں غم جیب و دامن کا مگر ہاں فکر ہے اتنی — نہ الجھے گا مرے دستِ جنوں سے رنجِ بیکاری
نہ چھوڑا مرتے دم تک ساتھ بیمار محبت کا — قسم کھانے کے قابل ہے ترے غم کی وفاداری

نہ ان کو رحم آتا ہے نہ مجھ سے صبر ہے ممکن — کہیں آسان ہو یارب محبت کی یہ دشواری

وفورِ اشک پیہم سے ہجومِ شوق بیحد میں — مری آنکھوں سے ہے اک آبشارِ آرزو جاری

غضب رنگینیاں تھیں گریہ ہائے ابتدائی کی — ہوئی ہے جس سے دامانِ محبت پر یہ گلکاری

نہیں کھلتی مری نسبت تری حیلہ جو مرضی — کہ ہے اقرار دلجوئی نہ انکار ستمگاری

نہ کر اتنا ستم ہم دردمندوں پر کہ دنیا سے — مبادا اک قلم اٹھ جائے تہذیب وفاداری

رواں ہے قافلہ سوئے عدم اسبابِ محنت کا — گیا پہلے ہی دل اب جانِ محزوں کی ہے تیاری

خوشی سے ختم کرتے سختیاں قیدِ فرنگ اپنی — کہ ہم آزاد ہیں بیگانۂ رنجِ دل آزاری

نہ دیکھے اور دلِ عشاق پر پھر بھی تصرف رکھے — قیامت ہے نگاہِ یار کا حسنِ خبرداری

یہی عالم رہا گر اسکے حسنِ سحر پرور کا — تو باقی رہ چکی دنیا میں راہ و رسمِ ہشیاری

وہ جرمِ آرزو پر جس قدر چاہیں سزا دے لیں — مجھے خود خواہشِ تعزیر ہے ملزم ہوں اقراری

چلا برسات کا موسم نہ چھوٹے قیدِ غم سے ہم — بڑی بے لطفیوں میں اب کی گزرا وقتِ میخواری

نسیم دہلوی کو وجد ہے فردوس میں حسرت
تبارک اللہ تیری شاعری ہے یا فسوں کاری

ہے مشقِ سخن جاری چکی کی مشقت بھی — اک طرفہ تماشہ ہے حسرت کی طبیعت بھی

جو چاہو سزا دے لو تم اور بھی کھل کھیلو — پر ہم سے قسم لے لو کی ہو جو شکایت بھی

دشوار ہے رندوں پر انکارِ کرم یکسر — اے ساقیِ جاں پرور کچھ لطف و عنایت بھی

دل بسکہ ہے دیوانہ اس حسنِ گلابی کا — رنگیں ہے اسی رو سے شاید غمِ فرقت بھی

خود عشق کی گستاخی سب تجھ کو سکھا دے گی — اے حسنِ حیا پرور شوخی بھی شرارت بھی

برسات کے آتے ہی توبہ نہ رہی باقی — بادل جو نظر آئے بدلی مری نیت بھی

عشاق کے دل نازک اس شوخ کی خو نازک — نازک اسی نسبت سے ہے کار محبت بھی
رکھتے ہیں مرے دل پہ کیوں تہمت بیتابی — یاں نالۂ مضطر کی جب مجھ میں ہو قوت بھی
اے شوق کی بے باکی وہ کیا تری خواہش تھی — جس پر انہیں غصہ ہے انکار بھی حیرت بھی
ہر چند ہے دل شیدا حریت کامل کا — منظور دعا لیکن ہے قید محبت بھی

ہیں شاد و صفی شاعر یا شوق و فا حسرت
پھر ضامن و محشر ہیں اقبال بھی وحشت بھی

آنکھوں کو انتظار سے گردیدہ کر چلے — تم یہ تو خوب کار پسندیدہ کر چلے
مایوس دل کو پھر سے وہ شوریدہ کر چلے — بیدار سارے فتنۂ خوابیدہ کر چلے
اظہار التفات کے پردے میں اور بھی — وہ عقدہائے شوق کو پیچیدہ کر چلے
ہم بے خودوں سے چھپ نہ سکا راز آرزو — سب ان سے عرض حال دل و دیدہ کر چلے
ہمراہ غیر آ کے اڑائی مری ہنسی — خوب آپ خاطر دل رنجیدہ کر چلے
تسکین اضطراب کو آئے تھے وہ مگر — بیتابیوں کی روح کو بالیدہ کر چلے
اہل نظر کو بے خبر دو جہاں کیا — ایسی کچھ اک نگاہ وہ دزدیدہ کر چلے
تھا عشق یار بھی کوئی گنجینۂ مراد — ویران دل میں ہم جسے پوشیدہ کر چلے

یہ طرفہ ماجرا ہے کہ حسرت سے مل کے وہ
کچھ جان و دل کو اور بھی شوریدہ کر چلے

ارباب اشتیاق سے پروا نہ چاہیے — اے حسن خود نما تجھے ایسا نہ چاہیے
ان کا ستم بھی عین کرم ہے خواص کو — اس کا مگر عوام میں چرچا نہ چاہیے
کچھ حد سے بڑھ چلی ہیں تری کج ادائیاں — اس درجہ اعتبار تمنا نہ چاہیے

جو دیکھتے ہوں دیکھنے والوں کا دیکھنا — ایسوں کو آنکھ اٹھا کے بھی دیکھا نہ چاہیے
اتنی سی شے کا تم سے تقاضا کریگا کون — دل لے کے ہم سے آنکھ چرانا نہ چاہیے
اخفائے عشق مدِ نظر ہو تو حسن سے — اظہارِ آرزو میں محابا نہ چاہیے

حسرتؔ کی طرح اور بھی مشتاق ہیں بہت
اس حسنِ بے مثال کو چھپنا نہ چاہیے

78 روشِ حسنِ مراعات چلی جاتی ہے — ہم سے اور ان سے وہی بات چلی جاتی ہے
اس جفاجو سے بایمائے تمنا اب تک — ہوسِ لطف و عنایت چلی جاتی ہے
مل ہی جاتے ہیں پشیمانیٔ غم کے اسباب — شوقِ حرماں کی مدارات چلی جاتی ہے
کچھ رہی تھی ہوسِ مے سو تغافل سے ترے — وہ بھی اے پیرِ خرابات چلی جاتی ہے
ہم سے ہر چند وہ ظاہر میں خفا ہیں لیکن — کوششِ پرششِ حالات چلی جاتی ہے
دن کو ہم ان سے بگڑتے ہیں وہ شب کو ہم سے — رسمِ پابندیٔ اوقات چلی جاتی ہے
اس ستمگر کو ستمگر نہیں کہتے بنتا — سعیٔ تاویلِ خیالات چلی جاتی ہے
نگہِ یار سے پا لیتے ہیں دل کی باتیں — شہرتِ کشف و کرامات چلی جاتی ہے

غیرتِ حسن نے مجبور کیا ہے حسرتؔ
وصلِ جاناں کی یونہیں رات چلی جاتی ہے

79 توڑ کر عہدِ کرم ناآشنا ہو جائیے — بندہ پرور جائیے اچھا خفا ہو جائیے
میرے عذرِ جرم پر مطلق نہ کیجیے التفات — بلکہ پہلے سے بھی بڑھ کر کج ادا ہو جائیے
خاطرِ محروم کو کر دیجیے محوِ الم — درپئے ایذائے جانِ مبتلا ہو جائیے
راہ میں ملیے کبھی مجھ سے تو از راہِ ستم — ہونٹ اپنا کاٹ کر فوراً جدا ہو جائیے

گر نگاہِ شوق کو محوِ تماشہ دیکھیے
قہر کی نظروں سے مصروفِ سزا ہو جایئے

میری تحریرِ ندامت کا نہ دیجے کچھ جواب
دیکھ لیجئے اور تغافل آشنا ہو جایئے

مجھ سے تنہائی میں گر ملئے تو دیجے گالیاں
اور بزمِ غیر میں جانِ حیا ہو جایئے

ہاں یہی میری وفائے بے اثر کی ہے سزا
آپ کچھ اس سے بھی بڑھ کر پر جفا ہو جایئے

جی میں آتا ہے کہ اس شوخِ تغافل کیش سے
اب نہ ملئے پھر کبھی اور بے وفا ہو جایئے

دل میں یادِ روزگارِ عاشقی دیجئے نکال
آرزوئے شوق سے ناآشنا ہو جایئے

کاوشِ دردِ جگر کی لذتوں کو بھول کر
مائلِ آرام و مشتاقِ شفا ہو جایئے

ایک بھی ارماں نہ رہ جائے دلِ مایوس میں
یعنی آخر بے نیازِ مدعا ہو جایئے

بھول کر بھی اس ستم پرور کی پھر آئے نہ یاد
اس قدر بیگانۂ عہدِ وفا ہو جایئے

ہائے ری بے اختیاری یہ تو سب کچھ ہو مگر
اس سراپا ناز سے کیونکر خفا ہو جایئے

چاہتا ہے مجھ کو تو بھولے نہ بھولوں میں تجھے
تیرے اس طرزِ تغافل کے فدا ہو جایئے

کشمکش ہائے الم سے اب یہ حسرت جی میں ہے
چھٹ کے ان جھگڑوں سے مہمانِ قضا ہو جایئے

اثر تیرے تغافل کا رقیبِ کامراں تک ہے
وجہِ رشک یعنی اضطرابِ بدگماں تک ہے

ابھی دیکھی نہیں گستاخیاں جوشِ تمنا کی
تمہاری کم نگاہی التماسِ بے زباں تک ہے

چمن میں دورِ فصلِ گل ہے لیکن وائے محرومی
قیامِ بلبلِ مجبور رحمِ باغباں تک ہے

دلِ بیتاب کی بیباکیاں ان سے یہ کہتی ہیں
ذرا ہم بھی تو دیکھیں آپکی شوخی کہاں تک ہے

مری مجبوریاں مشقِ جفا سے باز رکھیں گی
ترا شوقِ ستم ظالم خیالِ امتحاں تک ہے

سکھا دے گی ندامت شیوۂ قدرِ وفا ان کو
یہ شانِ کج ادائی میری جانِ ناتواں تک ہے

مجھے طوافِ حرم کی آرزو کیوں ہو گذر میرا
سرِ کوئے بتاں تک ہے درِ پیرِ مغاں تک ہے

وہی جورِ خزاں ہوگا وہی محرومیاں ہونگی
نشاطِ بلبلِ بیدل بہارِ بوستاں تک ہے

ہماری داستانِ بے قراری بھی سنا دیجو
گذر تیرا تو اے بادِ صبا ان کے مکاں تک ہے

کہاں سے آئیں گی نیرنگیاں ترکیبِ مومن کی
یہ لطفِ خوش بیانی حسرتِ رنگیں بیاں تک ہے

ترا ناز بھول بیٹھا مری سب نیاز مندی
بغیر دردِ دل نہ پائی یہ یقینِ دل پسندی

81 نہ ہے اختیار تجھ پہ نہ ہے اعتبار دل پر
ترے عاشقوں کا دیکھے کوئی رنگ مستمندی

مجھے شکوۂ جفا کی نہیں آنے پائی نوبت
وہ ستم بھی گر کرے ہے تو بلطفِ ہوشمندی

تری بزمِ نازِ ظالم ہے عجب طلسمِ حیرت
کہ جہاں ہے میرے دل کو سرِ خدمت پسندی

غمِ آرزو کا حسرت سبب اور کیا بتاؤں
مری ہمتوں کی پستی مرے شوق کی بلندی

تھی راحتِ حیرت کی کس درجہ فراوانی
ہم نے غمِ ہستی کی صورت بھی نہ پہچانی

اک میں ہوں سو کیا میں ہوں محرومِ فراغت ہوں
اک دل ہے سو کیا دل ہے مجبورِ پریشانی

82 کس درجہ پشیماں ہے تاثیرِ وفا میری
اس شوخ پہ آتا ہے الزامِ پشیمانی

دیکھ اے ستمِ جاناں یہ نقشِ محبت ہیں
بنتے ہیں بدشواری مٹتے ہیں بہ آسانی

میں اس بتِ بدخو کی اس آن پہ مرتا ہوں
کھینچا نہ کبھی اس نے اندوہِ پشیمانی

یاں صبر میں ہے پنہاں کیفیتِ بیتابی
واں لطف سے پیدا ہے اندازِ ستم رانی

قائم ہے ترے دم سے طرزِ سخنِ قائم
پھر ورنہ کہاں حسرت یہ رنگِ غزل خوانی

سن چکے شکوے ملالِ خاطرِ ناشاد کے ہم کہ خوگر ہیں سپاسِ لذتِ بیداد کے
اک ذرا اس شوخ کی محشر خرامی دیکھو دل میں ہنگامے بپا ہیں شورشِ فریاد کے
دیکھ کر عالم مری حیرانیِ خاموش کا اڑ گئے ہوش انکی تمکینِ ستم ایجاد کے
ضبطِ رازِ عشق نے رخصت نہ دی فریاد کی آ کے لب تک رہ گئے شکوے تری بیداد کے
ننگ نامِ شوق تھی پابند سود و زیاں لا ابالی مشغلے ہیں عاشقِ آزاد کے
رفتہ رفتہ مٹ رہی ہے عمر بیداد میں رنگ ہیں بوئے وفا میں نکہتِ برباد کے

مرحبا حسرتؔ بنایا خوب اندازِ نسیم
لطف ہر ہر شعر میں ہیں بندشِ استاد کے

مے نوشیوں میں بے خبرِ دو جہاں رہے ہم خوش رہے کہ بندۂ پیرِ مغاں رہے
اس بے وفا کے ترکِ وفا کے گمان سے محروم ہم کو مائلِ ضبطِ فغاں رہے
اے وائے آرزوئے عنادل کی سادگی ممکن نہیں کہ جلوۂ گل جاوداں رہے
یارب ہمارے بعد بھی بزمِ شراب میں ساقی کے دم سے دورِ مئے ارغواں رہے
یہ مقتضائے رابطۂ حسن و عشق تھا ہم بدگماں ادھر، وہ ادھر بدگماں رہے
ہنگامۂ بہار کا دیکھا کبھی نہ رنگ ہم نے کہ مبتلائے بلائے خزاں رہے
رنجِ شبِ فراق کی مٹ جائیں سختیاں تو ہی اگر خیال ترا مہرباں رہے
محرومیِ وفا سے نہ آیا یقینِ لطف وہ مہرباں ہوئے بھی تو ہم بدگماں رہے
ان سے شبِ وصال بھی کھل کر نہ ہم ملے تا صبح شکوہ ہائے جفا درمیاں رہے
دلچسپ کس قدر تھا مرا قصۂ وفا جب تک ہوا بیان وہ محوِ بیاں رہے
رہنا تھا ان کا ہو کے رہے جو عزیزِ خلق ہم کیا رہے کہ طبعِ جہاں پر گراں رہے

خاموشیوں پہ میری کہ حیرت نصیب تھیں　　اس پہ جفا کو صبر و سکوں کے گماں رہے

حسرت روا زدی میں بھی اتنا رہے خیال
اشعار میں نسیم کا رنگِ بیاں رہے

اس نازنیں سے ہم کو جتنے گزند پہنچے　　سب دل پذیر پہنچے سب دلپسند پہنچے
عالم ہی اب نہیں وہ تفریح بے خلل کا　　محفل میں تیری ناحق ہم دردمند پہنچے
85 دل پر گزر گئی کچھ لب تک جبھی تو آخر　　آہیں بھی چند پہنچے، نالے بھی چند پہنچے
بیتابیوں نے آخر دعوئے صبر توڑا　　پہنچے لبوں پہ نالے گو بند بند پہنچے
کس کو نہیں تمنا اس بزم جانفزا کی　　نزدیک ہے کہ دل بھی ہو کر چند پہنچے

باوصف نارسائی نا ملک یاس حسرت
نالے ہمارے پہنچے اڑ کر بلند پہنچے

یاد ہیں سارے وہ عیشِ فراغت کے مزے　　دل ابھی بھولا نہیں آغازِ الفت کے مزے
وہ سراپا ناز تھا بیگانۂ رسمِ جفا　　اور مجھے حاصل تھے لطفِ بے نہایت کے مزے
86 حسن سے اپنے وہ غافل تھا میں اپنے عشق سے　　اب کہاں سے لاؤں وہ ناواقفیت کے مزے
میری جانب سے نگاہِ شوق کی گستاخیاں　　یار کی جانب سے آغازِ شرارت کے مزے
یاد ہیں وہ حسن و الفت کی نرالی شوخیاں　　التماسِ عذر و تمہیدِ شکایت کے مزے
صحبتیں لاکھوں مری بیماریٔ غم پر نثار　　جس میں اٹھے بارہا ان کی عیادت کے مزے

میں ہوں مجبور دل ہے سودائی　　رخصت اے صبر اے شکیبائی
87 حسن کو ہے سر خود آرائی　　مژدہ اے آرزوئے شیدائی
نظر افروز اہل بینش ہے　　تیری پنہانیوں میں پیدائی

تحقق ہے جلوۂ رخ یار / متحیر ہے شخص بینائی
ہے وہ رنگیں ادا بشانِ وفا / جانِ محبوبی و دلآرائی
مذہبِ عاشقی میں ہے اے عقل / بےخودی انتہائے دانائی
اثرِ حسنِ یار سے آخر / آگئی عشق میں بھی رعنائی
عشقِ کامل کے دونوں ہیں رخِ خوب / سحرِ وصل و شامِ تنہائی
بندۂ بندگانِ حضرتِ عشق
حسرتؔ سرفرازِ رسوائی

خیالِ یار میں بھی رنگ و بوئے یار پیدا ہے / یہ رنگیں ماجرائے عشقِ شیریں کار پیدا ہے
ترے روئے دلآرا کے تصور کا یہ عالم تھا / کہ چشمِ شوق میں اک حسن کا گلزار پیدا ہے
مرے اصرارِ مضطر میں نہاں تھی مری مایوسی / ترے اقرارِ آساں سے ترا انکار پیدا ہے
طریقِ عشقِ جاناں ہے جدا گبر و مسلماں کا / ہمیں سے اختلافِ سبحہ و زنار پیدا ہے
نگاہِ آرزو گل چینِ باغِ کامرانی ہے / بشانِ خواب شکلِ طالعِ بیدار پیدا ہے
وفا میری بہ شکلِ بےزبانی آشکارا تھی / ستم تیرا بہ رنگِ پرسشِ اغیار پیدا ہے
نسیمِ دہلوی کی پیروی آساں نہیں حسرتؔ
تجھی سے ہے کہ یہ رنگینیِ گفتار پیدا ہے

رسمِ جفا کامیاب دیکھئے کب تک رہے / حُبِ وطن مستِ خواب دیکھئے کب تک رہے
دل پہ رہا مدتوں غلبۂ یاس و ہراس / قبضۂ حزم و حجاب دیکھئے کب تک رہے
تا بہ کجا ہوں دراز سلسلہ ہائے فریب (ق) / ضبط کی لوگوں میں تاب دیکھئے کب تک رہے
پردۂ اصلاح میں کوششِ تخریب کا / خلقِ خدا پر عذاب دیکھئے کب تک رہے

نام سے قانون کے ہوتے ہیں کیا کیا ستم — جبر بزیرِ نقاب دیکھیے کب تک رہے

دولتِ ہندوستان قبضۂ اغیار میں — بے عدد بے حساب دیکھیے کب تک رہے

ہے تو کچھ اکھڑا ہوا بزمِ حریفاں کا رنگ — اب یہ شراب و کباب دیکھیے کب تک رہے

حسرتِ آزاد پر جورِ غلامانِ وقت

ازرہِ بغض و عتاب دیکھیے کب تک رہے

اے گریۂ محرومی تو جانِ محبت ہے — تو جانِ محبت ہے ایمانِ محبت ہے

ہر چند کہ بیتابی ہے لازمۂ محنت — ہم چپ ہیں کہ ایسا ہی فرمانِ محبت ہے

ہوں دولت و حشمت پر ارباب ہوس نازاں — یاں بے سروسامانی سامانِ محبت ہے

مجبوری و حیرانی آغاز کی تھیں باتیں — بے خویشی و بے جانی پایانِ محبت ہے

درخورِ شکایت تھی بیداد تری لیکن — منظوری و خاموشی شایانِ محبت ہے

بیگانۂ آرائش مستغنیٔ آسائش

اے بے خبری حسرت حیرانِ محبت ہے

کثرتِ مے التفات آموزِ مے نوشی نہ تھی — ورنہ خمخانے میں ساقی مجھ کو بیہوشی نہ تھی

رحم بیترا تھا ہر صورت سزاوارِ ثنا — مدح میری بر بنائے مصلحت کوشی نہ تھی

کیا ہوئے وہ دن کہ اربابِ نظر کی آنکھ کو — اس سراپا ناز کو پروائے روپوشی نہ تھی

تھا حجاب ان کا مری حیرت سے سرگرمِ کلام — تھی بظاہر خاموشی در پردہ خاموشی نہ تھی

ظلم عصیاں سے مٹا حسرت نہ داغِ عشقِ یار

اور یہ کیا تھا اگر اس کی خطا پوشی نہ تھی

عرضِ کرم پہ ترکِ جفا بھی نہ کیجیے — ایسا نہ ہو کہ آپ ملا بھی نہ کیجیے

اس بے وفا سے مصلحتِ شوق ہے یہی
اپنی ستم کشی کا گلا بھی نہ کیجیے

پھر کہیے کس امید پہ ہم زندگی کریں
جب آپ التفات ذرا بھی نہ کیجیے

منظور ہے جو ترکِ محبت ہی آپ کو
ہم پر ہجومِ ناز و ادا بھی نہ کیجیے

حسرت یہ کیا ستم ہے کہ اک بت کے عشق میں
تو چاہتا ہے یادِ خدا بھی نہ کیجیے

برق کو ابر کے دامن میں چھپا دیکھا ہے
ہم نے اس شوخ کو مجبورِ حیا دیکھا ہے

یاد بھی دل کو نہیں صبر و سکوں کی صورت
جب سے اس ساعدِ سیمیں کو کھلا دیکھا ہے

پھر اسی لطفِ ستم کوش کا مشتاق ہے دل
ہم نے جس لطف کو ہم رنگِ جفا دیکھا ہے

تجھ میں کچھ بات ہے ایسی جو کسی میں نہ ملی
یوں تو اوروں سے بھی دل ہم نے لگا دیکھا ہے

دلِ بیتاب جو قابو میں نہیں ہے حسرت
نگہِ شوق نے کیا جانئے دیکھا ہے

محبوبی و رنگینی ہیں جزوِ بدن تیری
سرشارِ محبت ہے خوشبوئے دہن تیری

مجبورِ وفا کر کے مجروحِ کرم کرنا
بھولیں گی نہ یہ باتیں اے عہد شکن تیری

باطن میں وہ بے مہری ظاہر میں یہ دلجوئی
ہم خوب سمجھتے ہیں ترکیبِ سخن تیری

غارت گرِ تمکیں ہے آشوبِ دل و دیں ہے
یہ طرزِ نکوتر ایجادِ صنعِ حسن تیری

جو ہم سے چھپائی تھیں ہم کو نہ بتائی تھیں
روشن ہیں وہ سب ہم پہ باتیں [illegible] تیری

اب رونے سے کیا ہوگا پروانہ تھے بے پروا
برباد ہے سب محنت اے شمع لگن تیری

اس شاہدِ رعنا کے اکرام اہانت سے
تقدیر چمک اٹھی اے ملکِ دکن تیری

تنہائی غربت سے مغموم نہ ہو حسرت
کب تک نہ خبر لیں گے یارانِ وطن تیری

ظاہر ملالِ رشک و رقابت نہ کیجیے
بہتر یہی ہے ان سے شکایت نہ کیجیے
یا جوششِ اضطراب کو ملزم نہ جانیے
یا دل کو آشنائے محبت نہ کیجیے
ملنے نہ پائیں رنجشِ باہم کی لذتیں
رفعِ ملال و دفعِ کدورت نہ کیجیے
حائل سب وصال ہے کیوں پردۂ حجاب
اب اس کو درمیاں سے رخصت نہ کیجیے 95
فوزِ عظیم عشق و جنوں کو سراہیے
پروائے اہلِ پند و ملامت نہ کیجیے
واقف ہیں خوب آپ کی طرزِ جفا سے ہم
اظہارِ التفات کی زحمت نہ کیجیے
آئینِ دلنوازی و احسان کو دیکھیے
ہم بے دلوں پہ جور کی شدت نہ کیجیے
میں ہوں گناہگار تو دیجیے سزا مگر
اس درجہ میرے حال سے غفلت نہ کیجیے
مجبوریوں کو صبر سے مانا نہ جانیے
اندازۂ سکونِ طبیعت نہ کیجیے
عذرِ ستم ضرور نہ تھا آپ کے لیے
حسرت کو شرمسارِ ندامت نہ کیجیے

ستم ہو جائے تمہیدِ کرم ایسا بھی ہوتا ہے
محبت میں بتائے ضبطِ غم ایسا بھی ہوتا ہے
بھلا دیتی ہیں سب رنج و الم حیرانیاں میری
تری تمکینِ بیحد کی قسم ایسا بھی ہوتا ہے 96
جفائے یار کے شکوے نہ کر اے رنجِ ناکامی
امید و یاس دونوں ہوں بہم ایسا بھی ہوتا ہے
مرے پاسِ وفا کی بدگمانی ہے بجا تم سے
کہیں بے وجہ اظہارِ کرم ایسا بھی ہوتا ہے
تری دلداریوں سے صورتِ بیگانگی نکلی
خوشی ایسی بھی ہوتی ہے الم ایسا بھی ہوتا ہے
وفا صبر کھویا گریہ ہائے بے قراری نے
کہیں لے اعتبارِ چشمِ نم ایسا بھی ہوتا ہے

بدعوائے وفا کیوں شکوہ سنجِ جور ہے حسرت
دیارِ شوق میں اے محوِ غم ایسا بھی ہوتا ہے

کون اس نگہ ناز کے قابو میں نہیں ہے
پھر دل کی خطا کیا ہے جو پہلو میں نہیں ہے

دلہائے پریشاں کی ہے رونق ترے غم سے
اس نور کی جا خاطرِ یک سو میں نہیں ہے

تاثیر ہے اس جلوۂ یکتا کی نمایاں
رنگینیٔ خونناب یہ آنسو میں نہیں ہے

حیف اس قدمِ شوق کی بے راہ روی پر
جو اس گلِ رعنا کی تگاپو میں نہیں ہے

دیکھا تھا اسے کس نگہ ہوش ربا نے
اب تک دلِ بیتاب جو قابو میں نہیں ہے

رعنائی و زیبائی و محبوبی و خوبی
کیا بات ہے جو اسقدر دلجو میں نہیں ہے

آجائے جو اندازۂ ارباب نظر میں
ایسی تو ضیا اس رخِ نیکو میں نہیں ہے

ہے کون سی ایسی وہ ادا دل شکری کی
پنہاں جو ترے گوشۂ ابرو میں نہیں ہے

پھر اور کہاں ہے دلِ گم گشتۂ حسرت
آخر جو ترے طرۂ گیسو میں نہیں ہے

بند ایسی شورشِ غم کس دلِ مضطر میں ہے
جس سے چپقلش ہر زمیں کو آسماں چکر میں ہے

اسقدر تاکید کیوں ترکِ مے و ساغر میں ہے
محتسب خود دیکھ تو فکرِ جنت و کوثر میں ہے

جلوہ فرما ہے جو وہ حسنِ خود آرا بے نقاب
اک قیامت اور برپا عرصۂ محشر میں ہے

منعموں کی ہم غریبوں پر نظر پڑتی ہے یوں
گویا سر رشتۂ تقدیر دستِ زر میں ہے

خاطرِ مایوس میں پوشیدہ ہے سب رازِ عشق
کچھ سرِ پر شور میں کچھ اور چشمِ تر میں ہے

میرے غمخانے میں تاریکی ہے رنگِ یاس کی
جو نمایاں ہر طرف دیوار میں ہے در میں ہے

عارفوں کی روح بھی جس کے لیے ہے بے قرار
ایسی کیا شے ہے وہ ساقی جو ترے ساغر میں ہے

دام اس میں ہے بے خطا اسمیں قفس سے بے قصور | شوقِ پابندی نہاں خود دمگیر بال و پر میں ہے
خوب ہے یہ پرسشِ پنہاں یہ لطفِ گاہ گاہ | بات جو کمتر سے پیدا ہے وہ کب اکثر میں ہے
اہتزازِ روحِ بلبل ہے بفصلِ نو بہار | جو عیاں ہر سمت شکلِ جنبشِ صرصر میں ہے
دل میں دیکھو میرے تفسیرِ کتابِ حسن و عشق | بند اک نکتے میں ہے جو کچھ اس دفتر میں ہے
بزمِ دشمن میں ہمارا بیٹھنا ہے ناگوار | ہم پہ سب روشن ہے جو کچھ آپ کے تیور میں ہے
تجھ کو ناصح کیا خبر شورِ جنوں کیا چیز ہے | دل میں بھی تیرے نہیں ہے وہ جو میرے سر میں ہے 99
کس قدر بے باک ہے در پردہ کیسی بے حجاب | وہ نظر پنہاں جو اس چشمِ حیا پرور میں ہے
ڈھونڈھتا کیا ہے دیارِ حسن میں اے شخصِ عشق | بے خبر جنسِ وفا ناپید اس کشور میں ہے

مرحبا حسرت بنائی خوب تصویرِ سخن
رنگ مومن خوشنما کس درجہ اس پیکر میں ہے

قبضۂ یثرب کا سودا دشمنوں کے سر میں ہے | اب تو انصاف اس ستم کا دستِ پیغمبر میں ہے
جورِ یورپ ہے بنا بیداریٔ اسلام کی | خیر ہے دراصل یہ باآنکہ شکلِ شر میں ہے
خاطرِ افسردہ میں باقی ہے اب تک یادِ عشق | گرمیٔ آتش ہنوز اس مشتِ خاکستر میں ہے 100
قلتِ افواجِ ترکی پر نہ ہو اٹلی دلیر | ایک ہے سو کے لئے کافی جو اس لشکر میں ہے

اب خدا ہے تو حسرت جلد ہوتا ہے بلند
رایتِ حریت و حق جو کفِ انور میں ہے

دل کی جو ترکِ عشق سے حالت بدل گئی | وہ بے خودی و فرخی بے خلل گئی 101
تجھ کو فلک نے مجھ سے چھڑایا تو کیا ہوا | کیا تیری یاد بھی مرے دل سے نکل گئی
آہ اس سے نارسا ہی جو رہتی تو خوب تھا | کیوں اس حریمِ عیش میں یوں بے محل گئی

سودا ہی وہ نہیں ہے جو سر سے چلا گیا
حسرت ہی وہ نہیں ہے جو دل سے نکل گئی

اب دل ہے اور فراغِ محبت کی راحتیں
تشویشِ زندگانی و فکرِ اجل گئی

آہ اس نگاہِ مست کی شوخی جو بے خبر
خوبی پہ پردے یار کے پہلے پہل گئی

رنگینیوں کی جان ہے وہ پائے نازنین
میری نگاہِ شوق جہاں سر کے بل گئی

اچھا ہے گوشہ گیرِ قناعت ہوئے جو ہم
تکلیفِ ہمنشینیِ اہل و دول گئی!

حسرت یہ دورِ جہل ہے دولت کو ہے فروغ
اب ہم سے قدر دانیِ علم و عمل گئی

دلِ مایوس کو سرچشمۂ صدق و صفا کر دے
گدازِ غم اگر چاہے تو مجھ کو باخدا کر دے

عطا ہو اس وفا دشمن کو توفیقِ کرم یارب
نہیں تو پھر مجھی کو بے نیازِ مدعا کر دے

تقاضا کر رہا ہے اب یہ حسنِ تازہ کار ان کا
کہ جس نے دل دیا تھا جان بھی ہم پر فدا کر دے

اثر ایسا کہاں سے لاؤں یارب نالۂ دل میں
جو اس بے مہر کو بھی رازِ غم سے آشنا کر دے

گراں گزرے گا حرفِ آرزو اس طبعِ نازک پر
نگاہِ شوق اس مفہومِ رنگیں کو ادا کر دے

ہوا جاتا ہے نورِ عشق پر دورِ ہوس غالب
الٰہی اصلِ حق سے لوثِ باطل کو جدا کر دے

غرورِ حسن کی تاثیر سے ڈر ہے مجھے حسرت
کہیں ایسا نہ ہو یہ عشق کو بھی خود نما کر دے

مر کے ہم خاکِ راہِ یار ہوئے
سرمۂ چشمِ اعتبار ہوئے

فکرِ کونین سے نجات ملی
قیدیٔ عشق رستگار ہوئے

ضبطِ غم تک ہے زندگی اپنی
مر مٹیں گے جو بے قرار ہوئے

اب نہ وہ شوق ہے نہ جوش و خروش
سب تری یاد پر نثار ہوئے

میری محرومیوں کی حد نہ رہی — تیرے احسان بے شمار ہوئے
نہ ہوا کوئی سرفراز کمال — جب ہوئے تیرے خاکسار ہوئے
کیوں ہے بیکار جستجو حسرتؔ — وہ نہ ہوں گے نہ وہ دوچار ہوئے

تسکین ہو سکی نہ دل ناشکیب کی — سب ہم پہ کھل گئیں تری باتیں فریب کی
ہر وضع دل پسند ہے ہر رنگ دل پذیر — کیا بات ہے کسی کے تن جامہ زیب کی
حسنِ ذقن ہے روکشِ نورِ جبینِ یار — ہے طرفہ ماجرا یہ بلندی نشیب کی
دل ہے ہلاک اس سخنِ جاں نواز کا — جاں مبتلا ہے اس نگہِ دل فریب کی

یہ آج ہم سے جو چاہت جتائی جاتی ہے — عدو سے ملنے کی حجت مٹائی جاتی ہے
غضب ہیں آپ سے سرگوشیاں ندیموں کی — وہ بات کیا ہے جو ہم سے چھپائی جاتی ہے
وفورِ حسن سے ٹھہری بھی ہو جب اُن پہ نظر — یہ مجھ پہ مفت میں تہمت لگائی جاتی ہے
جنونِ عشق کا اظہار ہو ہی جاتا ہے — اڑی تو پھر یہ خبر کب دبائی جاتی ہے
پڑی تھی بزمِ رقیباں میں ایسی کیا افتاد — کہ بات بھی نہیں تم سے بنائی جاتی ہے
بسی ہوئی ہے جن آنکھوں میں شوخیِ بیداد — ادائے شرم انہیں کیوں سکھائی جاتی ہے
نہ تجھ کو اس کی خبر ہے نہ خود انہیں ہے خیال — کچھ اس طرح سے محبت بڑھائی جاتی ہے
سفارش ان سے کرے کون جانِ پُر غم کی — کہ یہ غریب ہے ناحق ستائی جاتی ہے

دوچار ہو نظرِ شوق اس سے کیا حسرتؔ
نگاہِ یار تو دل میں سمائی جاتی ہے

نظرِ یار سکوں بخش تمنا ہوئی — التماسِ نگہِ شوق پذیرا نہ ہوئی
حسن ہو جس میں وہ ہر شے جلوہ گر اپنے دل میں ہے — جذبۂ صورت پرستی مہرِ آب و گل میں ہے

بیخودی سے بڑھ کے آگے ہے فنا کا مرتبہ — رہرو راہِ محبت آخری منزل میں ہے
مائل عشق مجازی کیوں نہ ہوں اہل نظر — جلوۂ حق آشکارا صورت باطل میں ہے

دل میں کیا کیا ہوس دید بڑھائی نہ گئی — روبرو ان کے مگر آنکھ اٹھائی نہ گئی
ہم رضا شیوہ ہیں تا دیل ستم خود کر لیں — کیا ہوا ان سے اگر بات بنائی نہ گئی
یہ بھی آداب محبت نے گوارا نہ کیا — ان کی تصویر بھی آنکھوں سے لگائی نہ گئی 106
آہ وہ آنکھ جو ہر سمت رہی صاعقہ پاش — وہ جو مجھ سے کسی عنوان ملائی نہ گئی
ہم سے پوچھا نہ گیا نام و نشاں بھی انکا — جستجو کی کوئی تمہید اٹھائی نہ گئی
دل کو تھا حوصلۂ عرضِ تمنا سو انہیں — سرگزشتِ شبِ ہجراں بھی سنائی نہ گئی

غم دوری نے کشاکش تو بہت کی لیکن
یاد ان کی دلِ حسرت سے بھلائی نہ گئی

جو وہ نظر بسرِ لطف عام ہو جائے — عجب نہیں کہ ہمارا بھی کام ہو جائے
شرابِ شوق کی قیمت ہے نقدِ جاں عزیز — اگر یہ باعثِ کیفِ دوام ہو جائے
رہیں نہ پاس رہیں اہل آرزو کب تک — کبھی تو آپ کا دربار عام ہو جائے 107
جو اور کچھ ہو تری دید کے سوا منظور — تو مجھ پہ خواہشِ جنت حرام ہو جائے
وہ دور ہی سے ہمیں دیکھ لیں یہی ہے بہت — مگر قبول ہمارا سلام ہو جائے
اگر وہ حسن دلآرا کبھی ہو جلوہ فروش — فروغِ نور میں گم طرف بام ہو جائے
سنا ہے بر سرِ بخشش ہے آج پیر مغاں — ہمیں بھی کاش عطا کوئی جام ہو جائے
ترے کرم پہ ہے موقوف کامرانیِ شوق — یہ ناتمام الٰہی تمام ہو جائے
ستم کے بعد کرم ہے جفا کے بعد عطا — ہمیں ہے بس جو یہی التزام ہو جائے

عطا ہو سوز وہ یارب جنونِ حسرت کو
کہ جس سے پختہ یہ سودائے خام ہو جائے

دل آرزوِ شوق کا اظہار نہ کر دے
ڈرتا ہے مگر یہ کہ وہ انکار نہ کر دے

ہشیار کہ اس پرسشِ پیہم کی نوازش
عشاقِ ستم کش کو ہوس کار نہ کر دے

راضی بہ رضا ہم ہیں بہر حال مگر ہاں
ڈر ہے کہ یہ خو تم کو ستم گار نہ کر دے

فرقت میں ہو کیا حال اگر گریۂ مضطر
جان و دل حیراں کو سبک بار نہ کر دے

ہم جور پرستوں پہ گماں ترکِ وفا کا
یہ وہم کہیں تجھ کو گنہگار نہ کر دے

سامانِ فراغت جو ترے پاس ہے اے دل
اک بار اسے نذرِ غمِ یار نہ کر دے

آگاہ نہیں ہیں جو ابھی ذوقِ ستم سے
بیتابیٔ دل ان کو خبردار نہ کر دے

ہوتا ہے برا لذتِ آزار کا لپکا
مرنا بھی کہیں مجھ کو یہ دشوار نہ کر دے

کچھ حد بھی ہے اس شورشِ خاموش کی حسرت
یہ کشمکشِ غم تجھے بے کار نہ کر دے

دیوانِ حسرتؔ

موہانی

حصۂ دوم

جس میں

مصنف کی وہ کل غزلیں درج ہیں جو تذکرۃ الشعرا

علی گڑھ، نیز اردو زبان کے اکثر اخباروں اور رسالوں

میں چھپ کر مشہور ہو چکی ہیں۔

از ۱۹۱۳ء تا ۱۹۱۶ء

مرتبہ:۔ مرحومہ بیگم حسرت موہانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵

شرف حاصل ہو اس جانِ جہاں سے مجھکو نسبت کا
غلامی کا سہی گر ہو وہ سکتا ہو محبت کا

گروہِ عاشقاں میں جوش ہے شوقِ زیارت کا
ترے کوچے میں اک ہنگامہ برپا ہے محبت کا

گنہگارانِ امت سے ہے راضی داورِ محشر
کہ ان سے نام چمکے گا ترے حسنِ شفاعت کا

جبین و چشم و لب میں تیرے اک گنجینہ پنہاں ہے
صباحت کا ملاحت کا لطافت کا نظافت کا

دیارِ عاشقی میں گرم ہے بازارِ رسوائی
جدھر دیکھو ادھر اک ڈھیر ہے جنسِ ملامت کا

قیامت اک نہاں ہے تیری آنکھوں میں شرارت کی
عبث دعویٰ ہے تیرے حسنِ خود بیں کو متانت کا

گنہگاروں کا بیڑا پار ہو جائیگا محشر میں!
جو آیا جوش غفاری میں دریا انکی رحمت کا

وہ چشمِ سرمہ سا اک کمان ہے گویا ملامت کی
وہ روئے روشن اک گلزار ہے گویا صباحت کا

غضب تھی عشق کے جذبات گوناگوں کی رنگینی
دلِ حسرت بھی اک نیرنگ ہے رازِ محبت کا

رسالہ ترجمان لاہور — جون ۱۹۱۶ء

جفائے یار پر چھایا ہے اک عالم ندامت کا
یہی تھا مدعا میری تمنائے شہادت کا

وہ میرے قتل ہی کو آئیں لیکن سامنے آئیں
نتیجہ کچھ تو نکلے جذب و تاثیرِ محبت کا

میرے ہر فعلِ مضطر سے ہے اک شانِ جنوں پیدا
نمایاں ہے مری ہر بات میں اک رنگ وحشت کا

یہاں تو اک نئی آباد ہے دنیا محبت کی
کوئی اندازہ کیا کرتا دلِ عاشق وسعت کا

ہے لفظ عشق میں اک داستان رنج و غم پنہاں
مگر قصہ ابھی محتاج ہے شرح و صراحت کا

ترے عشاق نے ناکام ہو کر کام جاں پایا
ذریعہ بن گئی مایوسی بے حد فراغت کا

وہ کہتے ہیں کہ یہ بیمار غم ہے بچ نہیں سکتا
کیا ہے خوب اندازہ انہوں نے میری حالت کا

میں خود مجبور ہوں اس دل کے ہاتھوں کیا کروں حسرتؔ
نشانہ سب مجھے ناحق بناتے ہیں ملامت کا

"زمانہ کانپور" ستمبر ۱۹۱۶ء

جہاں دیکھو وہاں اک فتنہ برپا ہے محبت کا
تمہارا حسن ہے یا کوئی پرکالہ ہے آفت کا

مقابل ہوں کشاکش ہائے شوقِ بے نہایت کا
وہی میں بیٹھنے والا جو تھا کنج سلامت کا

وہ آئے بر سرِ بالیں تو مجھ کو بھی یقیں آیا
نہ تھا قائل میں اب تک جذبِ الفت کی کرامت کا

تمہارے جلوۂ بے پردہ کو بھی اک دن سنانا ہو
فسانہ رشتۂ حسن و محبت کی نزاکت کا

دیارِ عشق کی جانب چلے ہم بے خبر ہو کر
خیال آیا مصیبت کا نہ آفت کا نہ زحمت کا

گذر جائے نہ اے دل وصل کی شب یونہی باتوں میں
نکالا ہے یہ کیا دفتر حکایت کا شکایت کا

نظر کی طرح حسرتؔ مجھ کو بھی اک آہ کافی ہے
خلاصہ کس قدر میں نے کیا ہے رنج فرقت کا

ا منشی نوبت رائے صاحب لکھنوی
اخبار صداقت کلکتہ اکتوبر ۱۹۱۶ء

تجھ پہ گرویدہ اک زمانہ رہا
کچھ فقط میں ہی مبتلا نہ رہا

جب سے تو مدعائے شوق رہا
پھر کوئی اور مدعا نہ رہا

آپ کو اب ہوئی ہے قدرِ وفا
جب کہ میں لائق جفا نہ رہا

جلد سن لی مرے خدا نے مری
صبر کو شکوۂ دعا نہ رہا

راہ و رسم وفا وہ بھول گئے
اب ہمیں بھی کوئی گلا نہ رہا

حسن خود ہو گیا غریب نواز
عشق محتاج التجا نہ رہا

بسکہ نظارہ سوز تھا وہ جمال — ہوشِ نظارگی بجا نہ رہا
میں کبھی تجھ سے بد گماں نہ ہوا — تو کبھی مجھ سے آشنا نہ رہا
آپ کا شوق بھی تو اب دل میں — آپ کی یاد کے سوا نہ رہا
میرے پہلو میں دل رہا جبتک — نظرِ یار کا نشانہ رہا
اور بھی ہو گئے وہ غافل خواب — نالۂ صبح نارسا نہ رہا
حسن کا ناز عاشقی کا نیاز — اب تو کچھ بھی وہ ماجرا نہ رہا
عشق جب شکوہ سنج حسن ہوا — التجا ہو گئی گلا نہ رہا
ہم بھروسے پہ ان کے بیٹھے رہے — جب کسی کا بھی آسرا نہ رہا
میرے غم کی ہوئی انہیں بھی خبر — اب تو یہ درد لادوا نہ رہا
آرزو تیری برقرار رہے — دل کا کیا ہے رہا رہا نہ رہا
ہو گئے ختم مجھ پہ جورِ فلک — اب کوئی موردِ بلا نہ رہا
جب سے دیکھی ابوالکلام[1] کی نثر
نظمِ حسرت میں بھی مزا نہ رہا

[1] مولانا ابوالکلام آزاد رسالۂ نظارہ، میرٹھ

نہ کچھ فکرِ جناں رکھی نہ کچھ خوفِ سقر رکھا — خیالِ یار نے دل کو یہاں تک بے خبر رکھا
بجاں منظور ہے جو کچھ سزا ہو جرمِ الفت کی — کہ ہم نے فیصلہ اس بات کا بھی آپ پر رکھا
نکرنا تھا ہمیں دعوائے تمکیں پر کیا، دل پر — نہ رکھنا تھا انہیں الزام بے تابی مگر رکھا
قناعت کی بدولت غایتِ بے احتیاجی نے — فقیری میں بھی ہم کو بے نیازِ اہلِ زر رکھا
دو بالا شان ہے خلقِ حسن سے حسنِ صورت کی — اسی نے تو انہیں منظورِ اربابِ نظر رکھا
ملا ساقی جمعہ دیا دل بلا نوشوں کی بن آئی — اٹھایا شام سے ساغر تو ہنگامِ سحر رکھا

چلے ہیں ان کی جانب ہو کے بیخود کیا خبر ہم کو — کہ ہم نے پاؤں مستی میں کہاں ڈالا کدھر رکھا

وہ تم ہو یا تمہارا درد ہو کوئی ہو، دنیا میں — کیا جس سے تعلق ہم نے پیدا عمر بھر رکھا

غرض یہ تھی نہ ہو اہلِ ہوس کو میلِ غم حسرتؔ

رسالہ خطیب دہلی — سنہ ۱۹۱۶ء

نہالِ عشق کو ظاہر ہیں حق نے بے ثمر رکھا

اب دل ہے نہ وہ عیشِ فراوانِ تمنا — سب لوٹ لیا یاس نے سامانِ تمنا

اب تک وہی رونق ہے سیہ خانۂ دل کی — باقی ہے جو اک شمعِ فروزانِ تمنا

راضی ہیں بنے یا نہ بنے کام ہمارا — ہم لوگ ہیں سرگشتہ و حیرانِ تمنا

اس چشمِ فسوں کار کی دزدیدہ نگاہی — ہے مایۂ صد نازشِ پنہانِ تمنا

رسوائی انکار سے بے دل نہیں ہوتے — ہم ہیں وہ جہاں دیدہ گدایانِ تمنا

اب عشق کا درکار ہے اک عالمِ حیرت — کافی نہ ہوئی وسعتِ میدانِ تمنا

آغاز کی روداد تو معلوم ہے حسرتؔ

رسالہ خطیب دہلی — سنہ ۱۹۱۶ء

لیکن نظر آتا نہیں پایانِ تمنا

تر گریۂ حسرت سے ہے دامانِ تمنا — مجھ سا بھی نہ ہو کوئی پشیمانِ تمنا

ناکامیٔ پیہم سے جو ٹوٹا دلِ عاشق — سب چھوٹ گئے قیدیِ زندانِ تمنا

پھر تازہ ہوا جوشِ جنوں فصلِ گل آئی — پھر شوق ہوا سلسلہ جنبانِ تمنا

پھر سر ہے مرا اور وہی سودائے محبت — پھر دل ہے مرا اور وہی طوفانِ تمنا

بیت الغزل حسن کچھ ایسے ہیں وہ ابرو — ہے جن کی ہوس حاصلِ دیوانِ تمنا

گلگوں ہوئیں اشکِ ندامت سے وہ آنکھیں — بے صرفہ ہوا خونِ شہیدانِ تمنا

ایضاً | امید ہی امید میں رہ جائے نہ حسرت | ایضاً
یوں ہی نہ گزر جائے یہ دورانِ تمنا

اس حد سے بڑھے کب ہے یہ امکانِ تمنا
دیدارِ رخِ یار ہے پایانِ تمنا

عالی ہے بہت مرتبہ عشقِ حقیقی
مایوس نہ ہو حوصلہ مندانِ تمنا

ہر روز ترا ذکر ہے ہر شب ہے تری یاد
یہ جانِ تمنا ہے وہ جانانِ تمنا

واقف نہیں دشواریٔ تعلیم فنا سے
دل ہے ابھی اک طفلِ دبستانِ تمنا

ہمکو جو وہ بھولے ہیں تو ہم کیوں انہیں بھولیں
زنہار یہ نخوت نہیں شایانِ تمنا

محرومیِ جاوید کی تعزیر بجا ہے
کیوں توڑ دیا شوق نے پیمانِ تمنا

اس روئے نکو میں بھی وہی نور ہے حسرت
جس نور سے روشن ہے شبستانِ تمنا

رسالہ نقاد آگرہ | دسمبر ۱۵ء

جذب کامل کو اثر اپنا دکھا دینا تھا
میرے پہلو میں انہیں لا کے بٹھا دینا تھا

کچھ تو دینا تھا ہمیں تیرے تغافل کا جواب
یا خدا ان کے تجھے دل سے بھلا دینا تھا

تم جو افسردہ ہوئے سن کے مرا حال سوگ کیے
سرسری طور پہ باتوں میں اڑا دینا تھا

طائرِ جاں کے سوا کس کو بناتے قاصد
اس ستمگار کو پیغام قضا دینا تھا

جنبشِ بازوئے نازک کی ضرورت کیا تھی
مجھ کو اک جنبشِ ابرو سے مٹا دینا تھا

دردِ محتاجِ دوا ہو یہ ستم ہے یارب
جب دیا تھا تو کچھ اس سے بھی سوا دینا تھا

وہ جو بگڑے تو خفا تم بھی ہوئے کیوں حسرت
پائے نخوت پہ سرِ شوق جھکا دینا تھا

قرب میں ہے نہ بعدِ یار میں تھا
جو مزا اس کے انتظار میں تھا

ناوکِ نازِ چشمِ یار میں تھا — زخم جس کا دلِ فگار میں تھا

فرد اپنے روزگار میں تھا — دخل جس کو مزاجِ یار میں تھا

مجھ پہ اب طعنِ اضطراب ہے کیوں — دل انہیں کے تو اختیار میں تھا

دلربائی کا اک نیا عالم — اس نگاہِ کرشمہ بار میں تھا

تھی اسی کی تو جانِ شوق اسیر — خم جو اس زلفِ تابدار میں تھا

نذرِ جاں بھی نہ تھی قبول جہاں — دلِ بیچارہ کس شمار میں تھا

آج آئی ہے مرحبا اے مرگ — کب سے میں تیرے انتظار میں تھا

ہاں اسی کا تو سحرِ حسن ہے نام — وہ جو چشمِ سیاہ یار میں تھا

درمیانِ ہجومِ حسرت و یاس — میں بھی اک گوشۂ مزار میں تھا

ہم بھی آخر ہلاکِ شوق ہوئے — یہی دستور اس دیار میں تھا

تھا وہی عشق میں بشکلِ نیاز — ناز جو حسنِ فتنہ کار میں تھا

اب نہ گل ہیں نہ عندلیب کا شور — وہ جو ہنگامۂ بہار میں تھا

مل گیا عاشقی کا وہ جوہر — جو مرے بختِ کامگار میں تھا

اب وہی میرے عشق میں ہے کمال — جو ترے حسنِ بے قرار میں تھا

لوثِ عصیاں سے پاک تھا وہ خیال — گرچہ قلبِ گناہگار میں تھا

سرمۂ طور میں کہاں وہ اثر — دشتِ یثرب کے جو غبار میں تھا

نشۂ عشق جس پہ دل کو ہے ناز — وہ بھی اس چشمِ پرخمار میں تھا

آج تک بے قرار ہے حسرت
کیا وہ افسوں نگاہِ یار میں تھا

مایوس نہ یوں ہوتے تو دور اگر ہوتا
ہم کچھ نہ تجھے کہتے مجبور اگر ہوتا

تھا شوقِ نظر کامل پھر بھی تو نہ چھپ سکتا
سو پردوں میں وہ جلوہ مستور اگر ہوتا

تاریک نہ یوں رہتی تقدیر سیہ مستی
شیشہ مئے گلگوں سے پر نور اگر ہوتا

جب میں نے وفا کی تھی وہ کیوں نہ وفا کرتے
ایسا ہی محبت کا دستور اگر ہوتا

پاس اور نہ تھا اپنے کچھ بڑھ کے دل و جاں سے
ہم وہ بھی فدا کرتے مقدور اگر ہوتا

ظاہر میں جفا کرتے باطن میں وفا ہوتی
سو ڈھب سے کرم ہوتا منظور اگر ہوتا

کچھ داد وفا حسرت ہم کو نہ ملی ۔ ملتی
دنیا میں یہ افسانہ مشہور اگر ہوتا

تجھ کو پاس وفا ذرا نہ ہوا
ہم سے پھر بھی ترا گلا نہ ہوا

ایسے بگڑے کہ پھر جفا بھی نہ کی
دشمنی کا حق بھی ادا نہ ہوا

جانِ عاشق نثارِ دوست ہوئی
شادیٔ مرگ کا بہانہ نہ ہوا

کٹ گئی احتیاطِ عشق میں عمر
ہم سے اظہارِ مدعا نہ ہوا

تیرے اس التفات کا ہوں غلام
جو ہوا بھی تو برملا نہ ہوا

حسن کی شان سادگی سے بڑھی
طرۂ زلف گرد تا نہ ہوا

کچھ عجب چیز ہے وہ چشمِ سیاہ
تیر جس کا کبھی خطا نہ ہوا

روبرو ان کے کچھ نہیں معلوم
کیا ہوا بیخودی میں کیا نہ ہوا

خم کے خم تیرے لے گئے ساقی
ہم کو اک جام بھی عطا نہ ہوا

حیف ہے اس کی بادشاہی پر
تیرے کوچے کو جو گدا نہ ہوا

مر مٹے ہم تو مٹ گئے سب رنج
یہ بھی اچھا ہوا برا نہ ہوا

ڈر گیا اس نگاہ برہم سے — دل کو یارائے التجا نہ ہوا
جب تلک میرے دل میں جان رہی — دردِ مایوس مرحبا نہ ہوا
مل گئی مجھ کو صبرِ عشق کی داد — وہ جو شرمندۂ جفا نہ ہوا

قانعِ رنجِ عشق تھا حسرتؔ
عیشِ دنیا سے آشنا نہ ہوا

پیروِ عشق رہنما نہ ہوا — زاہدِ خشک یا خدا نہ ہوا
کون لاتا ترے عتاب کی تاب — خیر گزری کہ سامنا نہ ہوا
عشق یا حسن کون ہے غالب — آج تک اس کا فیصلہ نہ ہوا
خلشِ خارِ عشق مٹ نہ سکی — چارۂ جانِ مبتلا نہ ہوا
حسنِ بے مہر نے کیا کچھ نہ کیا — مونسِ عشق بینوا نہ ہوا
تم جفاکار تھے کرم نہ کیا — میں وفادار تھا خفا نہ ہوا
بڑھ گیا اور بھی تغافلِ حسن — نالۂ عشق نارسا نہ ہوا
راحتِ جانِ عاشقاں نہ ہوئی — تجھ سے اتنا بھی اے قضا نہ ہوا
اس پہ آسائش بقا ہے حرام — جو تری راہ میں فنا نہ ہوا
لطفِ ساقی تھا بیدریغ مگر — مجھ بلانوش کا بھلا نہ ہوا
چھڑ گئی جب جمالِ یار کی بات — ختم تا دیر سلسلہ نہ ہوا
جسم سے روح ہو گئی آزاد — لفظ معنی سے گو جدا نہ ہوا

عشق حسرتؔ کے سب ہوئے قائل
ایک وہ دشمنِ وفا نہ ہوا

اخبار اقدام کلکتہ
ستمبر ۱۹۱۵ء

لائق حزب اولیاء نہ ہوا | وہ جو بے خوف ماسوا نہ ہوا

اس جفا کار سے خدا کی پناہ | جو ترا بندۂ وفا نہ ہوا

ہو گیا راہِ عشق میں جو شہید | وہ فنا ہو کے بھی فنا نہ ہوا

سخت ہے عشق میں مقام رضا | ہم سے بھی طے یہ مرحلہ نہ ہوا

عشق بازی وہ کیا کریگا جسے (ق) | جاں نثاری کا حوصلہ نہ ہوا

جاں نثاری یہی کیا ہے اسکی جسے | خندۂ زخم دل کشا نہ ہوا

لذتِ عشق کب ملی جب تک | سر تہ خنجر جفا نہ ہوا

قدر حسرت اس کو کیا معلوم | جو کبھی تیرا مبتلا نہ ہوا

سر ترا بار دوش ہے حسرت
راہِ حق میں اگر فدا نہ ہوا

یوں تو عاشق ترا زمانہ ہوا | مجھ سا جانباز دوسرا نہ ہوا

خود بخود بوئے یار پھیل گئی | کوئی منت کشِ صبا نہ ہوا

میں گرفتار الفتِ صیاد | دام سے چھوٹ کے بھی رہا نہ ہوا

ہجر میں جانِ مضطرب کو سکوں | آپ کی یاد کے سوا نہ ہوا

رہ گئی تیرے فقیر عشق کی شرم | میں جو محتاج اغنیا نہ ہوا

خبر اس بے خبر کی لا دیتی | تجھ سے اتنا بھی اے صبا نہ ہوا

ان سے عرض کرم تو کیا کرتے | ہم سے خود شکوۂ جفا نہ ہوا

ہو کے بے خود کلام حسرت سے
آج غالب غزل سرا نہ ہوا

رسالہ الناظر لکھنؤ — مئی سنہ ۱۶ء

شک انہیں مجھ پہ کاردانی کا — کچھ ٹھکانا ہے بدگمانی کا

اک مرقع ہے حسنِ شوخ ترا — کشمکش ہائے نوجوانی کا

تم جو کرتے تو ہم کو تھا کافی — اک اشارہ بھی مہربانی کا

میں وہ محرومِ عشق ہوں جو رہے — منتظر مرگِ ناگہانی کا

بے نیازی سے تیری مل نہ سکا — کچھ صلا میری جانفشانی کا

کھل گیا ہے ترے جمال سے رنگ — تیرے ملبوسِ ارغوانی کا

مرمٹے تجھ پہ ہو گیا حاصل — مدعا اپنی زندگانی کا

جور ظاہر سہی کہ ہوں میں ہلاک — شیوۂ پرسشِ نہانی کا

رنجِ شوق اک نمونہ ہے لاریب — راحتِ خلدِ جاودانی کا

ہو کے ناکام عشق نے لوٹا — بارہا عیشِ کامرانی کا

ہم جو بے خود رہے تو وہ محجوب — نہ اٹھا لطف میہمانی کا

ناوکِ یار سے ہے دل میں بپا — اک ہنگامہ شادمانی کا

لٹ کے ہم کو ہے اب خطر نہ خیال — رہزنی کا نہ پاسبانی کا

شوق کامل جو ہو تو دے نہ جواب — ان کے دعوائے لن ترانی کا

ایک حائل ہے وصل میں بھی پہاڑ — پردۂ شرمِ درمیانی کا

نہ سنو تم کہ میں نشانہ رہا — کن بلاہائے آسمانی کا

کون سے عرضِ حال کر کے عذاب — جان پر ان کی سرگرانی کا

سچ تو یہ ہے کہ شعرِ حسرت بھی
ایک گنجینہ ہے معانی کا

شوق پوشیدہ کا اظہار نہ ہونے پایا
داغِ دل کوئی نمودار نہ ہونے پایا

دل کچھ اس ڈھب سے لئے اسنے کہ برسوں کوئی
حال سے اپنے خبردار نہ ہونے پایا

غلبۂ حق کا زمانہ میں ہے اک شور بپا
اس پہ افسوس جو بیدار نہ ہونے پایا

صبر سے مقصد ناکام کی ہمت جو بندھی
وجہ نومیدیِ بسیار نہ ہونے پایا

شادماں تھا جو ترے رنج طرب کار سے دل
غمِ دنیا سے گرانبار نہ ہونے پایا

وصل میں بھی رہی بیگانگیِ حسن و حجاب
راستہ شوق کا ہموار نہ ہونے پایا

دمِ زدن میں ترے جلوے نے کیا کام تمام
شوق آمادۂ پیکار نہ ہونے پایا

اس سلیقے سے کیا ذبح کہ دامن انکا
خونِ عشاق سے گلنار نہ ہونے پایا

بیخودِ شوق تھے سب دور میں تیرے کوئی
خواہشِ مے کا گنہگار نہ ہونے پایا

ہم بھی سمجھیں گے ہوسِ عشقِ بتاں کو حسرت
حل جو یہ عقدۂ دشوار نہ ہونے پایا

رسالۂ العصر لکھنؤ ۱۹۱۶ء

ہر لحظہ ہے تصور اے رشک حور تیرا
آنکھوں میں نور تیرا دل میں سرور تیرا

فریادِ غم نہیں ہے میری دعائے مضطر (یعنی صدائے اللہ اللہ)
اب نام بھی نہ لوں کیا میں ناصبور تیرا

دنیائے عاشقی میں ہر دم رہے مبارک
مجھ کو خشوع میرا، تجھ کو غرور تیرا

بیباکیٔ عدو سے ناحق ہے بدگماں دل
جب دشمنِ ہوس ہے حسنِ غیور تیرا

محفل میں ان سے کی ہوں گستاخیاں کسی نے
پر وہ یہی کہیں گے سب ہے قصور تیرا

بیتاب دل سے ہاتھوں کیوں اے اسیرِ الفت
پھر اس گلی میں جانا ٹھہرا ضرور تیرا

کاہے کو رشک دل کی اب انتہا رہے گی
شہرا پہنچ گیا ہے جب دور دور تیرا

رکھ لے مری بھی یارب شرمِ گناہگاری
ہے پردہ پوشِ عصیاں رحمِ غفور تیرا

کر کے وہی رہے گا جو دل میں ٹھان لی ہے
روش ہے ہم پہ حسرتؔ عزم امور تیرا

جو راہ غم میں ترا پائمال ہو نہ سکا
وہ بار یابِ مقامِ کمال نہ ہو سکا

انہیں منا کے بھی اظہار حال ہو نہ سکا
قبولِ عذر سے رفعِ ملال ہو نہ سکا

جفا سے باز نہ آئے تم اور کیوں آتے
کہ ہم سے ترک وفا کا خیال ہو نہ سکا

وہ جب ملے تو مجھے شادمان غم پایا
مرے ملال سے ان کو ملال ہو نہ سکا

قبول سب نے وہی کی سنی جو آپ سے بات
کسی کو حوصلہ قیل و قال ہو نہ سکا

وہ ابتدائے محبت وہ انتہا کے مزے
کہ جس میں پڑ کے خیال مآل ہو نہ سکا

کہاں سے آئی خدا جانے زلف یار کی بو
کچھ امتیاز نسیم و شمال ہو نہ سکا

بڑھا تو خوب مگر ناز عاشقی کا جلال
حریف جلوۂ نورِ جمال ہو نہ سکا

جنونِ عشق میں غیرت سے کچھ کمی نہ ہوئی
وہ رنگِ سرخ جو اڑا تھا بحال ہو نہ سکا

حضور یار گئے بھی تو کیا ہوا حسرتؔ
سلام کر نہ سکے ہم سوال ہو نہ سکا

الناظر لکھنؤ
نومبر ۱۶ء

یاس کا دل پہ کچھ اثر نہ ہوا
قصہ شوق مختصر نہ ہوا

حسن کو عشق سے مفر نہ ہوا
لاکھ چاہا کہ ہو مگر نہ ہوا

عاشقی اس کی معتبر نہ ہوئی
جو ترا بندہ نظر نہ ہوا

کچھ ٹھکانا ہے اس تغافل کا
آپ کا جور بھی خبر نہ ہوا

اشک پیہم سے شوق بے حد کا
گوشۂ آستیں بھی تر نہ ہوا

اس نے وعدہ کیا یہی ہے بہت
شکوہ کیوں ہو وفا اگر نہ ہوا

مر مٹے ہم کہ دیں وہ دادِ وفا — اور جو اس کا بھی کچھ اثر نہ ہوا
نہ کھلے ہم سے آپ پر نہ کھلے — نہ ہوا اعتبار پر نہ ہوا
حال دل کی انہیں خبر نہ ہوئی — طائرِ شوق نامہ بر نہ ہوا
صرفِ دشمن وہ لطف ہوے ادائے — جو کبھی میرے حال پر نہ ہوا
کچھ نہ آیا ہمیں تو کیا اے عشق — یہ بھی اک طرح کا ہنر نہ ہوا
صدمہ پہنچا جو تجھ سے اے غمِ عشق — نفعِ جاں ہو گیا ضرر نہ ہوا
صرفِ عصیاں ہوا وہ لحظۂ عمر — جو تری یاد میں بسر نہ ہوا
کچھ عجب چیز ہے وہ حسنِ عفیف — جو کبھی فتنۂ نظر نہ ہوا
تم لبِ بام جلوہ گر نہ ہوئے — میں سرِ راہ بے خبر نہ ہوا
تابِ نظارۂ دگر نہ رہی — حسن پر غلبۂ بصر نہ ہوا
ہے جہاں مدفنِ شہیدِ وفا — داں کبھی آپ کا گذر نہ ہوا
خام ہے اس کی عاشقی جو عزیز — با خبر ہو گئے بے خبر نہ ہوا
رہ گئی شرم لے کسی حسرت — مجھ پہ احسان اہلِ زر نہ ہوا

رسالہ خیال بالوڑ — اگست سنہ ۱۴ء

شکوۂ عشق جو ہم سے کسی عنوان نہ ہوا — حشر میں بھی وہ جفا کار پشیماں نہ ہوا
کامیابی نہ ہوئی اہلِ نظر کو بھی نصیب — روئے خورشید ہوا وہ رخِ تاباں نہ ہوا
عالمِ جاں نہ ہوا دشتِ عرفاں جبتک — آفتاب انکی محبت کا درخشاں نہ ہوا
دشمنِ زہد ہے عشقِ بتاں کیسے بندے — کفرِ الفت پہ کبھی غلبۂ ایماں نہ ہوا
شکوۂ جور کا دیتے ہو تغافل سے جواب — دشمنی یہ تو ہوئی مجھ پہ کچھ احساں نہ ہوا

وصل سے شوق کی شورش نہ ہوئی کم حسرتؔ
ہے یہ وہ درد جو شرمندۂ درماں نہ ہوا

ہجر میں یاد جو وہ جلوۂ بنکو آیا — چین پھر دل کو نہ اپنے کسی پہلو آیا
ہوش آنے پہ نہ پایا سرِ بالیں جنہیں — دستِ افسوس ہے پرسشِ زانو آیا
حسنِ خود بیں کے تغافل ہی کی کچھ خوبی ہے — عشقِ مضطر کو نہ ایسا کوئی جادو آیا
مل گئی خاک میں سب آبروِ نازِ وفا — تعزیت کو بھی نہ وہ شوخ جفا جو آیا
کیا کہوں رشک سے کچھ دل کا عجب حال ہوا — نظر اس رخ پہ جو وہ طرۂ گیسو آیا

تھا علی گڑھ کو جو یہ فخر کہ حسرتؔ ہے یہاں
حیدرآباد کو ہے ناز کہ واں تو آیا

رسالہ تاج الکلام

مہرباں مجھ پہ جو وہ خسرو خوباں نہ رہا — اب کوئی میرے لیے ناز کا ساماں نہ رہا
نہ بجھی خاکِ معاصی میں ترے شوق کی آگ — دل میں وہ شعلہ جو بھڑکا تھا فروزاں رہا
کچھ مری چاہ عجب چیز تھی ظاہر نہ ہوئی — یا ترا حسن عجب کچھ ہے کہ پنہاں نہ رہا
اب ہمیں تجھ سے محبت کی توقع نہ رہی — اب وہ انداز تری شان کے شایاں نہ رہا
یوں جو مٹتا ہوں تو مٹتا ہے ترے عشق کا نام — فیصلہ بس مری تقدیر کا آساں نہ رہا
شانِ اسلام کی تخریب میں ساعی جو ہوا — حق تو یہ ہے وہ جز اکارِ مسلماں نہ رہا

کوچۂ عشق ہے مامونِ حوادث حسرتؔ
اب نہیں کچھ خطرِ گردشِ دوراں نہ رہا

رسالہ خطیب دہلی
ستمبر ۱۹۱۶ء

شوقِ مشتاق کبھی صبر سے بیگانہ نہ ہوا — جب سے مشہور ترے حسن کا افسانہ ہوا
ایک ہی کام تو یہ عشق سے مردانہ ہوا — کہ ترے شیوۂ ترکانہ کا دیوانہ ہوا

وصل جاناں نہ ہوا جان دیئے پر بھی نصیب — یعنی اس جنس گرانی کا بیعانہ نہ ہوا
بزم ساقی میں ہوئے سب یونہی سیراب سرور — مئے گلرنگ سے لبریز جو پیمانہ ہوا
حسن جاناں کے تصور سے بڑھی زینت دل — مقدم شہ سبب رونق کاشانہ ہوا
ہم فقیروں کی تواضع کو دعائیں دیجئے — کہ ابھی سے تو مزاج آپ کا شاہانہ ہوا
پھر تری یاد ہوئی موجب آرایش دل — للہ الحمد پھر آباد یہ ویرانہ ہوا
خاک سے اس کی بنائی گئی اکسیر مراد — دل جو اس شمع شب افروز کا پروانہ ہوا

پیرو پیر مغاں تھا میں یہانتک حسرت
کہ فنا ہو کے خاک رہ میخانہ ہوا

رسالہ نظارہ میرٹھ

شغل مے سے فلک جناب ہوا — کون کہتا ہے میں خراب ہوا
اثر مستی شباب ہوا — اب تو وہ حسن لاجواب ہوا
ہر گھڑی شیخ کو ہے فکر ثواب — یہ بھی اک طرح کا عذاب ہوا
نہ ترے حسن کی مثال ملی — نہ مرے شوق کا جواب ہوا
پہلے اک ذرۂ ذلیل تھا میں — تیری نسبت سے آفتاب ہوا
اب یہ کیوں آپ ہی کے پھر بگڑے — اب یہ کس بات پر عتاب ہوا
خواہش دید کامیاب ہوئی — چہرۂ یار بے نقاب ہوا
نشہ میں راز عشق چھپ نہ سکا — روئے مقصود بے حجاب ہوا
آپ کے ہاتھ سے کرم کہ ستم — جو ہوا مجھ پہ بے حساب ہوا
خاک ہو کر ملا یہ فخر کہ میں — تیرے توسن کا ہم رکاب ہوا
اب نہ وہ تم رہے نہ ہم افسوس — کیا زمانے کا انقلاب ہوا

مجھ کو اتنا ہی تم سے انس بڑھا — جس قدر تم کو اجتناب ہوا
ان کو دیکھا تو صبر دل حسرت
یک قلم صرف اضطراب ہوا

الناظر لکھنؤ — جولائی ؁۱۱

لطف تو نے جو کیا بھی تو عجب کام کیا — دلِ دیوانہ کو سرگشتہ اوہام کیا
جس کو جو شے تھی سزاوار خدا نے بخشی — مجھکو جاں باز کیا تجھکو دلآرام کیا
بھر گئی نور سے تاریک شب منتظراں — جلوہ اس روئے نکو نے جو سرِ بام کیا
ہوس و عشق میں کچھ فرق نہ رکھا تو نے — غمزۂ خاص کو بدنام کیا عام کیا
یہ بھی اک ڈھب ہے بتا ینکا کہ ہنگام سحر — آپسے وہ آنے کا وعدہ جو سرِ شام کیا
بڑھ گئی آج امیری سے فقیری اپنی — کہ شہِ حق نے مجھے داخلِ خدام کیا
کچھ محبت بھی عجب شے ہے کہ حسرت سا غیور
اور اسے آپ نے خو کردۂ دشنام کیا

اخبار ہمدرد دہلی — ؁۱۵ء

وصل میں بھی تو وہی ہے دلکی شانِ اضطراب — عیش حاصل ہو رہا ہے رائگانِ اضطراب
شوقِ بیحد کے ارادوں سے ہے واقف نازِ حسن — شرم خوباں سب سمجھتی ہے زبانِ اضطراب
رحم سے بیگانہ ہے تمکیں بے پروائے دوست — کر چکے ہیں بارہا ہم امتحانِ اضطراب
حسن ہر حالت میں غالب عشق ہے مغلوبِ حسن — آپ کی شوخی ہے ناحق بدگمانِ اضطراب
کب بر آئیگی سکونِ جانِ مضطر کی امید — کب بسر آئیگا یارب یہ زمانِ اضطراب
بیقراری ہی مناسب تھی ترے ناکام کو — ہو گیا ہے سود مایوسی زیانِ اضطراب
ہے غضب اس شہسوار حسن کا فتراکِ ناز — دل ہے جس میں اک شکار نیم جانِ اضطراب
وہ ملے اب تک وہی ہیں خاطر بیتاب کے — ناتوانی میں بھی ہے باقی توانِ اضطراب

رسالہ نظارہ میرٹھ — جنوری ۱۳ء

اب ملے گا جلد حسرتؔ ساحلِ بحرِ فنا
کشتیِ غم میں لگا ہے بادبانِ اضطراب

جان کو صبر ہے نہ دل کو ہے تاب — تو نہیں ہے تو زندگی ہے خراب
دانش ہرزہ کوش ہے ناکام — عشق درکار ہے ولے رے حجاب
ہجرِ ساقی میں گریۂ سحری — خوب ہوگا بجائے شغلِ شراب
دیکھیے دل پہ کیا بناتا ہے — تیری فرقت میں یہ ہجومِ سحاب
مرمٹیں آرزوئے یار میں ہم — ہے یہی عاشقی کا لبِّ لباب
چشمِ رنداں سے روزِ ابر ہوئی — ہجرِ ساقی میں بارشِ خوناب

میکدے میں ہے اک بپا حسرتؔ
شورِ نائے و نوش و چنگ و رباب

بہ تقلید انداز شاہ نصیر دہلوی — نظارہ لاہور جولائی ۱۲ء

میری طینت میں ہو داخل ہوسِ جامِ شراب — بندۂ پیرِ مغاں ہوں ہیں خسِ جامِ شراب
نشۂ مے سے بڑھے شوق کی مستی ساقی — نظرِ لطف بھی اک ہو حبوبسِ جامِ شراب
فلکِ عیش پہ دم بھر میں گیا شخص دماغ — کس غضب کا تھا سبک رو فرسِ جامِ شراب
ہم کہ اک قطرۂ مے کو بھی ترستے ہیں مدام — ہم سے قسمت میں ہے بڑھکر مگسِ جامِ شراب
قید مینا سے نہ مے چھٹکے بھی آئی مجھ تک — حائل اک اور بھی تھا حدِّ نفسِ جامِ شراب
مے سے محروم کہانتک رہے پیمانۂ مے — تجھ سے فریاد ہے اے دادرسِ جامِ شراب

ہے تو موجود مگر پی نہیں سکتے حسرتؔ
بن گیا ہے غمِ دوری عسسِ جامِ شراب

اخبار سادات الہ آباد — اکتوبر ۱۹۱۶ء

خیلِ خوباں ہیں کو جمیل ہیں سب — پر ترے حسن کے قتیل ہیں سب

ظرفِ عالی معاندوں میں کہاں — سب دو کاں دار ہیں ذلیل ہیں سب
لاؤں قسمت کہاں سے غیروں کی — تیری محفل میں جو دخیل ہیں سب
جلوۂ حق سے بے خبر زاہد — محوِ تسنیم و سلسبیل ہیں سب
ہجر کے دن فراق کی راتیں — کاٹے کٹتی نہیں طویل ہیں سب
روبرو تیرے حسن خوباں کے — جتنے دعوے ہیں بے دلیل ہیں سب

فیضِ تاثیرِ عشق سے حسرت
تیرے اشعار بے عدیل ہیں سب

نئی روشنی الہ آباد
اکتوبر ۱۹۱۶ء

آج سن کر میرے نالوں کو زراہِ التفات — زیرِ لب اس نے بھی کھینچی ایک آہ التفات
کم نگاہی عشق سے ہے فرضِ کیشِ دلبری — حسن ہے کیونکر ہو پھر سرزد گناہ التفات
دوستی اس فتنۂ دوراں کی ہے یادِ دشمنی — جان بر بادِ کرم ہے دل تباہِ التفات
ہیں دلِ عشاق جب آگاہِ رسمِ حسن و عشق — بیرخی ہے ان کی ناحق عذر خواہِ التفات
شوق کا حسنِ عقیدت دیکھنا اکثر ہوا — تیری بے پروائیوں پر اشتباہِ التفات
ہے مجھے کافی تبسم اس نگاہِ ناز کا — ہو رقیبوں کو مبارک قہقاہِ التفات
ختم تھا جس پر کبھی اندازِ حسنِ دلبری — آہ اب لاؤں کہاں سے وہ نگاہِ التفات
شیوہ ہائے دلنوازی میں ہیں آنکھیں انکی طاق — ایک ہے مہرِ توجہ ایک ماہِ التفات

ہے دلِ دیوانۂ حسرت ہلاکِ آرزو
اس طرف بھی اے ستمگر اک نگاہِ التفات

فرقت میں تری ہیچ ہے شانِ شبِ برات — اک آگ سی لگی ہے بجانِ شبِ برات
کچھ طرفہ دردِ دل کی فراہم ہیں لذتیں — ہوتا ہے شامِ غم پہ گمانِ شبِ برات

حیراں نہ میری بھول پہ ہوں خفتگانِ خاک — مجبور خود ہوں میں یہ زمانِ شبِ برات
کچھ شوق حسب و ضرب کا باقی تو ہے نشاں — گویا کہ سود جاں ہے زیانِ شبِ برات
حسرت شنیدنی ہے مرے سوزِ غم کا حال
دورانِ ہجر میں بہ زبان شبِ برات

وہ بگڑے بہت بدگمانی کے باعث — نہ تڑپے جو ہم ناتوانی کے باعث
خفا آپ کیوں ہیں خطا میری کیا ہے — کھلیں کچھ تو اس سرگرانی کے باعث
میں بے دل ہوں ناحق کہ مجبور ہیں وہ — ستم کیشئی نوجوانی کے باعث
نہ سمجھو ہمیں حال پر اپنے راضی — کہ ہم چپ ہیں آزردہ جانی کے باعث
لے کھل کے وہ مثلِ بیگانہ حسرت
ہم اچھے رہے بے زبانی کے باعث

وصل کی رات خرمی کا رواج — شوق کا آج عرش پر ہے مزاج
آج مملوک حق ہیں سب وہ شریر — کل تلک تھے ابھی جو صاحب تاج
دست بُردِ غمِ فراق سے آہ — ہو گئی کشتِ آرزو تاراج
غلبۂ کذب منحد معلوم — حق ہے بے خوفِ کثرتِ افواج
سب نے آخر خدا پہ چھوڑ دیا — تیرے بیمار کا نہ ہوا علاج
چھپ گئے سب ستارگان کمال — کہ عرب سے ہوا طلوع سراج
لائے ہیں عاشقانِ باج گزار
نذر حسرت کو آنسوؤں کا خراج

قبولِ ستم سے ہے انکار صالح — کروں کیوں نہ میں اس کا اقرار صالح

رضا کاریِ حق پہ رحمت خدا کی
اسی کا ہوں میں اک طلبگار صالح

بہت ہم نے دیکھے ہیں عبادِ فاجر
بہت ہم نے پائے ہیں فجار صالح

مصائب کی بر داشت ردِّ جفا میں
اسی کو تو کہتے ہیں ایثار صالح

ولایت کا دعویٰ نہیں مجھ کو لیکن
ہے اتنا کہ ہوں اک گنہگار صالح

میں بیزار ہوں عقل سا کن سے حسرتؔ
دل مضطرب ہے مرا یار صالح

تسکین مدعا کے لئے اک دوا ہے تلخ
ظاہر میں گرچہ وہ سخن آشنا ہے تلخ

شیریں ہی مراد نتیجہ ہے صبر کا
ہر چند اس ثمر کا بظاہر مزا ہے تلخ

مرغوب جاں ہیں شوق کی ایذا نصیباں
شیریں ہے کام یاس کہ زہرِ فنا ہے تلخ

اظہار لطفِ یار پہ اے دل نہ جائیو
میٹھا یہ ابتدا ہی میں ہے انتہا ہے تلخ

حسرتؔ گراں ہے خلق پہ گو سہل ہے نماز
بدلا ہے ان کے منہ کا مزا یوں غذا ہے تلخ

رسالہ النظامیہ لکھنؤ — جولائی ۱۹۱۰ء

وقفِ حق ہے نہیں مرید مراد
طاعتِ عاشقانِ پاک نژاد

دل پس ماندگان نہ ہو تا شاد
چل رہی ہے ہنوز باد مراد

بڑھ گیا حسن کا تغافل ناز
یہ ملی میرے صبر شوق کی داد

اب تو راہ رضائے حق میں قدم
رکھ دیا ہم نے ہر چہ بادا باد

ان کی تھی میرے حال دل پہ نظر
آہ اس عہدِ التفات کی یاد

بڑھ گیا راہ عاشقی میں جنوں
رہ گئے صاحبان بست و کشاد

کچھ نہیں ہے تری رضا کے سوا
خواہشِ عاشقی خجستہ نہاد

رسالہ البلاغ کلکتہ ۱۹۱۵ء

اصل اصلاح ہے وہی حسرت
جس کو سمجھے ہیں اہل جور فساد

غم سے نہیں ایک دل بھی آزاد — فریاد ز دستِ عشق فریاد
عاشق ہوئے اور مر مٹے ہم — اپنی تو یہ مختصر ہے روداد
ہوگا کسے جان دینے میں عذر — ارشاد اور آپ کا پھر ارشاد
جاں بازی ہے عشق، حسن دلبر — یہ دونوں امور ہیں خداداد
اس چشم نے دلبری کے شیوے — سب سیکھ لیے بغیر استاد
رہنے لگی ان کی یاد ہر دم — اب اور ہمیں رہے گا کیا یاد

ایضاً — ایضاً

پردے میں ستم کے لطف حسرت
ہے اس بت حیلہ جو کا ایجاد

دل کشتۂ غم ہے جان برباد — مایوس فراق ہوں ناشاد
عاشق کا ہے کام جان دینا — اپنا بھی ہے اس خیال پر صاد
بانرمیٔ حسن و گرمیٔ خو! — اس ذات میں ہیں صفات اضداد
بھولے ہمیں اور سب فسانے — اک قصۂ آرزو رہا یاد
ہو حسن کہ عشق سب ہیں فانی — شیریں ہی رہی رہا نہ فرہاد
احرار وطن پرست و حق کوش — رق! تھا جن سے دیارِ صدق آباد.

اخبار صدائے حق کلکتہ — اکتوبر ۱۶ء

سب ہو گئے بند ایک حسرت
باقی ہے "ابو الکلام" آزاد

نامۂ شوق کے اندر جو نہاں ہے کاغذ — ورق سادۂ حسرت ہے کہاں ہے کاغذ

بسکہ تھا اس میں رقم خواہش دیدار کا حال — پہ چہرۂ یار کی جانب نگراں ہے کاغذ

خط نہ لکھنے کا نیا عذر یہ نکلا حسرتؔ

رسالہ نظارہ لاہور — اکتوبر سنہ ۱۶ء

جنگ یورپ میں وہ کہتے ہیں گراں ہے کاغذ

شکن جب سے دیکھی ہے انکی جبیں پر — عجب صدمہ ہے جان اندوہگیں پر

نہ چھوٹے گی اب دخت رزہم سے ساقی — کریں گے عمل تیری رائے رزیں پر

یہ جابیں ہیں عشاق کی یا ہے افشاں — پڑی ہے جو اس گیسوئے عنبریں پر

عجب اس کی خوشبو ہے کچھ روح پرور — وہ پوشش جو تھی اس تن نازنیں پر

کچھ آئی تو ہے ترک مے پر طبیعت — نہ مچلے جو رنگینیٔ ساتگیں پر

نہ کرنا صحا ضبط غم کی نصیحت — کہ ہے صبر دشوار جان حزیں پر

بہت ہم نے ڈھونڈا مگر مثل تیرا — نہ پایا کہیں اور روئے زمیں پر

مرے گریۂ خوں کی سب لالہ کاری — نمودار ہے دامن آستیں پر

ہوئی اس میں اک گرمیٔ شوق پیدا — پڑی جو نظر اس رخ آتشیں پر

تماشائے خوباں سے اتنا تغافل — صد افسوس اس زہد خلوت نشیں پر

نثار اس پہ حسرتؔ مری جان شیریں

اخبار صلائے عام کلکتہ — اگست سنہ ۱۶

تبسم جو ہے اس لب شکریں پر

میں مبتلائے رنج دلم ہوں وطن سے دور — بلبل کے دل میں یاد چمن ہے چمن سے دور

آشفتہ کس قدر ہے پریشاں کس قدر — دل ہے اسکی زلف شکن در شکن سے دور

ہے ہجر بھی وصال زہے خوبیٔ خیال — بیٹھے ہیں انجمن میں تری انجمن سے دور

سب یاد ہیں فریب محبت کے واقعات — اب دل رہے گا اس نگہ سحر فن سے دور

فرقت میں انکی بوئے گل آبادِ نو بہار
آ رہی بھی تو ہے مرے بیت الحزن سے دور

رعنائی خیال کو ٹھہرا دیا گناہ
زاہد بھی کس قدر ہے مذاقِ سخن سے دور

غالب کی طرح رہ گئی حسرت مری بھی شرم
مارا دیارِ غیر میں مجھ کو وطن سے دور

رسالہ العصر لکھنؤ

آخر کار ہوئی ان پہ وفا کی تاثیر
گریۂ نیم شبی میں تھی بلا کی تاثیر

ہیں اسی خیال میں اب تک تری فرقت کے مریض
کچھ نہ ہوتی ہے دعا کی نہ دوا کی تاثیر

وہ بھی دل تھام کے رہ جائیں جو سن پائیں کہیں
ہے غضب اپنی فقیرانہ صدا کی تاثیر

ایک ہی جام میں ساقی نے ہمیں رام کیا
کر گئی کام مئے ہوش ربا کی تاثیر

شوق کی ایک نظر میں وہ ہوئے سب کامل
جن پہ برسوں نہ ہوئی صدق و صفا کی تاثیر

راہ جنت سے پھری عاشق مہجور کی روح
کچھ عجب چیز تھی اس بوئے قبا کی تاثیر

اب وہ کرتے ہیں جفا بھی تو ہمیں پر حضرت
بارے اتنی تو ہوئی آہ رسا کی تاثیر

رسالہ زمانہ کانپور ستمبر ۱۶ء

تیر غم کا ہے دل نشانہ ہنوز
شیوۂ جاں ہے عاشقانہ ہنوز

دل میں اب تک ہے عیش وصل کی یاد
لب پہ ہے شوق کا ترانہ ہنوز

آہ وہ ماجرائے راز و نیاز
جس کا باقی ہے اک فسانہ ہنوز

عشق تھا باریابِ خدمتِ حسن
ہم کو ہے یاد وہ زمانہ ہنوز

قائم اب تک ہے اعتبارِ جنوں
چل رہا ہے یہ کارخانہ ہنوز

شوق کے در پہ ہیں ابھی سے ہجوم
یار ہے اندرون خانہ ہنوز

سرخی چشم یار سے ہے عیاں
اثرِ مستی شبانہ ہنوز

دیدنی ہیں وہ بال صبح وصال — چن تک آیا نہیں ہے شانہ ہنوز
آشکارا ست بر جبین نیاز — نورِ آں خاکِ آستانہ ہنوز
نغز گوئی کی شان میں حسرت — تیرے اشعار ہیں یگانہ ہنوز

اور تو کیا ہے ترے عاشقِ بیمار کے پاس — وہ جو پنہاں ہے ترے گوشۂ دستار کے پاس
ہے کلیدِ درِ میخانہ مقرر اے شیخ — ایک ترا درد بھی سو وہ بھی ہے دلِ زار کے پاس
ان کو ہوتی نہ مرے سوزِ محبت کی خبر
قابلِ سیر نہیں گلشنِ دنیا اے دل — شاہدِ گل ہے جہاں خاک بسر خار کے پاس
مے پرستوں کو رہا پھر نہ کسی بات کا ہوش — بوئے مے کچھ تھی عجب خانۂ خمار کے پاس
اک ترے عشق کی دولت ہے مرے پاس شئے — جو نہ اخیار کے ہے پاس نہ ابلہ کے پاس
رشک اس طرۂ گیسو پہ ہیں کیا کیا مجھ کو — وہ لٹکتا جو پڑا ہے ترے رخسار کے پاس
رحمتِ حق کے لئے نذر نہیں اور کوئی — شرمِ عصیاں کے سوا جانِ گنہگار کے پاس

کیا کیا تو نے یہ حسرت کہ دل اپنا چھوڑا
ایسے عیار ستم گار جفا کار کے پاس

رسالہ ترجمان لاہور — جولائی ۱۹۱۰ء

کچھ نہ دامن کی خبر ہے نہ گریبان کا ہوش — دل فریبی کا ترے عاشق کو نہ ہے جان کا ہوش
جارے افسوس ہو کیوں بے سر و سامانیٔ دل — مذہبِ عشق میں جائز نہیں سامانِ ہوش
بزمِ ساقی میں چلیں بھی تو کہیں حضرت شیخ — شرط ہم کرتے ہیں رہ جائے جو ایمان کا ہوش
نشۂ حسن سے بیہوش ہے وہ مستِ شباب — نہ کرم کا ہے اسے ہوش نہ احسان کا ہوش
خونِ دل سے ہو وضو تب ہو محبت کی نماز — کچھ نہیں غیر ہوس پیشہ کو اس آن کا ہوش
ہم چلے تھے کہ کریں دل شکنی کا دعوی — ان کو دیکھا تو رہا کچھ بھی نہ نادان کا ہوش

خونِ حسرت جو کیا ہے تو وہ نادم ہیں بہت
اخبار نئی روشنی الہ آباد — اگست ۱۹۱۶ء
کچھ نہ مہندی کی خبر ہے نہ انھیں پان کا ہوش

کیوں نہ مقبول ہو دعائے خلوص — کہ اثر خود ہے خاک پائے خلوص
عشق ناکام بھی نہیں ناکام — وہ جو ہو جائے رہنمائے خلوص
غیر کی بات خوب مان گئے — نہ سنی میری التجائے خلوص
ان کے دل پر نہیں تو کچھ بھی نہیں — اثر نالۂ رسائے خلوص
عشق اعتبار تھا جو پیش نظر — کچھ نہ سمجھے وہ مدعائے خلوص
کیا نہ ہوں گے وہ کبھی مائل رحم — نہ ملے گی کبھی جزائے خلوص
بیکسی ہائے عاشقی کو سلام — جن پہ قائم ہوئی بنائے خلوص
ہم ہیں عہد ازل سے ان کے مرید — ابتدا سے ہے انتہائے خلوص

میرا ان کا معاملہ حسرت
سربسر اک ہے ماجرائے خلوص

کچھ نہ ابدال سے پہنچا ہے نہ اوتاد سے فیض — جس کو پہنچا ہے سو پہنچا ہے تری یاد سے فیض
لذت درد محبت ہے مری جان پہ ختم — جس نے پایا ہے ترے شیوۂ بیداد سے فیض
تیرے گیسو کی اڑا لائی تھی خوشبو جو نسیم — مجھ کو پہنچا ہے اسی نکہت برباد سے فیض
دولت غم سے جو معمور ہیں عشاق کے دل — سب نے پایا ہے مری خاطر ناشاد سے فیض

غالبؔ و مصحفیؔ و میرؔ و نسیمؔ و مومنؔ
طبع حسرت نے اٹھایا ہے ہر استاد سے فیض

سخت مشکل ہے عشقِ یار کی شرط — جان زار و دل فگار کی شرط

دیکھ لیتے ہیں اب وہ نامۂ شوق ہے مگر اب بھی اختصار کی شرط
سب ہے منظورِ عشق۔ ایک نہیں سخن تلخ و ناگوار کی شرط
مستیٔ حسن کو ضرور نہیں مئے رنگین و خوشگوار کی شرط
بن گیا کام، ہو گئی پوری کرمِ یارِ بختیار کی شرط
کون پوری کرے تمہارے سوا شوقِ بے صبر و بے قرار کی شرط
منزلِ عشق طے کرو حسرت
گل کی یاں ہے نہ خار کی شرط

نہ کر بزمِ ساقی میں انکار واعظ بگڑ جائیں گے رندِ میخوار واعظ
ملامت نہ کر دیکھ بیکار واعظ کہ ہے ترکِ مے ہم سے دشوار واعظ
نہ قائل ہوئے تھے نہ ہوں گے کبھی ہم بڑھاتا ہے ناحق تو تکرار واعظ
نہ الجھے گا پھر ہم خدا باتیوں سے اگر کچھ بھی ہوگا سمجھدار واعظ
بظاہر کا سب زہد و تقویٰ ہے حسرت
حقیقت میں یاروں کا ہے یار واعظ

جل بجھی تب جل کے ٹھہر اگر یہ تاثیرِ شمع تھا خیال سوزشِ پروانہ دامن گیرِ شمع
تاقیامت رہے قائم سری سرکار کا باغ وہ جسے کہتے ہیں سب حضرتِ انوار کا باغ
خاص آرام گہ حضرتِ وہاب شہید شاہ رزاق کا والیٔ شہ ابرار کا باغ
در و دیوار سے یاں جلوۂ حق کی ہے نمود ہے بجا خلق میں مشہور یہ انوار کا باغ
مئے عرفاں کی لگی رہتی ہے ہر وقت سبیل جائے رحمت ہے یہ رندانِ قدح خوار کا باغ
ثمر دیں ہیں یہاں یا شجر طیبِ عشق باغ بھی کون ہے یہ خلد کے اشجار کا باغ

اہل دل کہتے ہیں سرکردۂ عشاق[1] جسے | عاشقو ہے یہ اسی قافلہ سالار کا باغ

ہدیۂ حسن عقیدت ہیں یہ گلہائے خلوص
نذرِ رزاق ہے حسرتؔ مرے اشعار کا باغ

مخزن لاہور نومبر ۱۶ء

وہ تو کر دیں مرا قصور معاف | میں ہی کہتا نہیں حضور معاف
حشر میں بھی نہ ہوگا واعظ کا | گنہِ آرزوئے حور معاف
حد نہیں ہے مرے گناہوں کی | پھر بھی کر دے جو وہ غفور معاف
میں ہوں تیری جفا سے بھی راضی | شکوۂ عقلِ بے شعور معاف
سادگی ہم گناہگاروں کی | سب کرا لائے گی قصور معاف
ہو فرو کچھ تو انتظار کی آگ | گریۂ شوقِ ناصبور معاف
میں نے اقبال جرم عشق کیا | اور انھوں نے کیا ضرور معاف
کیا کرے تو خطائے شوق پہ رحم | نہ کرے جب ترا غرور معاف

ان کے قدموں پہ گر بھی جا حسرتؔ
یوں نہ ہوگا ترا قصور معاف

کیوں نہ ہو اپنے اشتیاق میں فرق | آگیا آپ کے مذاق میں فرق
تجھ سے بے بخت کے لئے نہ رہا | روزِ ہجر و شبِ فراق میں فرق
تم جب ہم سے ملے تو وہ بھی ملا | نہ ہوا غیر کے نفاق میں فرق
ہو گیا ہم میں ان میں فرق مگر | نہ ہوا شوق و اشتیاق میں فرق

---

[1] پیشوائے عشاق حضرت مولانا شاہ عبدالرزاق ۔ اور حزار

یاد رہنے لگی تری ہر دم — آگیا صدمۂ فراق میں فرق
جب ملے وہ ، ملی نظر سے نظر — نہ پڑا حسنِ اتفاق میں فرق

وہ جفاکار اور وفا حسرتؔ
ترے اب تک نہیں مذاق میں فرق

دل تیری طلب میں رہے بیتاب کہاں تک — اے بیخبر اے دشمنِ احباب کہاں تک
اب میں ہوں خنک جلوۂ مہتاب کا خواہاں — نظارۂ خورشید جہاں تاب کہاں تک
ہے کب سے ہمپائے جفا گردشِ گردوں — بیدار ہو اے محوِ طرب خواب کہاں تک
ہٹنے سے رہیں شوق کی بیباک نگاہیں — شرمائے گی وہ نرگسِ سیراب کہاں تک

محروم ہے اب تک ترے دیدار سے حسرتؔ
آنکھوں کی یہ پابندیٔ آداب کہاں تک

دیدنی ہیں دلِ خراب کے رنگ — آہ اس چشم پر حجاب کے رنگ
فصلِ گل میں پڑیں تو خوب کھلیں — خرقۂ زہد پر شراب کے رنگ
شوق کے دل میں لب پہ ہجوِ شراب — ہم پہ روشن ہیں سب جناب کے رنگ
نہیں توبہ کی خیر ہیں جو یہی — جوششِ ہنگامۂ سحاب کے رنگ
زہد و اصرارِ اجتناب گناہ — جس سے پیدا ہیں ارتکاب کے رنگ
کل کے مقبول آج ہیں مردود — آہ اس دورِ انقلاب کے رنگ
قابلِ دید ہیں وصال کی سب — آرزو ہائے کامیاب کے رنگ
چہرۂ عاشقی ہے پژمردہ — کیا ہوئے وہ مئے شباب کے رنگ
مستیٔ شوق یار سے ہیں عیاں — سرخوشیہائے بیحساب کے رنگ

خیلِ خوباں سے ایک میں بھی نہیں | آپ کے حسن لاجواب کے رنگ
میری مایوسیوں سے ہیں پیدا | کشمکش ہائے اضطراب کے رنگ

دل کے ہاتھوں بہت رہے ہیں خراب
حسرتِ خانماں خراب کے رنگ

رسالہ الناظر لکھنؤ
جون ۱۶ء

قوی دلِ شادماں دلِ پارسا دلِ | ترے عاشق نے بھی پایا ہے کیا دل
لگادو آگ عذرِ مصلحت کو | کہ ہے بیزار اس شے سے مرا دل
جفاکاری ہے تسلیم ستم بھی | نہ ہو گا تابعِ جور و جفا۔ دل
غلط ہے قولِ عقلِ مصلحت کوش | نہ اس جانب کرے گا اعتنا دل
لگاکر آنکھ اس جانِ جہاں سے | نہ ہو گا اب کسی سے آشنا دل
مٹے افکارِ گوناگوں کے جھگڑے | ترے غم کو نہ دے کیونکر دعا دل
نہ پہنچے گی کبھی کیا گوشِ گل تک | قفس سے اڑ کے فریادِ عنادل
تو اتنا اے صداقت ہے تو ہرگز | نہ ہو گا پیروِ باطل مرا دل

بڑی درگاہ کا سائل ہوں حسرت
بڑی امید ہے میری بڑا دل

کیا ہی شرمندہ چلے ہیں دلِ مجبور سے ہم | آئے تھے انکی زیارت کو بڑی دور سے ہم
دیکھنا ایک نظر بھی انہیں ٹھہرا ہے گناہ | درخورِ عفو ہیں واقف نہ تھے دستور سے ہم
اسکے غم خوار بنے کیا کہ ہوئے خود بھی خراب | کاش مانوس نہ ہوتے دلِ رنجور سے ہم
یاد میں تیری نہ دنیا ہی سے بیزار تھا دل | خلد میں بھی تو مخاطب نہ ہوئے حور سے ہم
ربط باہم کی ہو کیا شکل کہ آگاہ نہیں | دلِ رنجور سے تم خاطرِ مسرور سے ہم

غلبۂ یاس نے اس درجہ ڈرایا ہے کہ اب   دور ہی بھاگتے ہیں عیش کے مذکور سے ہم

حسرت آئے گی تسلی کو یہاں روحِ شمیمؔ[۱]
قید ہو آئے ہیں جھانسی جو للت پور سے ہم

تصور میں وہ شوخ تھا ہم سے با ہم   عجب لذتِ بیخودی تھی فراہم
سب آئے پر اک تو نہ آیا نہ آیا   بڑی دیر دیکھا کیے راستا ہم
جدائی کی حد بھی کوئی ہے مقرر   رہیں تجھ سے اے یار کب تک جدا ہم
غمِ یار اے تیرے بسمل ہزاروں   ادھر بھی ہو اک وار تجھ پر فدا ہم
رہا بسکہ عشقِ بتاں مسلکِ دل   نہ جانا کسی نے کہ ہیں با خدا ہم
برا ہو کے دل اب نہ ہوگا کسی کا   چھٹے سب جو تجھ سے ہوئے آشنا ہم
کہاں دل کہاں وصلِ جاناں کی خواہش   کجا وہ شہنشاہِ خوباں کجا ہم
ترے ہوتے بیشک یہ ہے کفرِ نعمت   جو رکھیں کسی اور کا آسرا ہم

خطیب دہلی   جہاں بنتی ہے یاد شاہی کی دولت   سنہ ۱۶ء
اسی در کے ہیں ایک حسرت گدا ہم

جفا کو وفا سمجھیں کب تک بھلا ہم   اب ایسے بھی ان کے نہیں مبتلا ہم
عجب ہے یہ رازِ و نیازِ محبت   خفا کیوں ہوئے وہ ہیں اس پر خفا ہم
نہ شیریں و لیلیٰ و فرہاد و مجنوں   زمانے میں اب ایک یا تم ہو یا ہم
یہ کیا منصفی ہے کہ محفل میں تیری   کسی کا بھی ہو جرم پائیں سزا ہم

۱۔ عبداللہ خاں شمیمؔ باندوی مدفن جھانسی

ترے جور کا ہے تقاضہ کہ دیکھیں
ابھی کچھ دنوں اور راہِ قضا ہم

غریبوں سے کہتی ہے رحمت یہ انکی
کہ ہیں بینواؤں کے حاجت روا ہم

تری راہ میں مر مٹیں بھی تو کیا ہے
فنا ہو کے پائیں گے عیشِ بقا ہم

تری خوئے بر ہم سے واقف تھے پھر بھی
ہوئے مفت شرمندۂ التجا ہم

امیری میں ہو یا فقیری میں حسرتؔ
بہر حال ڈھونڈیں گے ان کی رضا ہم

کریں کچھ نہ ہو جائیں تجھ پر فدا ہم
اب اس کے بھی لائق نہ ٹھہرینگے کیا ہم

دل و دین و جانِ محباں ہے حاضر
جو کچھ حکم عالی ہو لائیں بجا ہم

وہ ہیں درپے صلح پھر بھی خفا ہیں
یہ مطلب ہے ان کا کریں ابتدا ہم

شہادت نہیں ہے یہ شوقِ شہادت
اسی پر نہ کر لیں کہیں اکتفا ہم

دعائے غریباں کے اے سننے والے
ترے در پہ ہیں دیر سے جبہ سا ہم

اگر خوفِ حق دل میں ہوتا تو ہرگز
نہ لاتے کبھی خطرۂ ماسوا ہم

یہ باتیں کسی کی بنائی ہوئی ہیں
برا تجھ کو کس دل سے کہتے بھلا ہم

بیاں کیا کریں ان کی محفل میں شب بھر
جو دیکھا کئے دور سے ماجرا ہم

نکل جائیں کیشِ محبت سے حسرتؔ
جو چاہیں کہیں دردِ دل کی دوا ہم

ہم سے ہو پیرویِ حق کا سر انجام کہاں
دیکھیں اس صبحِ صداقت کی ہو اب شام کہاں

عشق میں صبر و سکوں ہے دلِ ناکام کہاں
اس دلآرام کی خواہش ہے تو آرام کہاں

خاص تو نے یہ کے لائق ہے گنہگاریِ عشق
درخورِ جاں ہے تری سرزنشِ عام کہاں

پندِ ناصح وہ سنے خوفِ ملامت ہو جسے
پاسِ ناموس کہاں عاشقِ بدنام کہاں

ترکِ آداب کا عشاق سے بیجا ہے گلہ
جب نہ ہو موردِ الزام تو الزام کہاں

کشورِ ہند کہ مغلوب رہا ہے اس میں
نام ہی نام ہے اسلام کا اسلام کہاں

حسرت دار ہے اور کشمکش یاس و امید
اب وہ بالیدگیٔ شوق کا ہنگام کہاں

دیدار کی امید میں کرتا ہوں خطائیں
کس درجہ ہوں گر دیدۂ اربابِ عطا میں

شاہوں کے تجبر سے بھی دب کر نہ رہا میں
کس بارگہِ خاص کا آخر ہوں گدا میں

دیکھے کوئی نیرنگِ محبت کے یہ نقشے
کرتے ہیں جفا آپ تو دیتا ہوں دعائیں

اغیار میں اک رشک سے برپا ہے قیامت
حالاں کہ ترے پاس نہ آیا نہ گیا میں

اس شوخِ پشیماں نے رقیبوں سے بگڑ کر
چاہا تھا کہ پھر تجھ سے ملے پر نہ ملا میں

بیکار ہے اظہارِ غضب اہلِ ستم کا
ڈرتا ہوں میں ان سے نہ ڈروں گا نہ ڈرا میں

فریاد سراپا ہے مرے شوق کی ہستی
گویا کہ ہوں اک آہِ مسلسل کی صدا میں

تعزیر کے قابل نہیں گستاخیٔ ارماں
اس پر جو تو نے چلایا تو چلا میں

آزردگیٔ شوق بھی کیا شے ہے کہ حسرت
جانا نہ کسی نے وہ خفا ہیں کہ خفا میں

رسالہ مخزن لاہور
ستمبر ۱۶ء

کیسے چھپاؤں رازِ غم دیدۂ تر کو کیا کروں
دل کی تپش کو کیا کہوں سوزِ جگر کو کیا کروں

غیر ہیں گرچہ ہمنشیں بزم میں ہے وہ تو حسیں
پھر مجھے لے چلا وہیں ذوقِ نظر کو کیا کروں

غم کا نہ دل میں ہو گذر وصل کی شب ہو یوں بسر
سب یہ قبول ہے مگر خوفِ سحر کو کیا کروں

حال مرا تھا جب بتر تب تو ہوئے نہ تم خبر
بعد مرے ہوا اثر اب میں اثر کو کیا کروں

دل کی ہوس مٹا تو دی ان کی جھلک دکھا تو دی ۔۔۔ پر یہ کہو کہ شوق کی بارِ دگر کیا کروں

شورشِ عاشقی کہاں اور مری سادگی کہاں ۔۔۔ حسن کو تیرے کیا کہوں اپنی نظر کو کیا کروں

حسرتِ نغز گو ترا کوئی نہ قدر داں ملا ۔۔۔ اب یہ بتا کہ میں ترے عرضِ ہنر کو کیا کروں

تاج الکلام نجیب آباد — اگست ۱۹۱۶ء

ان کو دیکھوں یہ مجھ میں تاب کہاں ۔۔۔ لے چلا ہے دلِ خراب کہاں

آپ ہوتے ہیں بے نقاب کہاں ۔۔۔ شوق ہوتا ہے کامیاب کہاں

عارض بے خودی ہے رنج خمار ۔۔۔ اب وہ بد مستیٔ شراب کہاں

بے مثالی کی ہے مثال وہ حسن ۔۔۔ خوبیٔ یار کا جواب کہاں

چھوڑ دوں عفوِ حق پہ فکرِ گناہ ۔۔۔ مجھ سے ہوتا ہے یہ حساب کہاں

حشر پشتارۂ ثواب کا بار ۔۔۔ میں کہاں اور یہ عذاب کہاں

تھا جو مرغوبِ عاشقی حسرتؔ ۔۔۔ اب وہ ہنگامِ اضطراب کہاں

رسالہ صلائے عام دہلی — ستمبر ۱۹۱۶ء

پیروِ مسلکِ تسلیم و رضا ہوتے ہیں ۔۔۔ ہم تری راہِ محبت میں فنا ہوتے ہیں

شرم کر شرم کہ اے جذبۂ تاثیرِ وفا ۔۔۔ تیرے ہاتھوں وہ پشیمانِ جفا ہوتے ہیں

چھیڑتی ہے مجھے بیباکیٔ خواہش کیا کیا ۔۔۔ جب کبھی ہاتھ وہ پابندِ حنا ہوتے ہیں

نہ اثر آہ میں کچھ ہے نہ دعا میں تاثیر ۔۔۔ تیر ہم جتنے چلاتے ہیں خطا ہوتے ہیں

اہلِ دل سنتے ہیں اک سازِ محبت کی نوا ۔۔۔ ہم تری یاد میں جب نغمہ سرا ہوتے ہیں

لذتِ درد نہ کیوں اہلِ ہوس پر ہو حرام ۔۔۔ کہ وہ کمبخت طلب گارِ دوا ہوتے ہیں

کشورِ عشق میں دنیا سے نرالا ہی رواج ۔۔۔ کام جو بن نہ پڑیں یاں وہ روا ہوتے ہیں

یہ بھی ہم سمجھے دو عالم کو تو حیرت کیا ہے — رتبۂ عشاق کے اس سے بھی سوا ہوتے ہیں

جسم ہوتا ہے جدا جان سے گویا حسرت
آسماں ان سے چھڑاتا ہے جدا ہوتے ہیں

تیرے عاشق جو گرفتار بلا ہوتے ہیں — قید افکار سے فی الجملہ رہا ہوتے ہیں

اب جو بگڑے تو خوشامد نہ کریں گے ہم بھی — کہ منانے سے وہ کچھ اور خفا ہوتے ہیں

لے کے حسن سے کہہ جائینگے ہم شوق کی بات — کچھ یونہی خوب مطالب بہ ادا ہوتے ہیں

ڈرتے رہتے ہیں کہ پہنچے نہ کہیں تجھ کو گزند — آہ کے بعد ہی ہم صرف دعا ہوتے ہیں

بات کیا ہے کہ شہ عشق کے منظور نظر — جب کبھی ہوتے ہیں تیرے ہی گدا ہوتے ہیں

یا تو ملتا نہیں ساقی سے ہمیں ایک بھی جام — یا جو ہوتے ہیں تو ایک ساتھ عطا ہوتے ہیں

کامیابی رہ حق میں ہے مسلّم ان کی — جو فنا ہو کے سزاوار بقا ہوتے ہیں

گر یہی آپ کی مرضی ہے تو خوش ہیں ہم بھی — لیجئے آپ سے بیخوفِ سزا ہوتے ہیں

دل سے مجبور نہ ہوتا تو نہ آتا حسرت
آپ اس بات پہ ناحق کو خفا ہوتے ہیں

رسالہ معلومات لکھنؤ
سنہ ۱۹۱۵ء

حسن بے مہر کو پروائے تمنا کیا ہو — جب ہو ایسا تو علاجِ دلِ شیدا کیا ہو

کثرتِ حسن کی یہ شان نہ دیکھی نہ سنی — برق لرزاں ہے کوئی گرمِ تماشا کیا ہو

بے مثالی کے ہیں یہ رنگ جو باوصف حجاب — بے نقابی پہ ترا جلوۂ یکتا کیا ہو

دیکھیں ہم بھی جو ترے حسن دلآرا کی بہار — اس میں نقصان ترا اے گلِ رعنا کیا ہو

ہم غرض مند کہاں مرتبۂ عشق کہاں — ہم کو سمجھیں وہ ہوس کار تو بیجا کیا ہو

دلفریبی ہے تری باعث صد جوش و خروش — حال یہ ہو تو دلِ زار شکیبا کیا ہو

اخبار ہندوستان لکھنؤ — مئی ۱۹۱۶ء

رات دن رہنے لگی اس ستم ایجاد کی یاد
حسرتؔ اب دیکھیے انجام ہمارا کیا ہو

سر یہ حاضر ہے جو ارشاد ہو مر جانے کو
کون ٹالے گا بھلا آپ کے فرمانے کو

دانشِ بحث ہے بیدا نشئ شوق کا نام
لوگ دیوانہ نہ سمجھیں ترے دیوانے کو

بھول جاؤں میں انھیں ہو نہیں سکتا ناصح
آگ لگ جائیو ظالم ترے سمجھانے کو

دیکھ لیں شمع کو تاثیر وفا کے منکر
جل بجھی خود بھی جلایا تھا جو پروانے کو

ہو کے سیراب کرم دل سے دعا دو ساقی
ایک بار اور بھی بھر دے مرے پیمانے کو

فرقتِ یار میں گھنگھور اٹھی ہے جو گھٹا
اشک خوں آنکھ بھی آمادہ ہے برسانے کو

دل یہ کہتا ہے میں ہوں دردِ محبت کا غلام (ق)
جس نے آباد کیا ہے مرے ویرانے کو

روح کہتی ہے مری جان ہے وہ نورِ جمال
کر دیا جس نے منور مرے کاشانے کو

روزانہ اخبار ''ہمدم'' لکھنؤ — اکتوبر ۱۹۱۶ء

ہے فنی کا قول مجھے یاد ہے اب تک حسرتؔ
زندگی کہتے ہیں دنیا سے گزر جانے کو

کامرانی تجھے مبارک ہو
جاودانی تجھے مبارک ہو

اے ترا غم دلوں کو وجہ سرور
شادمانی تجھے مبارک ہو

جاں فشانی مجھے نصیب رہے
دلستانی تجھے مبارک ہو

ہجر میں یادِ یار کی اے دل
میہمانی تجھے مبارک ہو

مرقد عاشقاں پہ آخر کار
گل فشانی تجھے مبارک ہو

باہزاراں جمال و حسن کمال
نوجوانی تجھے مبارک ہو

جام اوّل وہ پی کے خود بولے
جامِ ثانی تجھے مبارک ہو

ہم غریبوں کی خستہ حالی پر
مہربانی تجھے مبارک ہو
نکتہ سنجان عصر کی حسرت
قدر دانی تجھے مبارک ہو

ستمبر ۱۹۱۶

سلطان نظام المشائخ دہلی

[illegible]

جن و ملک ہیں خدام درگاہ
رہتے ہیں تیرے ہو کون آگاہ
مقصد بر آئیں سب حسب دلخواہ
یک رہ ترحم مجھ پر بھی اے شاہ
بیٹھے ہوئے ہیں ہم بھی سر راہ
گذرے ادھر سے شاید دو تیہ جاہ
میں اور دلدادے کفار گمراہ
استغفر اللہ استغفر اللہ
کافی ہیں تیرے سودائیوں کو
جانبازیٔ رہ روشن دلہائے آگاہ
اس نازنین کی محفل میں اک دن
لے چل مجھے بھی اے شوق ہمراہ
فرقت کی شب میں کیا ہو جو حسرت
آجائے مجھ تک وہ شوخ ناگاہ

دستگیری کا طلبگار ہوں شیئاً للہ
میر بغداد میں ناچار ہوں شیئاً للہ
حال دل شرم سے اب تک نہ کہا تھا لیکن
آج نیس درپے اظہار ہوں شیئاً للہ
کرم خاص کے لائق تو نہیں میں پھر بھی
آپ کا غاشیہ بردار ہوں شیئاً للہ
آپ ہی سنئے کہ اب اور کہوں میں کس سے
بستۂ دامن سرکار ہوں شیئاً للہ
مجھ سے اب دین کی پستی نہیں دیکھی جاتی
غلبۂ کفر سے بیزار ہوں شیئاً للہ
بے رخی ہے نہ ہے ہند میں جائے ماندن
سخت مشکل میں گرفتار ہوں شیئاً للہ
جلوۂ پاک نظر آئے تو بر آئے مراد
تشنۂ شربت دیدار ہوں شیئاً للہ
کیا کروں میری دعا بھی تو نہیں ہے مقبول
میں کہ اک فرد گنہگار ہوں شیئاً للہ

غوثِ اعظم سے جو مانگو گے ملے گا حسرتؔ
پس کہو حاضر دربار ہوں شیئاً للہ

حضرت الشہزادی مرحوم و مغفور کی تاریخ وفات ۱۹۱۵

روز و شب رویا کیے شام و سحر رویا کیے
رونے والے تیرے تجھ کو عمر بھر رویا کیے

بیوفائی سب سے کر کے تو نے دی دادِ وفا
تیری اس ہمت پہ تیرے نوحہ گر رویا کیے

خاکساری میں بھی تیری وضعداری کا نکھار نگ
یعنی ہم اس سے بھی کر کے درگذر رویا کیے

کچھ خبر ہے تجھ کو اے آسودۂ خوابِ لحد
شب جو تیری یاد میں ہم تا سحر رویا کیے

تیرے جیتے جی نہ جانی قدر تیری اے عزیز
اپنی اس تقصیر پہ ہم کس قدر رویا کیے

جانِ محزون و دلِ پُر غم کی حالت کیا کہوں
یاد کچھ کر کر کے جو بار دگر رویا کیے

بر وقت کے مرنے کا حسرتؔ واقعہ ایسا نہیں
کچھ نہ روئے آہ اگر ہم عمر بھر رویا کیے

تمہید صلح شوق کے سامان ہو گئے
جتنے تھے ان کے جور سب احسان ہو گئے

حالت قبولِ عذر سے برعکس ہو گئی
ہیں شوخ ہو گیا وہ پشیماں ہو گئے

تجدیدِ لطفِ یار کی لذت میں کیا کہوں
شکوے تمام شکر کے عنوان ہو گئے

ان کی نگاہِ قہر کو ہم نے منا لیا
پھر اس طرح کہ خود بھی وہ حیران ہو گئے

حسرتؔ جو کار و بارِ محبت یہی رہا
سن لو گے ہم بھی صاحبِ دیوان ہو گئے

ہر حال میں ناشادئ دل یاد رہے گی
پابندئ حرمان خداداد رہے گی

بیکار ڈرلاتے ہیں مجھے قیدِ ستم سے
وہ روحِ وفا اور بھی آزاد رہے گی

معمورِ غمِ عشق عجب دل کی ہے بستی
ہر چند اجاڑو اسے آباد رہے گی

انکار اور اک جرعۂ صہبا سے بھی انکار — ساقی یہ تری کم نگہی یاد رہے گی
نسبت جز و کل کی ہے یہ دنیائے عمل میں — اقوام کو محتاجیٔ افراد رہے گی
گھبرا کے کہا روح نے زندانِ جسد میں — کب تک ابھی اس قید کی میعاد رہے گی

میں ہوں وہ رضا جو کہ طبیعت مری حسرت
ناکامیٔ جاوید سے بھی شاد رہے گی

اخبار زمیندار لاہور
سنہ ۱۹۱۴

گر وفاداریٔ اغیار کا شوشہ ہے یہی — جان سے ہم بھی گزر جائینگے سوچا ہے یہی
خندۂ اہل جہاں کی مجھے پرواہ کیا تھی — تم بھی ہنستے ہو مرے حال پر رونا ہے یہی
ہم بھی ہوں در پئے انکار تو کچھ دور نہیں — کہ ترے جور نمایاں کا تقاضا ہے یہی
عین دانائی و حکمت ہے یہ نادانیٔ دل — ہمت عشق فدا کار کا فتویٰ ہے یہی
اس قدر جلد جو پیمان وفا توڑ دیا — آپ ہی کہیئے بھلا آپ کو زیبا ہے یہی
مذہب عشق میں گنجائش تاویل کہاں — دین پر حیف ہے گر دین کا منشا ہے یہی
لے چلو ہم کو جدھر جائیں گے بیچون و چرا — مسلک اہل رضا جادۂ تقویٰ ہے یہی
محفل ناز میں ہیں جمع بتانِ کافر — دل کی ہو خیر کہ اس بزم میں تنہا ہے یہی
دیکھ لیں نور خدا دیکھنے والے حسرت — یعنی اس چہرۂ انور میں چمکتا ہے یہی
مرمٹیں گے جو غم ہجر کی ایذا ہے یہی — اک نہ اک روز ترے عشق میں ہونا ہے یہی
آج اغیار ہیں جو یار تھے کل تک کیا خوب — آپ کے دامن الطاف نے یہ دکھایا ہے یہی
ناگوارا ہے بہت تلخیٔ ہجراں لیکن — تم جو کہتے ہو گوارا تو گوارا ہے یہی
یا ہماری ہی یہ قسمت ہے کہ محروم ہیں ہم — یا مگر ان کی محبت کا نتیجہ ہے یہی

یہ جو اک دردِ محبت کی خلش ہے حسرت
مقصدِ دل ہے یہی جانِ تمنا ہے یہی

وہ عرضِ وصل پہ بگڑے حجاب کے بدلے — نگاہِ ناز نے پہلو عتاب کے بدلے
اگر ہوا بھی تو الٹا اثر دعا میں ہوا — سکونِ یاس ملا اضطراب کے بدلے
خدا کی شان فقیروں کی یاد آئی نہیں — کرم کیا ستم اجتناب کے بدلے
شب وصال شب ماہ گر نہیں تو نہ ہو — اک آفتاب جو ہے ماہتاب کے بدلے
وہ بے نقاب ہوئے بھی تو کیا ہوا کہ رہے — ہجوم حسن کے پردے نقاب کے بدلے
بلا رہے جاں ہیں شہیدوں کو تیرے جور و قصور — یہ کیا عذاب ملا ہے ثواب کے بدلے

فریب سب ہیں یہ آغاز عشق کے حسرت
وہ لے لینگے اس کرم بے حساب کے بدلے

کھا مژدہ وہ بخشش الہی — پیغام نسیم صبح گاہی
در پے ہے مرے وہ حق فراموش — ثابت ہوئی میری بے گناہی
ہے دل کی صلاح جاں فشانی — از راہِ کمال خیر خواہی
کچھ ربطِ جمال و شوق کا حال — معلوم نہ ہو سکا کماہی
روز و شبِ ہجر میں نہیں اب — کچھ فرق سپیدی و سیاہی
جاری ہے دیارِ عاشقی میں ___ — فرمانِ ہلاکی و تباہی
زیبائش حسن دلبراں ہے — یہ کم نگہی، یہ کج کلاہی
از روئے خلوص ہو تو لاریب — دنیا طلبی ہے دیں پناہی

دیتی ہے نگاہ یار حسرتؔ

تذکرۃ الشعراء علیگڈھ جنوری ۱۹۱۶ء نمبر ۹

آگاہی راز کی گواہی

زبسکہ ربط رہا ان کی سرگرانی سے — میں آشنا نہ ہوا عیش کامرانی سے

ہجوم یاس کا غلبہ ہے ناتوانی پر — جسے سکون وہ سمجھے ہیں بدگمانی سے

حضور یار کرے عرض آرزوئے شوق — مجھے امید نہیں تیری بے زبانی سے

جمال یار کی رنگینیاں ادا نہ ہوئیں — ہزار کام لیا ہم نے خوش بیانی سے

انھیں سرور دو عالم سے کیا غرض حسرتؔ

جو شادماں ہیں ترے غم کی میہمانی سے

جو دور سے بھی نظر تجھ پہ بار بار ہم کرتے — ہزار جان گرامی نثار ہم کرتے

ترے خیال سے باتیں ہزار ہم کرتے — غم فراق کو یوں خوشگوار ہم کرتے

ہوائے گل میں نہ پروائے خار ہم کرتے — رہ طلب میں قدم استوار ہم کرتے

کسی پر اپنی محبت کا حال کیوں کھلتا — نظر بھی ان پہ جو بیگانہ وار ہم کرتے

ابھی کچھ اور دم واپسیں ٹھہر جاتا — کچھ اور بھی جو ترا انتظار ہم کرتے

ترے ستم کی شکایت ضرور کیا تھی ہمیں — کہ شوق سے گلہ روزگار ہم کرتے

غبار راہ محبت اگر کہیں ملتا — تو اس کو تاج سر افتخار ہم کرتے

اگر ذرا بھی انھیں مائل کرم پاتے — تو جان زار کو امیدوار ہم کرتے

وہ بار بار سزا جرم عشق پر دیتے — مگر قصور وہی بار بار ہم کرتے

دلوں کی دشت تمنا میں تھی فراوانی — وہ کہتے ہیں کہ کہاں تک شکار ہم کرتے

وہ وقت بھی کہیں آتا کہ عرض حال کے بعد — تری جفا پہ تجھے شرمسار ہم کرتے

ترا خیال نہ دل سے کسی طرح جاتا
تجھے نہ بھولتے کوشش ہزار ہم کرتے

جو نام آپ کا لیتے سکونِ غم کے لئے
تو دل کو اور بھی کچھ بیقرار ہم کرتے

سمجھ کے چھوڑ دیئے بیحساب آخر کار
کہ دل کے داغ کہاں تک شمار ہم کرتے

ابھی سے تجھ پہ فدا ہو گئے تو غم کیا ہے
کہ یہ وہی ہے جو پایانِ کار ہم کرتے

بڑا گناہ کیا ترک مے سے شک میں پڑے
یقین رحمتِ آمرزگار ہم کرتے

عدو سے کہہ دیا ہیں وہ راضی نہ کچھ کھلا حسرتؔ
کہ پھر طریق وہی اختیار ہم کرتے

تاثیر برقِ حسن جو ان کے سخن میں تھی
اک لرزشِ خفی مرے سارے بدن میں تھی

واں سے نکل کے پھر نہ فراغت ہوئی نصیب
آسودگی کی جان تری انجمن میں تھی

اک رنگ التفات بھی اس بیرخی میں تھا
اک سادگی بھی اس نگہ سحر فن میں تھی

محتاج بوئے عطر نہ تھا جسم خوب یار
خوشبوئے دلبری تھی جو اس پیرہن میں تھی

کچھ دل ہی بجھ گیا ہے مرا ورنہ آج کل
کیفیت بہار کی شدت چمن میں تھی

معلوم ہو گئی مرے دل کو زراہ شوق
وہ بات پیار کی جو ہنوز اس دہن میں تھی

غربت کی صبح میں بھی نہیں ہے وہ روشنی
جو روشنی کہ شام سوادِ وطن میں تھی

عیشِ گداز دل بھی غمِ عاشقی میں تھا
اک راحت لطیف بھی ضمن محن میں تھی

اچھا ہوا کہ خاطر حسرتؔ سے مٹ گئی
ہیبت سی اک جو خطرۂ دار و رسن میں تھی

سرورِ دلِ عاشقاں ماہِ خوبی
شہنشاہِ خوباں ہے وہ شاہِ خوبی

ترا حسن کیوں کم نہ ہو جانِ عالم
کہ ہے دل ربائی بھی ہمراہِ خوبی

کوئی عاشقوں میں بھی ہم سا نہ ہوگا　　وفادارِ خوباں۔ ہوا خواہِ خوبی
ہوے جاتے ہیں بندۂ عشق لاکھوں　　زہے سطوتِ خوبی وہ جاہِ خوبی
نہیں عیب کچھ ان میں اور ہو بھی حسرت
تو ہم لوگ ہیں صرف آگاہِ خوبی

رسالہ ذخیرہ حیدرآباد دکن　اپریل ۱۹۱۶ء

غمِ زمانہ سے دل کو فراغ باقی ہے　　ہنوز ان کی محبت کا داغ باقی ہے
نہ عیش کا نہ کچھ اربابِ عیش کا ہے پتا　　نہ خانہ باغ نہ تفریحِ باغ باقی ہے
مسافرانِ فنا کے نشانِ پا سے ہنوز　　مقامِ اہلِ وفا کا سراغ باقی ہے
محبت میں سب پہ تقاضائے نسیمِ بہار　　یہاں کسے ہوسِ باغ و راغ باقی ہے
نہیں جو قدر زمانہ میں لحنِ بلبل کی　　ہنوز غلغلۂ بوم و زاغ باقی ہے
وہ ایک بار جو سونگھی تھی زلفِ یار کی بو　　سو روح آج تلک تر دماغ باقی ہے
دلِ فسردۂ حسرت میں اب وہ بات کہاں
شرابِ جوش کا خالی ایاغ باقی ہے

اس درجہ تجھے مائلِ پرہیز نہ کرتے　　ہم جور جو بے جا سے انگیز نہ کرتے
اب منہ بھی دکھاؤ ہمیں اصرار نہ ہوتا　　خود شوق کی تم آگ اگر تیز نہ کرتے
کچھ خاطرِ عشاق بھی منظور تھی ان کو　　یوں ورنہ جفاہائے وفاخیز نہ کرتے
ہم قول کے صادق ہیں اگر جان بھی جاتی　　واللہ کبھی خدمتِ انگریز نہ کرتے
کافی تھی مجھے دردِ تہِ جام بھی حسرت
کاسہ جو مرا مے سے وہ لبریز نہ کرتے

بہت خجل ہے ترے در سے دعا میری　　یہ خوف ہے کہ نہ سن لے کہیں خدا میری

ہوئی ہے عشق میں عزت پسِ فنا میری | کرامتیں ہیں جو مشہور جا بجا میری

جدھر کو اب وہ چلائے وہی ہے راہِ مراد | رضائے یار سے وابستہ ہے رضا میری

چھپے وہ مجھ سے تو کیا یہ بھی اک ادا نہ ہوئی | وہ چاہتے تھے کہ نہ دیکھے کوئی ادا میری

کہیں وہ آ کے مٹا دیں نہ انتظار کا لطف | کہیں قبول نہ ہو جائے التجا میری

نہ کیوں ہو عشق میں دعوائے امتیاز مجھے | کہ جورِ حسن سے منسوب ہے وفا میری

وہ بگڑے بیٹھے ہیں اس پر کہ ہم کو کیوں چاہا | ہوئی تھی گر تو یہ ثابت ہوئی خطا میری

کبھی چرا کے جو روزن سے بھی تجھے دیکھوں | تو جور کی جو سزا ہو وہی سزا میری

وصالِ یار کی منزل قریب ہے حسرتؔ
ہوئی ہے آرزوئے شوق رہنما میری

رسالہ النظامیہ لکھنؤ ستمبر سنہ ۱۹۱۶ء

ان کو نہ کوئی سمجھے بیداد نہیں کرتے | ہم جور کے خوگر ہیں فریاد نہیں کرتے

دنیا جو ہو دلوا دو، آخر یہ ادا کیا ہے | انکار نہیں ہوتا، ارشاد نہیں کرتے

سر پیشِ ستم اپنا ہرگز نہ فرو ہوگا | اس کارِ غلاماں کو آزاد نہیں کرتے

اس پر بھی کچھ ایسا ہے راضی ہیں ہم دونوں | ہم شاد نہیں ہوتے تم شاد نہیں کرتے

روح ان کی حقیقت میں ویران فراغت ہے | جو دل کو ترے غم سے آباد نہیں کرتے

کب سے درِ دولت پر ہوں منتظرِ رحمت | کچھ آپ مرے حق میں ارشاد نہیں کرتے

کر وقفِ بتاں حسرتؔ تا حق نہ خلوص اپنا
اس جنسِ گرامی کو برباد نہیں کرتے

رسالہ ذخیرہ حیدرآباد دکن سنہ ۱۹۱۶ء

میں ہوں کیا میری محبت کی حقیقت کیا ہے | اس نے بھی کبھی تو نہ پوچھا تری حالت کیا ہے

ہم کو واعظ یہ خبر سب ہے کہ جنت کیا ہے | کوچۂ یار سے لیکن اسے نسبت کیا ہے

جسکی ذلت میں بھی عزت ہو سزا ایں بھی مزا
کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ محبت کیا ہے

مجھ سے برگشتہ نہ ہوتے تو تعجب ہوتا
آپ کو عذر تغافل کی ضرورت کیا ہے

کیوں ہے در پردہ لگاوٹ جو بظاہر ہے گریز
نہ کھلا کچھ نگہ یار کی نیت کیا ہے

شادماں ہوکے ترے درد سے یہ کہتا ہے دل
ہے اذیت جو یہی چیز تو راحت کیا ہے

خوف ہو ان کو تو ہو حسن کی بدنامی کا
ہم ہیں عاشق ہمیں پروائے ملامت کیا ہے

تم یہ پھر بھی تو نہ سمجھے کہ کرم ہے کیا شے
ہم نے پھر بھی نہ جانا کہ شکایت کیا ہے

الناظر لکھنؤ
اکتوبر ۱۹۱۶ء

رندِ مے نوش کبھی، صوفیٔ صافی ہے کبھی
حسرت آخر یہ ترا رنگ طبیعت کیا ہے

جاں کہ پے دوست روانہ ہو گئی
بے خبر کون و مکاں ہو گئی

یاس ہے مایوس کہ چشمِ امید
پھر تری جانب نگراں ہو گئی

دلبری حسن ترے عہد میں
فتنۂ ہر پیر و جواں ہو گئی

پہلے تو ارزاں تھی متاع وفا
اب یہ میرے بعد گراں ہو گئی

کس کی گلی ہے یہ، جہاں بار ہا
روح مری نالہ کناں ہو گئی

کس کو یہ دیکھا کہ میرے دل کی آنکھ
قبلۂ صاحب نظراں ہو گئی

یاد الٰہی میں کٹی تھی جو عمر
آج وہی نذر بتاں ہو گئی

ہم سے تھی مخصوص۔ پر اب وہ نظر
ماہ تانہ دگراں ہو گئی

جسم کی تکلیف ترے شوق میں
میرے لیے راحتِ جاں ہو گئی

موت سے پوری ہوئی شرطِ وفا
پر نہ کہا تم نے کہ ہاں ہو گئی

روح کو حاصل ہوا ذوقِ عشق
مشغلِ سود و زیاں ہو گئی

رسالہ اسوۂ حسنہ میرٹھ

اکتوبر سنہ ۱۹۱۶ء

ضبط سے حسرت نہ چھپا رازِ غم
حالتِ دل صاف عیاں ہو گئی

ضیا ہے مہر ہے نورِ قمر ہے — جمالِ یار ہر سو جلوہ گر ہے
نہیں کچھ کائناتِ عشقِ خوباں — فریبِ حسن و نیرنگِ نظر ہے
سرشکِ شوق کے رتبے ہیں عالی — کہ ان سے آستینِ حسن تر ہے
نہیں اک دل ہی بیتابِ غمِ ہجر — کہ حالِ جاں بھی کچھ نوعِ دگر ہے
چلے ہیں چھوڑنے کو سر کہاں ہم — کہ اس در تک بھلا کس کا گذر ہے
ہے زاہد کو بھی فکرِ ترکِ دنیا — غرض یاں رنج سے کس کو مفر ہے
دلِ مضطر کو ڈھونڈو اس گلی میں — وہیں ہوگا کہیں موجود اگر ہے
وظیفے سب چھٹے، اک نام تیرا — دعا ہے شام ہے وردِ سحر ہے

بظاہر بے خبر ہے عقل حسرت
حقیقت میں اسے سب کچھ خبر ہے

رسالہ تمدن لکھنؤ
اکتوبر سنہ ۱۹۱۶ء

بہ تقلید انداز جرأت

چپکے چپکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے — ہم کو اب تک عاشقی کا وہ زمانہ یاد ہے
باہزاراں اضطراب و صد ہزاراں اشتیاق — تجھ سے وہ پہلے پہل دل کا لگانا یاد ہے
بار بار اٹھنا اسی جانب نگاہِ شوق کا — اور ترا غرفے سے وہ آنکھیں لڑانا یاد ہے
تجھ سے کچھ ملتے ہی وہ بیباک ہو جانا مرا — اور ترا دانتوں میں وہ انگلی دبانا یاد ہے
کھینچ لینا وہ مرا پردے کا کونا دفعتاً — اور دوپٹے سے ترا وہ منہ چھپانا یاد ہے
جان کر سوتا تجھے وہ قصدِ پابوسی مرا — اور ترا ٹھکرا کے سر وہ مسکرانا یاد ہے
تجھ کو جب تنہا کبھی پاتا تو از راہِ لحاظ — حالِ دل باتوں ہی باتوں میں جتانا یاد ہے

جب سوا میرے تمہارا کوئی دیوانہ نہ تھا — سچ کہو کچھ تم کو بھی وہ کارخانہ یاد ہے
غیر کی نظروں سے بچ کر سب کی مرضی کے خلاف — وہ ترا چوری چھپے راتوں کو آنا یاد ہے
آ گیا گر وصل کی شب بھی کہیں ذکر فراق — وہ ترا رو رو کے مجھ کو بھی رلانا یاد ہے
دوپہر کی دھوپ میں میرے بلانے کے لئے — وہ ترا کوٹھے پہ ننگے پاؤں آنا یاد ہے
آج تک نظروں میں ہے وہ صحبتِ راز و نیاز — اپنا جانا یاد ہے تیرا بلانا یاد ہے
میٹھی میٹھی چھیڑ کر باتیں نرالی پیار کی — ذکر دشمن کا وہ باتوں میں اڑانا یاد ہے
دیکھنا مجھ کو جو برگشتہ تو سو سو ناز سے — جب منا لینا تو پھر خود روٹھ جانا یاد ہے
چوری چوری ہم سے تم آ کر ملے تھے جس جگہ — مدتیں گزریں پر اب تک وہ ٹھکانا یاد ہے
شوق میں مہندی کے وہ بیدست و پا ہونا ترا — اور مرا وہ چھیڑنا وہ گدگدانا یاد ہے
باوجودِ ادعائے اتقا حسرت مجھے
آج تک عہد ہوس کا وہ فسانا یاد ہے

رسالہ المدن لکھنؤ نومبر ۱۹۱۰ء

بہ پیروی مصحفی

پردے سے اک جھلک جو وہ دکھلا کے رہ گئے — مشتاقِ دید اور بھی للچا کے رہ گئے
گم کردہ راہِ عشق فنا کیوں نہ ہو گیا — احساں ہوا اس پہ خضر و مسیحا کے رہ گئے
آئینے میں وہ دیکھ رہے تھے بہار حسن — آیا مرا خیال تو شرما کے رہ گئے
جب عاشقوں سے صدمۂ ہجراں نہ اٹھ سکا — آخر کو ایک روز وہ سم کھا کے رہ گئے
جب وہ چھٹا تو کچھ نہ رہا دل میں ان مگر — داغ فراق اس گل رعنا کے رہ گئے
ملنے کی ان سے ایک بھی صورت نہ بن پڑی — سارے منصوبے دلِ دانا کے رہ گئے
روکا جو بزم غیر سے آتے ہوئے انہیں — کہتے بنا نہ کچھ وہ قسم کھا کے رہ گئے
بیباک تقاضا بسکہ مرا اضطراب شوق — شرما کے وہ کبھی کبھی جھنجھلا کے رہ گئے

دل کی لگی بجھا بھی وہ سکتے تو بات تھی — یہ کیا ہوا کہ آگ ہی بھڑکا کے رہ گئے

آئے بھی وہ چلے بھی گئے وہ مثالِ برق — دل ہی میں حوصلے دلِ شیدا کے رہ گئے

کیا دل میں آ گئی جو زراہِ کمالِ رحم — دعوئی وہ میرے قتل کا فرما کے رہ گئے

پہلے تو خون میرا بہایا خوشی خوشی — پھر کیا وہ خود ہی سوچ کے پچھتا کے رہ گئے

دعوئے عاشقی ہے تو حسرت کرو نباہ
یہ کیا کہ ابتدا ہی میں گھبرا کے رہ گئے

حور و غلماں پہ کیوں فدا ہوتے — اہلِ ظاہر جو پارسا ہوتے

کچھ بھی ہوتا جو اختیار اپنا — تجھ سے کاہے کو ہم جدا ہوتے

شوق کو اتقا سے کیا نسبت — رند ہوتے نہ ہم تو کیا ہوتے

کس قدر سہل ہے حصولِ بقا — دیر لگتی نہیں فنا ہوتے

ہم کو ہوتی نہ خرمی کی ہوس — گر ترے غم سے آشنا ہوتے

تم لگاتے جو اپنے ہاتھ سے تیغ — سب مرے زخمِ دل کشا ہوتے

حالِ دل ان سے کیوں کہا حسرت
تم نہ کہتے نہ وہ خفا ہوتے

رسالہ مخزن لاہور — اکتوبر ۱۹۱۲ء

آپ نے قدر کچھ نہ کی دل کی — اڑ گئی مفت میں ہنسی دل کی

خوب ہے از بسکہ عاشقی دل کی — غم سے وابستہ ہے خوشی دل کی

یاد ہر حال میں رہے وہ مجھے — الغرض بات رہ گئی دل کی

مل گئی ہم کو ان سے دادِ وفا — جو نہیں جانتے لگی دل کی

چین سے محوِ خوابِ ناز ہیں وہ — بیکلی ہم نے دیکھ لی دل کی

ہے تن صرفِ ہوشیاریٔ عشق — کچھ عجب شے ہے بیخودی دل کی
ان سے کچھ تو ملا وہ غم ہی سہی — آبرو کچھ تو رہ گئی دل کی
مر مٹے ہم نہ ہو سکی پوری — آرزو تم سے ایک بھی دل کی

وہ جو بگڑے رقیب سے حسرت
اور بھی بات بن گئی دل کی

رسالہ تذکرۃ الشعراء علی گڈھ — جولائی سنہ ۱۹۱۲ء

نشانۂ ستمِ بے حساب رہنے دے — خرابِ حالِ وفا کو خراب رہنے دے
نہ چھیڑ دیکھ انھیں محوِ خواب رہنے دے — خدا کے واسطے اے اضطراب رہنے دے
شتاب کارِ محبت ہوں میں نہیں معلوم — کہ چین سے انھیں کب تک حجاب رہنے دے
ہزار عشق تری چشمِ نیم وا پہ نثار — نہ ڈال مجھ پہ یہ افسونِ خواب رہنے دے
بڑے عذاب میں ہے جانِ بیکشاں ساقی — نہیں شراب تو ذکرِ شراب رہنے دے
زمانِ شیب میں اے یارِ ہمنشیں مجھسے — بیانِ قصۂ عہدِ شباب رہنے دے
تو اپنی سادگیٔ حسن آئینے میں نہ دیکھ — یونہی ہے خوب اسے لاجواب رہنے دے
تجھے یہ کس نے سکھائی فریبِ حسن کی بات — کہ اہلِ شوق کو ناکامیاب رہنے دے

میں چاہتا تو بہت ہوں کہ چپ رہوں حسرت
پہ جب یہ خاطرِ بے صبر و تاب رہنے دے

تخمیس حسرت موہانی بر غزلیات خواجہ حافظ و امیر خسرو

وہ رنگین گلِ گلشنِ رہنمائی — وہ سرمایۂ نازشِ مقتدائی
وہ زیبندۂ مسندِ مصطفائی — سلامے چو بوئے خوشِ آشنائی

بداں مردم دیدۂ روشنائی

بدرگاہ آں دلبر دلربایاں　　جبیں ہیچ ناید وما بینوایاں
دعائے چو حسن تمنائے مایاں　　درودے چو نورِ دلِ پارسایاں
بداں شمع خلوت گہ پارسائی

خبردار اے میکشِ ناشکیبا　　نہ کرنا کہیں ترکِ مے کا ارادہ
بر آنے کو ہے تیرے دل کی تمنا　　نہ کوئے مغاں رو مگرداں کہ آنجا
فروشند مفتاحِ مشکل کشائی

رہا کیوں نہ فرمانِ حق کا متابع　　ہوئی خدمت غیر میں عمر ضائع
مضر ہے وہ سمجھے ہیں سب جسکو نافع　　مرا گر تو بگذاری اے نفس طامع
بسے پادشاہی کنم در گدائی

رہ حق میں پہنچے جو تجھ کو اذیت　　نہ ہو اس سے ہرگز تری پست ہمت
رہے یاد حسرت یہ ہردم نصیحت　　مکن حافظا از جور گردوں شکایت
چہ دانی تو اے بندہ کار خدائی

اے وجہِ سر درد بادہ نوشاں　　وے باعثِ نازِ دلق پوشاں
اے موجبِ حیرت خموشاں　　اے میر ہمہ شکر فروشاں
توبہ شکن صلاح کوشاں

کہئے جسے لذتِ اتفاقی　　اس سے کبھی نہ ہم ہوئے ملاقی
بدلی نہ وہ حالت فراقی　　عشاق زدستِ چوں تو ساقی
خونابہ بجائے بادہ نوشاں

کرتا ہے کوئی تری شکایت
کوئی ترے لطف کی روایت
یعنی بہ شکایت و حکایت
از تو سخنے بہر ولایت
خسرو بہ ولایت خموشاں
حیران جمال پاک رویت
سرگشتۂ شوق جستجویت
جاں باختہ ہوائے کویت
دیوانہ شدم در آرزویت
لے چشم ہمہ جہاں بسویت
ہر چند کہ جرم او کبیر است
بر درگہ عفو تو فقیر است
اے آنکہ عطائے تو کثیر است
خسرو بکمند تو اسیر است
بیچارہ کجا رود زکویت
مبارک تھا عجب وہ وقت مسعود
ہوا جب دامن تقویٰ مے آلود
ز روئے التفات وا زرہ جود
چو شوقم دید در ساغر مے افزود
بگفتم ساقی فرخندہ پے را
بلندی ہے نظر میں اب نہ پستی
نہ ویرانہ ہی بھاتا ہے نہ بستی
بنا کر سر بسر مغلوب مستی
رہانیدی مرا از شر ہستی
جزاک اللہ فی الدارین خیرا
ہوا زہد ریائی سے میں تائب
محاسن ہو گئے میرے معائب
مٹائے تو نے سب رنج و مصائب
حماک اللہ عن شر النوائب
جزاک اللہ فی الدارین خیرا

زغم ہائے جہاں با کسے ندارد　　بہ شغلِ عشق مے خوش میگذارد
کسے را ہیچ در خاطر نیارد　　چو بیخود گشتہ حافظ کے شمارد
بیک جو دولتِ کاؤس و کے را

دیوان حسرت

موہانی

حصّہ سوم

جس میں مولانا سید فضل الحسن حسرت موہانی اڈیٹر اردوئے معلی علی گڑھ کی غزلیں درج ہیں جو دیوانِ حسرت حصہ دوم کی ترتیب و تدوین کے بعد لکھی گئیں

اور جو

اکتوبر ۱۹۱۶ء سے جولائی ۱۹۱۷ء تک اردو زبان کے قریب قریب کل رسالوں اور اخباروں میں شائع ہو کر عام طور پر مشہور اور مقبول ہو چکی ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

درسِ حق جاری ہے یاں بھی حسرتؔ آزاد کا
قید خانہ مدرسہ گویا ہے فیض آباد کا

کامیابی پر غضب نازاں ہیں ارباب ہوس
ہر طرف اک شور برپا ہے مبارکباد کا

یہ بھی کیا انصاف ہے اے دشمنِ اہل وفا
ہم ہیں ناکام یوں اور کام ہو حُساد کا

ٹوٹ جائے کیوں نہ ہمت عاشق ناکام کی
جب نتیجہ کچھ نہ نکلے کوشش برباد کا

مان لیں گے آپ کی خاطر سے یہ بھی ہم مگر
بھید کچھ کھلتا نہیں ہے آپ کے ارشاد کا

جلوۂ امید گویا درمیانِ فکر و یاس
اک نمونہ ہے چراغِ رہ گذارِ باد کا

سن کے ذکر عشق رہ جاتے ہیں اکثر ہم خموش
اب تلک اتنا اثر باقی ہے انکی یاد کا

لطف کی نوبت بھی آئے گی کبھی اے ناز یار
ختم بھی ہوگا کہیں یہ سلسلہ بیداد کا

شاہِ جیلاں سے یہ حسرتؔ عرض ہے اسلام کی
یوں نہ ہونا چاہئے تھا فیصلہ بغداد کا

دلِ مایوس کو گر دیدۂ گفتار کر لینا
وہ ان کا پردۂ انکار میں اقرار کر لینا

سکون یاس بھی ممکن نہیں اب ہم غریبوں کو
قیامت ہے کسی کا وعدۂ دیدار کر لینا

کہیں آئے جو آنا ہے کہ ہو لیں شاد کچھ ہم بھی
ہمارے بعد پاسِ خاطر اغیار کر لینا

ستم سے وہ نہ باز آئے تو ہم پر بھی ہوا لازم
دلِ مجبور کو خوگر دۂ آزار کر لینا

حصولِ رحمتِ حق کیلئے کافی ہے محشر میں — گُلِ عصیاں کو زیبِ طرّۂ دستار کر لینا

وہ دن اب یاد آتے ہیں بہار خونفشانی کے — وہ میرا جیب کو، دامن کو بھی گلنار کر لینا

یہ کیا ایذا پسندی ہے کہ حسرتؔ عشقِ جاناں میں

تجھے ہر عقدۂ آساں کو بھی دشوار کر لینا

بجا ہے عاشقی میں ہم کو دعویٰ سرفرازی کا — کہ نکلا ہے ہمیں سے نام تیری دلنوازی کا

رہے گا حشر تک افسانہ باقی عشق و نازوں میں — ہماری جانفشانی کا تمہاری بے نیازی کا

ملامت بار ہے ظاہر سے میں بیغم ہوں کہ باطن میں — ملا ہے سلسلہ حسنِ حقیقی سے مجازی کا

مٹا کر مجھ کو تکلیفیں مٹا دیں سب محبت کی — ادا اس بے وفا نے کر دیا حق چارہ سازی کا

یہ آخر تا کجا مشقِ جفا کچھ حد بھی ہے ظالم — زمانہ ہو گیا پامال تیری ترکتازی کا

مصیبت اسکو راحت ہے فراغت اسکو زحمت ہے — مزا کچھ دل کو ایسا پڑ گیا ہے عشقبازی کا

نظربازی کی حسرتؔ خوبری ہے ورنہ لوگوں میں

بہت شہرہ سنا تھا ہم نے تیری پاکبازی کا

اخبار وکیل امرتسر

نومبر ۱۹۱۶ء

ایمان واتقا ہی نہیں شانِ اولیا — بے حزن و خوفِ غیر بھی ہے جانِ اولیا

اسلام بے مثال ہے اسلامِ عاشقاں — ایجان بے نظیر ہے ایمانِ اولیا

اسلامِ عاشقاں کی اگر ہے طلب تجھے — اے دل بگیر دامنِ سلطانِ اولیا

آئی ہوئی رضائے الٰہی کی ہے برات — سب کربلا میں جمع ہیں مہمانِ اولیا

گلگوں لباسِ خونِ شہادت پہن کے آج — دولہا بنے گا وہ شہِ خوبانِ اولیا

روشن ہے نورِ صبر و سکوں سے سوادِ شام — تاباں ہے صبحِ عشق درخشانِ اولیا

زنجیر و طوقِ ظلم کا عابد کو غم نہیں — ہمرنگ بزمِ عیش ہے زندانِ اولیا

صبر و صلوٰۃ عشق سے ہیں سب کے دل قوی — ثابت قدم ہیں سارے مریدانِ اولیا

ہر سو عیاں ہے صبغۃ اللہ کی بہار — رونق پہ ہے خزاں میں بھی بستانِ اولیا

جانیں ہوئیں ہیں جن کی رہِ شوق میں نثار — حاشا جو ہوں فنا وہ محبانِ اولیا

حسرت حسینؑ ابن علیؑ کا ہوں میں غلام
حاصل ہے مجھ کو فضل نمایانِ اولیا

رسالہ نقاد آگرہ — مئی ۱۹۱۷ء

یاں پر آنے لگے وہ سامنا ہونے لگا — اب تو اظہارِ محبت بر ملا ہونے لگا

عشق سے پھر خواہشِ ترکِ وفا ہونے لگا — پھر فریبِ حسن سرگرم ادا ہونے لگا

کیا کہا میں نے جو ناحق تم خفا ہونے لگے — کچھ سنا بھی یا کہ یونہی فیصلہ ہونے لگا

اب غریبوں پر بھی ساقی کی نظر پڑنے لگی — بادۂ پس خوردہ ہم کو بھی عطا ہونے لگا

میری رسوائی سے شکوہ ہے یہ انکے حسن کو — اب جسے دیکھو وہ میرا مبتلا ہونے لگی

یاد پھر اس بے وفا کی ہر گھڑی رہنے لگی — پھر اسی کا تذکرہ صبح و مسا ہونے لگا

کچھ نہ پوچھو حال کیا تھا خاطرِ بیتاب کا — ان سے جب مجبور ہو کر میں جدا ہونے لگا

شوق کی بیتابیاں حد سے گزر جانے لگیں — وصل کی شب وا جو وہ بندِ قبا ہونے لگا

کثرتِ امید بھی عیش آفریں ہونے لگی — انتظارِ یار بھی راحت فزا ہونے لگا

غیر سے مل کر انہیں ناحق ہوا میرا خیال — مجھ سے کیا مطلب بھلا میں کیوں خفا ہونے لگا

قیدِ غم سے تیرے جاں آزاد کیوں ہونے لگی — دامِ گیسو سے ترے دل کیوں رہا ہونے لگا

کیا ہوا حسرت وہ تیرا ادعائے ضبطِ غم
وہ ہی دن میں رنجِ فرقت کا گلا ہونے لگا

اخبار نئی روشنی الہ آباد — جنوری ۱۹۱۷ء

اک شوخ بے وفا پہ دل آیا حضور کا — آخر پڑا نا صبر دلِ ناصبور کا

ایسا بھی دے کے دل کو کوئی مجبورِ غم نہ ہو
یوں بھی نہ خاتمہ ہو کسی کے غرور کا

اب ہیں گناہِ عشق میں خود وہ بھی مبتلا
مجھ پہ گماں جو کرتے تھے فسق و فجور کا

خودداریوں میں عشق ہمارا بھی فرد ہے
غرہ بہت نہ ہو انھیں حسنِ غیور کا

دو شوق سے جو چاہو سزا جرم شوق کی
خود مجھ کو اعتراف ہے اپنے قصور کا

دنیا میں تو ملی نہ ہمیں دادِ صبر کی
اک آسرا اب اور ہے روزِ نشور کا

سچ ہے ضرور، پر مجھے آتا نہیں یقیں
حسرتؔ ہے سخت واقعہ مرنا ظہور[1] کا

حائل تھی بیچ میں جو رزائی تمام شب
اس غم سے ہم کو نیند نہ آئی تمام شب

کی پاس سے ہوس نے لڑائی تمام شب
تم نے تو خوب راہ دکھائی تمام شب

پھر بھی تو ختم ہو نہ سکی آرزو کی بات
ہر چند ہم نے ان کو ستائی تمام شب

بیباک ملتے ہی جو ہوئے ہم تو شرم سے
آنکھ اس پری نے پھر نہ ملائی تمام شب

دل خوب جانتا ہے کہ تم کس خیال سے
کرتے رہے عدو کی برائی تمام شب

پھر شام ہی سے کیوں وہ چلے تھے چھڑا کے ہاتھ
دکھتی رہی رہی جو ان کی کلائی تمام شب

حسرتؔ سے کچھ وہ آتے ہی ایسے ہوئے خفا
پھر ہو سکی نہ ان سے صفائی تمام شب

مجھ کو اس جانِ جاں سے کیا نسبت
خار کو سیم اں سے کیا نسبت

پایۂ عرش ہے بلند مگر
آپ کے آستاں سے کیا نسبت

---

[1] سید ظہور الحسن برادر زادہ حسرتؔ انتقال دسمبر ۱۹۱۶ء

خاکِ یثرب کی سرفرازی کو / پستیٔ آسماں سے کیا نسبت

ذرۂ خاکِ راہِ یار ہوں میں / مجھ کو شوقِ جناں سے کیا نسبت

جانِ واعظ ہے ذکر و فکرِ بہشت / ہم کو اس داستاں سے کیا نسبت

دل کو صبر و سکوں سے کیا مطلب / مجھ کو تاب و تواں سے کیا نسبت

لاابالی مزاج حسرت کو
فکرِ سود و زیاں سے کیا نسبت

غم کو اس نوجواں سے کیا نسبت / فصلِ گل کو خزاں سے کیا نسبت

اور خنجر بھی تیز ہیں لیکن / تیری تیغِ رواں سے کیا نسبت

سخنِ پیر شاعراں کو بھلا / میری فکرِ جواں سے کیا نسبت

میں کہ مایوسِ عاشقی ہوں مجھے / خاطرِ شادماں سے کیا نسبت

نارِ دوزخ سے کیوں ڈروں کہ اسے / میرے سوزِ نہاں سے کیا نسبت

پائے گل شاہدانِ گلشن کو / میرے سرو رواں سے کیا نسبت

عشقِ ناکردہ کار کو حسرت
حسنِ دامن کشاں سے کیا نسبت

نامرادی کا دلِ زار کو شکوہ ہے عبث / اور کچھ اس کے سوا ان سے تمنا ہی عبث

واقفِ رحم نہیں اس شہِ خوباں کی نظر / عاشقی مملکتِ حسن میں رسوا ہی عبث

خو سے اس محوِ تغافل کے جو آگاہ نہیں / آرزو وعدۂ جاناں پہ شکیبا ہے عبث

حالِ دل ان سے نہ پوشیدہ رہا ہے نہ رہے / اب تو اس رازِ نمودار کا اخفا ہی عبث

ہجرِ ساقی میں بھلا کس کو خوش آئے گی شراب / ہم کو تو طلبِ ساغر و مینا ہے عبث

مست غفلت ہے وہ ظالم جو نہیں بیخودِ عشق
ہوشیاری کا ترے دور میں دعویٰ ہے عبث

ہم کو اس شوخ سے امید کرم ہے لیکن
یاس کہتی ہے کہ حسرت یہ تمنا ہے عبث

کچھ مرے کام نہ آئیگا طبیبوں کا علاج
ہے ترے کس سے ہو برگشتہ نصیبوں کا علاج

کیا ہوا گر نہ کیا اس نے دلِ زار پر رحم
کون کرتا ہے بھلا ایسے غریبوں کا علاج

اب تمہیں آؤ تو شاید ہمیں صحت ہو نصیب
ہو چکا خوب عزیزوں کا حبیبوں کا علاج

محفل حسن میں ہے دخل ہوس آج تلک
بن پڑا آپ سے کچھ بھی نہ رقیبوں کا علاج

رسالہ مخزن لاہور

حال دل پہلے ہی ابتر تھا اور اب تو حسرت
نہ عزیزوں کی دعا ہے نہ طبیبوں کا علاج

اپریل ۱۹۱۷ء

عشق میں ہیچ ہے پابندیٔ برہا نکی صلاح
ماننا چاہیے ہم کو دلِ ناداں کی صلاح

دل بھی راضی ہے کہ آلودۂ فریاد نہ ہو
ہم بھی خوش ہیں کہ یہی ہے غمِ پنہاں کی صلاح

زندگی درد پہ موقوف ہے اے چارہ گرو
یہ مری موت کے ساماں ہیں کہ درماں کی صلاح

دل افسردۂ عاشق کے لیے ہے بیکار
دو تو سیرِ گل و سنبل و ریحاں کی صلاح

جانِ افگار پہ طاری ہوئی رقت کیا کیا
آبلوں سے جو سنی خارِ مغیلاں کی صلاح

جل بجھے اب یہ کہیں جلد، کہ ہوتی ہے یہی
دلِ سوزاں کے لئے دیدۂ گریاں کی صلاح

در پئے عشق رہی خاطرِ دشوار پسند
نہ سنی ہم نے کسی خواہشِ آساں کی صلاح

موسمِ گل میں عجب کیا ہے اگر مان گیا
شوقِ پیمانہ طلب مستیٔ پیماں کی صلاح

رسالہ ترجمان لاہور

کیسے کہدوں کہ میں اب بھی نہ پیوں گا حسرت
حکمِ ناصح تو نہیں ساقیٔ دوراں کی صلاح

یونہیں بڑھتا جو رہا دستِ مئے ناب کا نرخ
نقدِ جاں ٹھہرے نہ اس گوہرِ نایاب کا نرخ

لطف کیا تیری جفا بھی تو کرے گی نہ قبول — کچھ ابھی اور گھٹے گا دلِ بیتاب کا نرخ

حسن کے ملک میں یہ جنس بہت ہے حسرت
کیوں نہ ارزاں ہو غمِ شوق کے اسباب کا نرخ

باطن میں ہیں آزاد بظاہر ہیں نظر بند — ہے دیدۂ دل باز یہاں دیدۂ سر بند
بیگانۂ تفصیل ہیں لب ہائے شکایت — جب سے کہ ہوئی کشورِ حرماں کی نظر بند
فریاد کو دل کی کوئی پہنچا ہے نہ پہنچے — گویا ہے کہ دعاؤں پہ مری بابِ اثر بند
نیند ان کی اڑی جاتی ہے بانگِ دلِ نالاں — کیا اب بھی نہ ہوگا یہ ترا وردِ سحر بند

اس غم طلبی کی بھی کوئی حد ہے کہ حسرت
بےچین ہوئے ہم جو ہوا دردِ جگر بند

(رسالہ تمدن لکھنؤ)
مارچ ۱۹۱۲ء

وہ ملیں آکے، ملا کوئی نہ ایسا تعویذ — یوں تو ہم سے نہ بچا ایک بھی گنڈا تعویذ
تم نے اک خط جو لکھا تھا سو بہ راحتِ جاں — ہم نے اس نقشِ محبت کا بنایا تعویذ
اضطرابِ دلِ بیتاب میں ہوگی نہ کمی — ہاتھ آئے گا نہ جب تک کوئی ان کا تعویذ
قابلِ دید ہے اس شاہدِ رعنا کی بہار — شوخ کچھ تم سے بھی ہے بڑھ کے تمہارا تعویذ

دلِ دیوانۂ حسرت ہے اسی کا تو ہلاک
وہ گلے میں ترے سرخ پڑا تھا تعویذ

چھپ نہیں سکتی چھپانے سے محبت کی نظر — پڑ ہی جاتی ہے رخِ یار پہ اغیار کی نظر
یوں نہیں گر دیدہ نہیں کچھ تری صورت کی نظر — مگر اس رنگ میں جویا ہے حقیقت کی نظر
گرچہ ہے پردۂ انکار میں ہمشکل عتاب — پھر بھی ہے صاف نمایاں وہ اجازت کی نظر
حسن کا راز نہ پوشیدہ رہا ہے نہ رہے — چاہنے والے بھی رکھتے ہیں قیامت کی نظر

ہجر میں رہنے لگیں اور بھی کچھ یاد نہیں
وہ مراعات کی باتیں وہ مروت کی نظر

آسرا ہم بھی لگائے ہوئے بیٹھے ہیں ترا
اس طرف بھی کوئی ہو جائے عنایت کی نظر

ہم کہ غلطیدۂ خوں تجھ کو مبارک حسرت
ان کی رحمت کے یہ انداز یہ رافت کی نظر

رسالہ الناظر لکھنؤ — فروری ١٩١٥ء

وہ قامتِ بلند نہیں در قبائے ناز
اک سروِ ناز ہے جو بنا ہو برائے ناز

اس نازنیں پہ ختم ہیں سب شیوہ ہائے ناز
جس کو بنا کے خود بھی ہے نازاں خدائے ناز

کیا کیا نہ آرزو کے بڑھیں دل میں حوصلے
رکھ دیں کبھی جو فرقِ ہوس پر وہ پائے ناز

اربابِ اشتیاق ہیں اور انتہائے شوق
حالانکہ حسنِ یار ہے اور ابتدائے ناز

ہم پر نگاہِ یار سے گزرا جو تھا کبھی
ہے آج تک وہ پیشِ نظر ماجرائے ناز

کچھ یونہیں اپنے حسن پہ مغرور تھا وہ شوخ
کچھ لے اڑی ہے اور بھی اسکو ہوائے ناز

اہلِ نظر کی جان ہے جس چیز پر نثار
اک بات ان میں اور بھی کچھ ہے ورائے ناز

پھیلی جو ان کے برقِ تبسم کی روشنی
لبریزِ نور ہو گئی یکسر فضائے ناز

حیران کارِ حسن بنا ہے زبانِ عشق
یعنی وہ مدحِ غمزہ کرے یا ثنائے ناز

شوقِ لقائے یار میں مرتے تو ہو مگر
حسرت جو نقدِ جاں بھی نہ ٹھہرے بہائے ناز

بسکہ نکلی نہ کوئی جی کی ہوس (ق)
اب ہوں میں اور بیدلی کی ہوس

کہ رہے دل نہ بیقراریٔ دل
عاشقی ہو نہ عاشقی کی ہوس

وہ ستمگر بھی ہے عجیب کوئی
کہ ہوئی دل کو پھر اسی کی ہوس

پھرتی رہتی ہے آدمی کو لیے
خوار، دنیا میں آدمی کی ہوس

دونوں یکساں ہیں بیخودی میں ہمیں
فکرِ غم ہے نہ خرمی کی ہوس

واقفِ لذتِ جنوں جو ہوا — نہ رہی اس کو آگہی کی ہوس
ان کو دیکھا ہے جب سے گرم عتاب — آرزو کو ہے خودکشی کی ہوس
کر سکیں بھی تو ہم فقیر ترے — نہ کریں تاجِ خسروی کی ہوس
ہجرِ ساقی کے دور میں حسرت — اب نہ مے ہے نہ میکشی کی ہوس

رسالہ ذخیرہ حیدرآباد — دسمبر ۱۹۱۶ء

کوئی ہے دلفروش کوئی ہے جگر فروش — اک میں ہوں ترے چاہنے والوں میں سرفروش
دیکھیں جو اور کو بھی تجھے دیکھنے کے بعد — اے حسنِ یار ہم وہ نہیں ہیں نظر فروش
ناحق عتابِ یار سے کیوں ہیبت آفریں — ہم خوگرِ ستم ہیں نہ ہوں گے خطر فروش
پھر میرے زخمِ دل پہ چھڑکتے ہیں کیوں نمک — مشہورِ خلق جبکہ وہ لب ہیں شکر فروش
مایوسیِ فراق نے دل سرد کر دیا — نالے ہیں اب وہ گرم نہ آہیں شرر فروش
عنقا ہوں اہلِ ذوق تو قدرِ سخن کہاں — حسرت لقب ہے ٹھیک تمہارا ہنر فروش

الناظر لکھنؤ — اپریل ۱۹۱۶ء

اک بڑی منزلِ پرخوف و خطر ہے درپیش — روح کو عالمِ بالا کا سفر ہے درپیش
محفلِ حسن میں سب جمع ہیں خوبانِ جہاں — امتحانِ دلِ اربابِ نظر ہے درپیش
غم یہ تھا پہلے کہ نالوں میں نہیں کیوں تاثیر — وہ جو مضطر ہیں تو اب رنجِ اثر ہے درپیش
اب یہ ہے کوئی کہ ہم اہلِ نظر جائیں کہاں — ہر طرف مسئلۂ عرضِ ہنر ہے درپیش
منزلِ بےہنری میں انہیں کرنا ہے قیام — سخت مشکل یہ پئے اہلِ ہنر ہے درپیش
ہو جنہیں شوقِ شہادت انہیں کیا خوف بھلا — قید کا مرحلۂ نرم اگر ہے درپیش
فکرِ دنیا کے بکھیڑے بھی غضب ہیں حسرت — ہر دم اک مسئلۂ نفع و ضرر ہے درپیش

رسالہ مخزن لاہور فروری ۱۹۱۷ء

ہے کسے خدمتِ اسلام کی حرص
لوگ رکھتے ہیں فقط نام کی حرص

دین قائم ہو تو کیا چیز ہے غم
حرص دنیا ہو تو کس کام کی حرص

رہنماؤں کے لیئے خاص ہے فرض
طلبِ مصلحتِ عام کی حرص

پی لیا کرتے ہیں چلو سے شراب
مے پرستوں کو نہیں جام کی حرص

ہم کو لے آئی ہے تجھ تک صیاد
لذتِ کشمکشِ دام کی حرص

اس جفا کار کا اب تک ہے خیال
دیدنی ہے دلِ ناکام کی حرص

دل پہ القائے غمِ شوق کے بعد
ہم کو باقی نہیں الہام کی حرص

اس پہ دعوائے محبت ہے حرام
روز و شب ہو جسے آرام کی حرص

طلبِ جاہ کہاں تک حسرت
چھوڑ اس آرزوئے خام کی حرص

اپریل ۱۹۱۷ء

شوقِ جفائے یار کو پاسِ وفا سے کیا غرض
ہم کہ رضا شعار ہیں ہم کو دعا سے کیا غرض

عاشقِ دل فگار کو، بےخود و بیقرار کو
محوِ لقائے یار کو، شوقِ لقا سے کیا غرض

چارۂ دردِ دل ہو کیوں انکی جفا خجل ہو کیوں
عشق بھی منفعل ہو کیوں مجھکو شفا سے کیا غرض

تجھ پہ نثار جی کریں شوق کی پیروی کریں
تو جو کہے وہی کریں ہم کو ابا سے کیا غرض

حسرتِ مے پرست کو بلکہ ہر ایک مست کو
پیرِ مغاں کے دور میں خوفِ خطا سے کیا غرض

مخزن لاہور
جون ۱۹۱۷ء

کام آئی کچھ نہ عاشقِ نالاں کی احتیاط
داماں کی ہو سکی نہ گریباں کی احتیاط

دنیا ہے تیرے کفرِ محبت کی مبتلا
یاں کیا ہوئی کسی سے نہ ایماں کی احتیاط

اظہارِ حالِ دل سے وہ برہم نہ ہوں کہیں
لازم ہے دل کو شورشِ پنہاں کی احتیاط

ہم سے ہوا نہ خاطرِ آشفتہ کا علاج
تم سے ہوئی نہ زلفِ پریشاں کی احتیاط

کامل ہے جذبِ شوق تو پہنچینگے ہم ضرور
حالانکہ سخت ہے ترے درباں کی احتیاط

مجھ پر گدا سمجھ کے بھی کرتا نہیں نظر
دیکھے تو کوئی اس شہِ خوباں کی احتیاط

لازم ہے ابتدائے محبت میں ضبطِ شوق
مکتوب میں ضرور ہے عنواں کی احتیاط

منظور آرزو ہے ترے درد کی خلش
مرغوب زخمِ جاں سے نمکداں کی احتیاط

کی میں نے لطفِ یار کی پہلے نہ کچھ بھی قدر
ہوتی ہے کس سے جنسِ فراواں کی احتیاط

بجھنے نہ پائے روزِ ہوا میں چراغِ عشق
واجب ہے اس فروغِ فروزاں کی احتیاط

رنگینیٔ سخن میں بھی ہے سادگی کی شرط
مشکل ہے اس فریضۂ آساں کی احتیاط

ان سے ملے تو پھر ہیں وہی ہم وہی شراب
والبستۂ فراق تھی پیماں کی احتیاط

بے خانمانِ عشق ہوئے قصہ مختصر
ہم سے نہ ہو سکی سروساماں کی احتیاط

اغیار کے حسد سے تو ممکن بھی ہے مفر
مشکل مگر ہے رشکِ عزیزاں کی احتیاط

حسرتؔ میں خوش ہوں یوں کہ مرے زخمِ دل سے ہے
مخصوص تیرِ یار کے پیکاں کی احتیاط

اب دلِ یار کا خدا حافظ
ایسے بیمار کا خدا حافظ

بڑھ گئے سارے ہمرہانِ سفر
مجھ گرانبار کا خدا حافظ

ہو قفس میں بھی جس کو شوقِ چمن
اس گرفتار کا خدا حافظ

شوقِ لرزاں کا حال ہے جو یہی
جامِ سرشار کا خدا حافظ

پرسشِ جرمِ عشق واں سے شروع
مجھ گنہگار کا خدا حافظ

سخت جانوں پہ اٹھنے والی ہے
تیری تلوار کا خدا حافظ

مجھ کو دیکھا تو عفو نے بھی کہا | اس گناہ گار کا خدا حافظ

خوابِ غفلت کے دور میں حسرت
دلِ بیداد کا خدا حافظ

(رسالہ ریحان لاہور) (اپریل ۱۹۱۷ء)

کچھ شغلِ تب و تاب میں یونہی تو نہیں شمع | عاشق ہو نہ اسکے رخِ روشن پہ کہیں شمع
آئی جو ترے روئے منور کے قریں شمع | ہم لوگ یہی سمجھے کہ محفل میں نہیں شمع
مٹ جائے گی ہو کر وہیں غرقابِ ندامت | اس نورِ مجسم کی جو دیکھے گی جبیں شمع

اب ہو گی مقابل نہ رخِ یار سے حسرت
ہے حجلۂ فانوس میں یوں گوشہ نشیں شمع

(مخزن لاہور) (مارچ ۱۹۱۷ء)

کیوں کہیں ہم کو غمِ دہر سے مشکل ہے فراغ | جب تری یاد میں ہر فکر سے حاصل ہے فراغ
کوئی دل عشق سے آزاد نہیں ہے گویا | آپ کے عہد میں اک دعوئ باطل ہے فراغ
فکرِ تمکیں سے آزاد ہیں اربابِ جنوں | یعنی ہر بیخودئ شوق میں شامل ہے فراغ
تیرے دیوانے مگر رہتے ہیں اس سے بھی خفا | گو پسندیدۂ ہر جاہل و عاقل ہے فراغ

اب کہاں دردِ محبت کی وہ لذت حسرت
یوں تو کہنے کو ترے غم سے مقابل ہے فراغ

(اخبار ہمدم لکھنؤ) (مارچ ۱۹۱۷ء)

احباب سے مخصوص نہ اغیار پہ موقوف | عیشِ دو جہاں ہے کرمِ یار پہ موقوف
کر سکتے ہیں خاموش بھی ہم دین کی خدمت | یعنی یہ نہیں شورشِ اخبار پہ موقوف
قوموں کی ترقی کے ہیں کچھ اور ہی اسباب | جو ڈاک پہ موقوف نہ ہیں تار پہ موقوف
ایسا تو نہیں ہے کہ عنایت ہو خدا کی | زاہد کے اسی جبہ و دستار پہ موقوف
لطف و کرمِ یار پہ یا جور و جفا پر | ہے فیصلۂ دل انہیں دو چار پہ موقوف

آساں نہیں اقوال سے اخراجِ نتائج | یہ بات ہے کچھ دانشِ آثار پہ موقوف
منصورؒ کی سولی پہ نمایاں ہوئی عظمت | ہے عظمتِ اہلِ رسن و دار پہ موقوف
قوت کی جو پوچھو تو یہ ہوتی ہے ہمیشہ | اقوام ہیں افراد کے ایثار پہ موقوف
کچھ شک نہیں اس میں کہ وطن کی ہے ترقی | ہم رشتگیٔ سبحہ و زُنّار پہ موقوف
اب جو ہو فدا تجھ پہ، یہ عزت ہے کسی کے | اقرار پہ موقوف نہ انکار پہ موقوف

کیا چیز تھی حسرتؔ غمِ جاناں کی فراغت
جس کا بیاں میرے دلِ زار پہ موقوف

رسالہ ثقافت لاہور

نہ سنا اس نے کچھ بیانِ فراق | رہ گئے یونہی کشتگانِ فراق
اک فسانہ ہے غم کا وہ بھی طویل | نہ سنیں آپ داستانِ فراق
مل رہے گی وصال کی بھی سند | ہو تو لے پہلے امتحانِ فراق
خواہشِ دل ہے میزبانِ امید | وہ جو ہیں آج میہمانِ فراق
ہر دم آنے سے یاد بھی تیری | ہو گئی ہے مزاجدانِ فراق
کچھ خیالِ وصالِ یار کے ساتھ | اور بھی بڑھ گئی ہے شانِ فراق
وہ بھی اب ہم سے ہو رہے ہیں جدا | جن کی نسبت نہ تھا گمانِ فراق
منزلِ وصل پھر بھی دور رہی | رہ گئے تھک کے رہروانِ فراق

کب وہ آتے ہیں دیکھئے حسرتؔ
ختم ہوتا ہے کب زمانِ فراق

مدن [illegible] لکھنؤ

•

اب دیکھئے کیا حال ہمارا ہو سحر تک | بھڑکی ہوئی اک آگ سی ہے دل سے جگر تک
مانا کہ یقینی ہے اثر جذبۂ دل کا | کیا ہوگا ہجر میں تائید اثر تک

میں بے خبرِ غم تھا مگر وہ دمِ رخصت — دیکھا کیے مڑ مڑ کے مجھے حدِ نظر تک

اب تک نہ ملے ہم سے وہ حالانکہ اسی میں — لیلائے شبِ وصل کی زلف آئی کمر تک

کچھ محوِ تصور تھا میں اس درجہ کہ حسرت
مجھ کو نہ ہوئی یار کے آنے کی خبر تک

رسالہ نقاد آگرہ

اپریل ۱۹۱۷ء

ہر دل میں اک ہجوم محبت ہے آج کل — اس شوخ کی کچھ اور ہی صورت ہے آج کل

اے سحرِ حسنِ یار میں اب تجھ سے کیا کہوں — دل کا جو حال بڑی بدولت ہے آج کل

شاید وہ یاد کرتے ہیں مجھکو کہ اور بھی — تکلیفِ اضطراب کی شدت ہے آج کل

مستور کس حجاب میں ہے وہ جمالِ پاک — اہلِ نظر کو جس سے عقیدت ہے آج کل

برپا ہے بزمِ یار میں اک حشرِ آرزو — اظہارِ شوق کی اجازت ہے آج کل

اک طرفہ بیخودی کا ہے عالم کہ عشق میں — تکلیف آج کل ہے نہ راحت ہے آج کل

ساقی ہے فصلِ گل میں کریں کیوں سوالِ مے — کیا التماس کی بھی ضرورت ہے آج کل

پرتاب گڑھ میں ہم کو تری یاد کے سوا — حاصل ہر ایک شغل سے فرصت ہے آج کل

حسرت وہ سوزِ خاص جو ہو حاصلِ فراق
تیرے سخن میں اس کی بھی لذت ہے آج کل

رسالہ تمدن لکھنؤ

مارچ ۱۹۱۷ء

اس تغافل پر بھی کرتے ہیں تجھی کو یاد ہم — کیتے ہیں مجبور دیکھ ادائی بیداد ہم

عقل کب آئی ہمیں جب ہو چکا ناکامِ دل — رحم کب آیا انہیں جب ہو چکے برباد ہم

آئے تھے محفل میں تیری باہزاراں آرزو — یا چلے ہیں ایک لے کر خاطرِ ناشاد ہم

جاتے ہیں پرتاب گڑھ سے آخر الہ آباد سے — جس طرح پھانسی سے آئے تھے الہ آباد ہم

ہر طرف پیشِ نظر ہے وہ جمالِ دلفریب — دیکھتے ہیں یوں بہارِ گلشنِ ایجاد ہم

قید تنہائی میں بھی تنہا نہیں اے یاد یار
آج یہ عقدہ کھلا ہم پر کہ ہیں آزاد ہم

مار ڈالا مجھ کو حسرت یوں نہیں جب اسنے کہا
ماننا ہوگا تجھے کرتے ہیں جو ارشاد ہم

ہم پر تری نگاہ جو پہلے تھی اب نہیں
سو بھی نہ کچھ دنوں میں رہے تو عجب نہیں

صادق نہیں وہ عشق جسے از رہِ نیاز
منظور نازِ حسن کا پاسِ ادب نہیں

تھے بسکہ دل پذیر محبت کے واقعات
کچھ کچھ وہ اب بھی یاد مجھے ہیں جو سب نہیں

مسرور یادِ یار ہے کیا تیری سادگی
اے دل یہ شام ہجر ہے عشرت کی شب نہیں

کیونکر کہوں نہیں انھیں پروائے عاشقاں
کیا حسن مہوشاں بھی تماشا طلب نہیں

کیوں عشق میں ابھی سے نہ ہو جائیں ہم فنا
کیا جانیے کہ موت کب آئی ہے کب نہیں

حسرت جفائے یار تو اک عام تھی ادا
اظہارِ التفات مگر بے سبب نہیں

نگار دلکشی الہ آباد
جولائی سنہ ۱۹۱۶ء

گو بظاہر شیر ہوں باطن میں بودے لگے ہیں
مظہر الحق نام ہے پیر دماغ باطل کے ہیں

فوج کو اپنی ہی دنیا مل کے دشمن سے شکست
یہ نتیجے آپ ہی کی فکرِ لاطائل کے ہیں

ناز تھا شوقِ شہادت پر ابھی کل تک جنھیں
دستِ بازو آج گو یا خود ہی قاتل کے ہیں

مل چکی سرکار استبداد میں جائے اماں
حوصلے بیکار اس تجویز بے حاصل کے ہیں

پائیں گے البتہ آغا خانِ ثانی کا خطاب
گر یہی انداز ان کے فہم ناقابل کے ہیں

مظہر و انصار مظہر نے یہ ثابت کردیا
ہم میں اب بھی کچھ نمونے ناظم و کامل کے ہیں

کیوں نہ ہو خطرے میں حسرت قافلہ احرار کا
راہزن ہوں جب وہی جو راہبر منزل کے ہیں

الناظر لکھنؤ
جون سنہ ۱۹۱۷ء

جلوۂ یار نہ چھپ جائے سرِ بام کہیں — جلد اے حوصلۂ دید مجھے تھام کہیں

بزمِ ساقی کا یہ کیا حال ہوا میرے بعد — غم کہیں ہے تو صراحی ہے کہیں جام کہیں

آہ کمبخت وہ ترا پاکے مجھے گرمِ نظر — ایسی باتوں سے نہ ہو جاؤں میں بدنام کہیں

کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ انداز ہے کیا — قصد ان کا کہیں جانے کا ہے پیغام کہیں

رنج بے سود ہے حاصل ہو یونہی کاش نجات — مار ہی ڈالے ہمیں وہ بتِ خودکام کہیں

مجھ کو مشتاقِ لقا جان کے کہتا ہے وہ شوخ — بر نہ آئی ہو یہ تیری ہوسِ خام کہیں

رسالہ العصر لکھنؤ

کچھ کچھ اس راز کی ہم کو بھی خبر ہے حسرتؔ
آپ جاتے ہیں جو روز آہ سرِ شام کہیں

جون ۱۹۱۷ء

بلاکشانِ غمِ انتظار ہم بھی ہیں — خرابِ گردشِ لیل و نہار ہم بھی ہیں

فلک وقار و ملک اقتدار ہم بھی ہیں — یہ فخر ہے کہ ترے خاکسار ہم بھی ہیں

دلِ ہوس جو نشانہ تری نظر کا ہوا — تو روحِ شوق پکاری، شکار ہم بھی ہیں

اسی سے چھپتے ہیں ہوتی ہے جس پہ انکی نظر — اگر یہی ہے تو امیدوار ہم بھی ہیں

ہمیں بھی شام سے ساقی نہیں ملی ہے شراب — ستم رسیدۂ رنجِ خمار ہم بھی ہیں

نگاہِ یار سے اظہارِ التفات ہوا — تو حالِ دل نے کہا آشکار ہم بھی ہیں

رسالہ تمدن لکھنؤ

شکایت ان کی نہ چاہو یہی کہو حسرتؔ
نشانۂ ستمِ روزگار ہم بھی ہیں

جون ۱۹۱۷ء

کیا حال سنائے دلِ رنجور کسی کو — ملنا ہی نہ ہو مجھ سے جو منظور کسی کو

آنکھوں سے وہ پنہاں ہی تو کیا دیدۂ دل سے — ہم دیکھتے رہتے ہیں بدستور کسی کو

کیا چیز ہے اس حسنِ فروزاں کی تجلی — جو نار کسی کو ہے تو ہے نور کسی کو

مانا کہ رسا ہیں ترے نالے مگر اے دل — اتنا بھی نہیں ہیں مجبور کسی کو
اب صدمۂ ہجراں سے بھی ڈرتا نہیں کوئی — پہنچی ہے یاد انکی بہت دور کسی کو
خاطر ہی میں لاتا نہیں اندازہ تحمت — وہ شوخ وہ بے مہر وہ مغرور کسی کو

رسالہ نظارہ لاہور

یوں بھول نہ جانا تھا اگر مدِ نظر تھی — ۱۷ فروری
تسکینِ دلِ حسرتِ رنجور کسی کو — نخوری

کیوں جانِ رضا جو نہ شہادت پہ فدا ہو — کون اس کو نہ چاہے گا بھلا تم جسے چاہو
دل غم سے جو کہتا ہے محبت کا برا ہو — ایسے میں تری یاد بھی آجائے تو کیا ہو
پاس آؤ تو کچھ دل کی تپش اور سوا ہو — ہر چند کہ تم دردِ جدائی کی دوا ہو
دل ہم نے دیا آپ کو اب اس کا نتیجہ — قسمت پہ ہے موقوف برا ہو کہ بھلا ہو
تھے پاس تو منظورِ نظر راحتِ دل تھے — اب جان تمنا ہو جو تم ہم سے جدا ہو
رنجِ شبِ غم میں بھی ملے وصل کی راحت — گر دل میں ترے دردِ محبت کا مزا ہو

اخبار صداقت کلکتہ

مرتا ہے کسی شوخِ جفا کار پہ حسرتؔ — فروری ۱۹۱۷ء
شاید یہ فسانا کہیں تم نے بھی سنا ہو

گھٹے گا ترے کوچے میں وقار آہستہ آہستہ — بڑھے گا عاشقی کا اعتبار آہستہ آہستہ
بہت نادم ہوئے آخر وہ میرے قتلِ ناحق پر — ہوئی قدرِ وفا جب آشکار آہستہ آہستہ
جلائے شوق سے آئینۂ تصویرِ خاطر میں — نمایاں ہو چلا روئے نگار آہستہ آہستہ
محبت کی جو پھیلی ہے یہ نکہت باغِ عالم میں — ہوئی ہے منتشر خوشبوئے یار آہستہ آہستہ
ملا کر خاک میں مجھکو جھکی ہے شرم سے لیکن — اٹھے گی پھر وہ چشمِ فتنہ کار آہستہ آہستہ
دل و جان و جگر صبر و خرد جو کچھ ہے پاس اپنے — یہ سب کر دیں گے ہم ان پر نثار آہستہ آہستہ

عجب کچھ حال ہو جاتا ہے اپنا بیقراری سے
بجاتے ہیں کبھی جب وہ ستار آہستہ آہستہ

الٰہی کچھ کچھ رہے گا وصل میں بھی رنجِ فرقت کا
دلِ مضطر کو آئے گا قرار آہستہ آہستہ

رسالہ النقاد آگرہ

نہ آئیں گے وہ حسرت، انتظارِ شوق میں یونہیں
گزر جائیں گے ایام بہار آہستہ آہستہ

جون ۱۹۱۷ء

مجھ کو مغلوبِ آن وادا نہ کرے
یوں بھی وہ امتحاں کہیں نہ کرے

حسن کی شان سے بعید ہے یہ
کہ دلِ شوق کو حزیں نہ کرے

جو بگڑنے میں بھی بنے وہ جبیں
فکرِ آرائشِ جبیں نہ کرے

مست نکہت نہ ہو نسیمِ سحر
رخ جو وہ زلفِ عنبریں نہ کرے

اور پھر کس سے ہو جگر بخوں
قدرِ داماں و آستیں نہ کرے

ربط ہے غیر سے ضرور ہمیں
کوئی کب تک بھلا یقیں نہ کرے

لذتِ عاشقی ہے اس پہ حرام
جو ترے غم کو دل نشیں نہ کرے

عزقاے کون ہے وہ میرے سوا
جو کسی حال میں نہیں نہ کرے

رسالہ الناظر لکھنؤ

ستم اتنا نہ کر، کہ خود یہ کہیں
صبر حسرت کو نکتہ چیں نہ کرے

مستی کے پھر آگئے زمانے
آباد ہوئے شراب خانے

ہر پھول چمن میں زر بکف ہے
پاتے ہیں بہار نے خزانے

سب ہنس پڑے کھلکھلا کے غنچے
چھیڑا جو لطیفہ، صبا نے

سرسبز ہوا نہالِ غم بھی
پیدا وہ اثر کیا ہوا نے

رندوں نے بچھاڑ کر پلا دی
واعظ کے نہ چل سکے بہانے

کر دوں گا جلیں ہر دلی کو میخوار / توفیق جو دی مجھے خدا نے

ہم نے تو نثار کر دیا دل / اب جانے وہ شوخ یا نہ جانے

ایسا تو ہوا ہیں وہ تا دم / اتنا تو کیا مری وفا نے

دل زخمی غم ہوا جگر بھی / اک تیر سے دو اڑے نشانے

بیگانۂ مے کیا ہے مجھکو / ساقی کی نگاہِ آشنا نے

مسکن ہے قفس میں بلبلوں کا / ویران پڑے ہیں آشیانے

اب دل ہے نہ عاشقی کے چرچے / سب خواب وہ ہوگئے فسانے

باقی نہ رہا وہ غم کا ساماں / جاری نہ رہے وہ کارخانے

ناحق انھیں کر دیا ہے برہم / بیتابیٔ شوق برملا نے

اب کاہے کو وہ آئیں گے وہ حسرت / آغازِ جنوں کے پھر زمانے

رسالہ لطف سخن سیالکوٹ — اپریل سنہ ۱۹۱۷ء

خیال یار جو مصروف کار ہوتا ہے / قرار بخش دلِ بے قرار ہوتا ہے

انھیں سوال مرا ناگوار ہوتا ہے / مجھے خیال یہی بار بار ہوتا ہے

نگاہِ اہل تمنا سے ان کی محفل میں / خمار بے خبری آشکار ہوتا ہے

جنوں میں عقدہ یہ حیرانیٔ نظر سے کھلا / خیال محوِ تماشائے یار ہوتا ہے

وہی قلوب جو حرماں نصیب ہوتے ہیں / انھیں میں شوق ترا بیشمار ہوتا ہے

یہ ماجرا بھی ہے دنیائے عاشقی میں نیا / کہ نامراد یہاں کامگار ہوتا ہے

سکونِ شوق کی صورت نکل چکی حسرت / کہ دل کے ساتھ جگر بھی فگار ہوتا ہے

اخبار قطب دہلی — فروری سنہ ۱۹۱۷ء

اس محوِ تغافل کی جفا میرے لئے ہے — صد شکر کہ اتنا تو روا میرے لئے ہے
دشمن کے مٹانے سے مٹا ہوں نہ مٹوں گا — اور یوں تو میں فانی ہوں فنا میرے لئے ہے
اس میں بھی مجھے شک ہے کہ ظاہر ہے بناوٹ — وہ شوخ جو غیروں سے خفا میرے لئے ہے
وہ حسن کے مالک ہیں جفا بھی انھیں جائز — میں بندۂ خوباں ہوں وفا میرے لئے ہے
پاکر مجھے بیکس مری رحمت یہ پکاری — یہ بندۂ بے برگ و نوا میرے لئے ہے
زاہد کو جو حق ہو بھی تو ہے تجھ پہ جزا کا — البتہ میں خاطی ہوں عطا میرے لئے ہے
دعوت میں تری میں بھی ہوں معلوم ہے لیکن — کیا غیر کی خاطر ہے ہے کیا میرے لئے ہے
ارباب ہوس تجھ سے ہیں نالاں تو میں خوش ہوں — جو ان کو سزا ہے وہ جزا میرے لئے ہے
کہتے ہیں وہ اب قدر ہوئی ہم کو وفا کی! — گویا کہ یہ سب مدح و ثنا میرے لئے ہے
اس گیسوئے برہم کی اڑا لائی ہے نکہت — آوارگیٔ بادِ صبا میرے لئے ہے

اور دل پہ نوازش ہیں جو بیباک ہے حسرت
قسمت سے وہ مجبورِ حیا میرے لئے ہے

اخبار خطیب دہلی — فروری ۱۹۱۱ء

تیرا کرم جو رکنا میرے لئے ہے — یہ درد کہ ہے جان دوا میرے لئے ہے
پرسش جو ہوئی روزِ ازل قسمتِ غم کی — بے ساختہ دل بول اٹھا میرے لئے ہے
میں اپنی مصیبت پہ ہوں نازاں کہ وہ خوش ہیں — تجھ سے کہ یہ پابندِ بلا میرے لئے ہے
غیروں سے کبھی ہے انہیں نفرت کبھی الفت — ان دونوں سے اک بات جدا میرے لئے ہے
ایسا تو نہ ہوگا کہ نہ پہنچوں ترے در تک — جب تیری کشش راہ نما میرے لئے ہے
مقصود ہے اتنا کہ رہے مجھ پہ توجہ — مخصوص یہ اندازِ جفا میرے لئے ہے
جو بندۂ دنیا ہیں مبارک انھیں دنیا — میں دیں کا پیرو ہوں خدا میرے لئے ہے

ہر حال میں ہوں خوش کہ ہر بات میں لازم — پابندیٔ تسلیم و رضا میرے لیے ہے

دیکھا تو کہا مجھ کو غمِ یار نے حسرتؔ
یہ سوختۂ بے سر و پا میرے لیے ہے

اخبار ہمدم لکھنؤ
دسمبر ۱۹۱۷ء

نظارۂ پیہم کا صلا میرے لیے ہے — ہر سمت وہ رخ جلوہ نما میرے لیے ہے
اس چہرۂ انور کی ضیا میرے لیے ہے — وہ زلفِ سیہ تاب دوتا میرے لیے ہے
زنہار اگر اہلِ ہوس تجھ پہ فدا ہوں — یہ مرتبۂ صدق و صفا میرے لیے ہے
بن کر میں رضا کار مہیائے فنا ہوں — آوازۂ حق بانگِ درا میرے لیے ہے
خوشنودیٔ فجار کے پیرو ہیں یزیدی — تقلیدِ شہِ کرب و بلا میرے لیے ہے
محروم ہوں مجبور ہوں بے تاب و تواں ہوں — مخصوص ترے غم کا مزا میرے لیے ہے
سرمایۂ راحت ہے فنا کی مجھے تلخی — اس زہر میں سامانِ بقا میرے لیے ہے
جنت کی ہوس ہو تو میں کافر کہ پریشاں — اس شوخ کی خوشبوئے قبا میرے لیے ہے
پہلے بھی کچھ امید نہ تھی چارہ گروں کو — اور اب تو دوا ہے نہ دعا میرے لیے ہے
مر جاؤں گا ہٹ جانے سے نکلا جو کبھی میں — نظارۂ رخ فرا میرے لیے ہے

تشخیصِ طبیباں پہ ہنسی آتی ہے حسرتؔ
یہ دردِ جگر ہے کہ دوا میرے لیے ہے

اخبار صداقت کلکتہ
دسمبر ۱۹۱۷ء

دل غم اس دواں کی خو نہ کرے — اس سے تیری ہی آرزو نہ کرے
غیر اب نام کو بھی دل میں نہیں — نگہِ یار جستجو نہ کرے
تیری خوشبو کے بعد روح مری — گلِ جنت بھی ہو تو بو نہ کرے
ہے یہ آئینِ عاشقی میں گناہ — غم سے دل ترکِ آرزو نہ کرے

تجھ میں تاب جمال یار کہاں — شوق انھیں میرے روبرو نہ کرے

ترک مے کے معاملے میں فضول — محتسب ہم سے گفتگو نہ کرے

کچھ ہنسی شوق عنبر و دستار — دل ہوس ساغر و سبو نہ کرے

حسن سے عشق، حکم دل کے خلاف — کھل کے بے پردہ گفتگو نہ کرے

یا کرے بھی تو پھر ز راہ نیاز (ق) — روبرو ہو کے دو بدو نہ کرے

معتبر عشق میں ہے زخم وہی — جو کبھی خواہش رفو نہ کرے

دل رضا کار ہے وہی جو کبھی — طلب فتح میں غلو نہ کرے

جم چکا ہم پہ حال و قال کا رنگ — شیخ بیکار ہاؤ ہو نہ کرے

جان حسرت کی ہجر میں تسکیں!
اور پھر کس سے ہو جو تو نہ کرے

گلچیں مارہرہ — ستمبر ۱۹۱۷

عشق اسے کیمیائے بہروزی — دے سبیل سعادت اندوزی

فکر دنیا سے دل رہا آزاد — اے ترا غم رہے مجھے روزی

دل میں ہے تیری آرزو، کہ نسیم — اک چمن میں وزاں ہے نوروزی

مل گیا نور عاشقی سے ہمیں — دلفریبی سے یہ دل افروزی

کھل کے ہم سے کبھی وہ مل نہ سکے — باوجود کمال دل سوزی

تو اور اس نازنیں سے عرض وصال — اے دل ایسی بھی کیا بدآموزی

ان سے حسرت ملے جو حکم شکست
اس کو سمجھو نوید فیروزی

دام گیسو میں تو ہے اک دل ناشاد بھی ہے — اے مرے بھولنے والے تجھے کچھ یاد بھی ہے

غم دنیا سے ہے فارغ دلِ وابستۂ عشق — ایک ہی وقت میں یہ قید بھی آزاد بھی ہے
کیسے کہہ دوں اسے بیگانۂ الفت کہ وہ شوخ — ظلم کرتا ہے مگر مانعِ فریاد بھی ہے
کوئے جاناں کی نہ مرعوب ہو کیوں دلکو ہوا — آخر اس زلف کی نکہت کہیں برباد بھی ہے
دل مایوس کو ویرانۂ مطلق نہ کہو — یادِ ماضی کی بدولت یہ کچھ آباد بھی ہے
کچھ مرے دل ہی سے مخصوص نہیں لذتِ غم — خوش اسی حال میں ہیں جوہر[۱] بھی ہے آزاد[۲] بھی ہے
لطف ظاہر پہ کہیں اس کے نہ جانا حسرتؔ — کہ وہ عیارِ جفا جو ستم ایجاد بھی ہے

اخبار الصباح لاہور — ۵ / اپریل ۱۹

عشق میں خوفِ جاں سے درگزرے — ہم نے ٹھانی جو دل میں کر گزرے
زندگی اپنی ہو کے ان سے جدا — سخت گزرے گی وا اب اگر گزرے
خاکِ عشاق ہو نہ دامن گیر — سوئے مدفن یہ تم کدھر گزرے
دل کی مایوسیوں سے ان کے بغیر (ق) — رنج کیا کیا نہ جان پر گزرے
شامِ فرقت کٹے نہ ہجر کی رات — صبح گزرے نہ دوپہر گزرے
زندگی ہے اسی کا نام تو ہم — ایسی درماندگی سے درگزرے
ان سے اظہارِ شوق کون کرے — جان ہی سے کوئی مگر گزرے
ایک دیکھا تمہیں ان آنکھوں سے — یوں تو کتنے ہی خوش نظر گزرے
خدمتِ بے نیازِ جاناں میں — کیوں مرے حال کی خبر گزرے
ان کے قدموں پہ رکھ دیا سرِ شوق — ہم یہ کیا بے خودی میں کر گزرے

۱؎ مولانا محمد علی مرحوم ۲؎ مولانا ابوالکلام

رسالہ الناظر لکھنؤ
مئی سنہ ۱۹۱۷ء

منتظر ہے متاعِ جاں حسرت
کہ ادھر بھی وہ فتنہ گر گزرے

زمانِ فصلِ گل آیا نسیمِ مشکبار آئی
دلوں کو مژدہ ہو پھر جوشِ مستی کی بہار آئی

پھلا پھولا ہے گلزار یا رب حسنِ خوباں کا
مجھے اس باغ کے ہر پھول سے خوشبوئے یار آئی

سرِ پر شور بھی اک بار تھا جس کو مری گردن
ترے کوچے میں آج اے فتنۂ دوراں اتار آئی

تری محفل سے ہم آئے مگر با حالِ زار آئے
تماشا کامیاب آیا تمنا بے قرار آئی

جو ان کے حسن سے بھی بڑھ گئی ہے بیقراری میں
تڑپ ایسی کہاں سے عشق میں پروردگار آئی

یہ کیا اندھیر ہے، اے دشمنِ اہلِ وفا تجھسے
ہوس نے کامِ جاں پایا محبت شرمسار آئی

رسالہ طوفان لکھنؤ
مئی سنہ ۱۹۱۷ء

بجا ہیں کوششیں ترکِ محبت کی مگر حسرت
جو پھر بھی دل نوازی پر وہ چشمِ سحرکار آئی

شبِ فرقت میں یاد اس بے خبر کی بار بار آئی
بھلانا ہم نے بھی چاہا مگر بے اختیار آئی

ترے فیضِ کرم سے دین کے دریا میں جوش آیا
ترے یمنِ قدم سے باغِ ایماں میں بہار آئی

تری محفل سے اے پیرِ مغانِ عاشقی اکثر
تہی بخت آئے نواز آئی فضیلت مے گسار آئی

امیدیں تجھ سے تھیں وابستہ لاکھوں آرزو لیکن
بہت ناہو کر تری درگاہ سے بے اعتبار آئی

الٰہی رنگ یہ کب تک رہیگا ہجرِ جاناں میں
کہ روزِ بیدلی گزرا تو شامِ انتظار آئی

تری بے اعتنائی کو یہ آخر کیا خیال آیا
جو میری پرسشِ غم کو چشمِ اشکبار آئی

رسالہ خطیب دہلی
اپریل سنہ ۱۹۱۷ء

نہ ہاتھ آیا بجز رنج و بلا کچھ عشق حسرت کو
دیارِ حسن کی آب و ہوا نا سازگار آئی

چھپ کے اس نے جو خود نمائی کی
انتہا تھی یہ دلربائی کی

مائل غمزہ ہے وہ چشم سیاہ — اب نہیں خیر پارسائی کی
ہم سے کیونکر وہ آستانہ چھٹے — مدتوں جس پہ جبہ سائی کی
دل نے برسوں بہ جستجوئے کمال — کوچۂ عشق میں گدائی کی
دام سے ان کے چھوٹنا تو کہاں — یاں ہوس بھی نہیں رہائی کی
کیا کیا یہ کہ اہل شوق کے ساتھ — تو نے کی بھی تو بے وفائی کی
ہو کے نادم وہ بیٹھے ہیں خاموش — صلح میں شان ہے لڑائی کی
اس تغافل شعار سے حسرت — ہم میں طاقت نہیں جدائی کی

دی گئی کام غم شوق کی تاثیر مجھے — مہرباں تجھ پہ ہوئے پاکے وہ دلگیر مجھے
خانۂ جاں میں رہے سب کی نظر سے پنہاں — کہیں مل جائے اگر آپ کی تصویر مجھے
اک نگاہ ہوس انگیز کا ملزوم ہوں ضرور — اسکی منظور ہے جو دیجئے تعزیر مجھے
شکوۂ درد سے کس درجہ پشیمان ہے دل — کیا مناسب تھی یہ جہان کی تحقیر مجھے
حسن و خواہش کی رعایت سے ملی ہیں کیا خوب — طبع مسرور تجھے خاطر دلگیر مجھے
جرم تو پہلے بتا دیجئے تقصیر معاف — یا یونہیں آپ کئے جائیں گے زنجیر مجھے
کاٹ لوں اپنا گلا آپ کہ جھگڑا ہو تمام — کاش مل جائے کہیں آپ کی شمشیر مجھے
دیکھ رہتی ہیں اسے شوق کی آنکھیں ہر دم — اک ملی تھی جو کبھی آپ کی تحریر مجھے
خوب ہے فیصلۂ عشق مبارک حسرت — نغمۂ عیش انھیں نالۂ شبگیر مجھے

رسالہ ذخیرہ جلد ۱ [illegible] دہلی — اپریل ۱۹۰۸ء

بیجا ہے فصل گل میں اے دل یہ خروشی — مستانہ کیوں نہ گزرے ہنگام بادہ نوشی
میخانے بند رکھا مستان بے خبر کو — پیر مغاں نے یوں کی رندوں کی پردہ پوشی

آغاز عاشقی تھا جوشش و خروش یکسر
یا انتہائے غم ہے حیرانی و خموشی

دیدار کی طلب میں حد سے گزر چلی ہے
اپنی امیدواری ان کی بہانہ کوشی

افسانہ ہو گئی ہے دنیائے مغفرت میں
تیری عطا شعاری میری خطا فروشی

ایسا بھی کیا تلون یار اپنے مائلوں سے
یا اتنی سرد مہری یا ویسی گرم جوشی

یوں کرتے ہیں جفا وہ اہل وفا پہ حسرت
رسم ستم ہے گویا، آئین حق نیوشی

رسالہ الناظر لکھنؤ — جون ۱۹۱۷ء

کون یہ دست پہ شمشیر نظر آتا ہے
مجھ کو اک عالم تصویر نظر آتا ہے

جلوۂ حسن سے رنگین دل پر داغ مرا
شوق کے ہند میں کشمیر نظر آتا ہے

کم نگاہی میں بھی اس محوِ حیا کی دل کو
اثر سرمۂ تسخیر نظر آتا ہے

ولولے دل کے ترے غم کا ادب کیوں نہ کریں
اک نوجوان میں یہی پیر نظر آتا ہے

[illegible] ہنس کے وہ بولے مجھے پا کر بیباک
آج یہ طالب تعزیر نظر آتا ہے

ان سے ملنے کی نکلتی نہیں تدبیر کوئی
کام وابستۂ تقدیر نظر آتا ہے

پا سکا یار نہ اس بزم طرب میں شاید
حسرت اس درجہ جو دلگیر نظر آتا ہے

رسالہ زمانہ کانپور

شور طفلاں چاہیے اے عشق سودائی مجھے
کیوں پسند آنے لگی صحرا کی تنہائی مجھے

اب تقاضا ہے یہ اس حسن تماشا دوست کا
ہر نظر دیکھا کرے بن کر تماشائی مجھے

اپنی ہستی سے بھی آخر ہو گیا بیگانہ میں
ان سے جب جا کر ہوئی حاصل شناسائی مجھے

بھول کر شاید کبھی آ جائے انکو بھی خیال
یوں پسند آئی ہے اس کوچے کی رسوائی مجھے

اور بھی حسرت وہ کچھ رہنے لگے ہیں محو ناز
جب سے جانا ہے انھوں نے اپنا شیدائی مجھے

رُباعی [1]

ارباب فریب کی ہے یہ بھی اک چال
پیکار ہے "بہترین" و بہتر کا خیال
گنجائشِ بہتری، غلامی میں کہاں
لاریب ہے اجتماعِ ضدین محال

[1] یہ رباعی تجویز قیام مسلم یونیورسٹی کے متعلق ہے۔

دیوانِ حسرتؔ

موہانی

حصّہ چہارم

جس میں سید فضل الحسن حسرتؔ موہانی بی اے سابق ایڈیٹر اردوئے معلیٰ علیگڑھ کی وہ کل غزلیں درج ہیں جو دیوان حسرتؔ حصہ سوم کی ترتیب وتدوین کے بعد جنہیں اکثر بزمانہ قید فرنگ ثانی لکھی گئیں اور جو اگست ۱۹۱۷ء سے اپریل ۱۹۱۸ء تک اردو زبان کے قریب قریب کل مشہور اخباروں اور رسالوں میں شائع ہو کر عام طور پر مشہور و مقبول ہو چکی ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

کچھ بھی حاصل نہ ہوا زہد سے نخوت کے سوا
شغل بیکار ہیں سب ان کی محبت کے سوا

دے سکا کوئی نہ دہری کے وساوس کا جواب
تیرے وارفتۂ دیوانہ طبیعت کے سوا

کون رکھے گا ترے غم سے دل و جاں کو عزیز
کچھ نہیں اور رجب اس رنج میں راحت کے سوا

قول زاہد کو غلط ہم نہیں کہتے ہیں مگر
اور کچھ ہو بھی شریعت میں طریقت کے سوا

حشر میں تاب جہنم سے مفر اور کہاں
اہل عصیاں کو ترے سایۂ رحمت کے سوا

دُرِ عرفاں کی عبث ہے دلِ زاہد میں تلاش
اور یاں خاک نہیں خواہش جنت کے سوا

اسکی بات اور ہے پائیں جو ہم اسمیں بھی مزا
آپ نے تو نہ دیا کچھ بھی اذیت کے سوا

اہل ظاہر نہ کریں کوچۂ باطن کی تلاش
کچھ نہ پائیں گے وہاں رنج و مصیبت کے سوا

علم و حکمت کا جنھیں شوق ہو آئیں نہ ادھر
کچھ نہیں فلسفۂ عشق میں حیرت کے سوا

سب سے منہ موڑ کے راضی ہیں تری یاد سے ہم
اس میں اک شانِ فراغت بھی ہے راحت کے سوا

عقل حیران ہے، اے جانِ جہاں راز ترا
کون سمجھے دل دیوانۂ حسرت کے سوا

کاہے کو دل اے عشق ترے غم سے بچے گا
اب ہم نہ بچائیں گے نہ یہ ہم سے بچے گا

لے لیگی دل ان کے رخ روشن کی تجلی
بالفرض جو اس گیسوئے پرخم سے بچے گا

حسرت کوئی کتنا ہی چھپا رہے کہ بچا رہے
دل ایک نہ اس فتنۂ عالم سے بچے گا

میری جانب سے شکایت نہ تقاضا ہوتا
خود مرے گھر وہ چلے آتے کچھ ایسا ہوتا
قیمتِ نیم نظر ہیں بھی سمجھتے نہ گراں
غور سے تم نے مرے دل کو جو دیکھا ہوتا

ہمہ تن غرق جراحت بھی جو ہوتے حسرت
لب ہر زخم پہ مذکور انھیں کا ہوتا

ہمدم و ہمدرد ما ہمراز ما
اے ہوایت مایۂ صد ناز ما
دیکھنا بھی تو انھیں دور سے دیکھا کرنا
شیوۂ عشق نہیں حسن کو رسوا کرنا
اک نظر بھی تری کافی تھی پئے راحت جاں
کچھ بھی دشوار نہ تھا مجھ کو شکیبا کرنا
ان کو یاں وعدے پہ آلینے دے اے ابر بہار
جس طرح چاہنا پھر بعد میں برسا کرنا
شام ہو یا سحر، یاد انھیں کی رکھنی
دن ہو یا رات، ہمیں ذکر انھیں کا کرنا
صوم زاہد کو مبارک رہے عابد کو صلوٰۃ
عاصیوں کو تری رحمت پہ بھروسا کرنا
عاشقو حسن جفا کار کا شکوہ ہے گناہ
تم خبردار خبردار نہ ایسا کرنا

کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہے حسرت
ان سے مل کر بھی نہ اظہار تمنا کرنا

۱۶ تا ۱۸ دسمبر ۱۹۱۶ء
بمقام فیض آباد جیل

شکوہ سنجی کے عوض میں نے بھی یہ خوب کیا
کیا کیا شکر جفا سے انھیں محجوب کیا
جانِ پر غم نے بھی الزام لگایا نہ انھیں
یاس کو خوبیٔ تقدیر سے منسوب کیا
مشترک دونوں میں اک بات خدا نے رکھی
طالبِ شوق مجھے آپ کو مطلوب کیا
اب نہ کچھ عیش کی خواہش ہے نہ غم کی پروا
جذبۂ عشق نے آخر مجھے مجذوب کیا

مال کیا شے ہے جسے آپ سے رکھیں گے دریغ — جب کہ ہم نے دل و دیں کو بھی نہ محبوب کیا

فتنۂ جور نہ کرنا مجھے یارب ان کا — جن کو گمراہ کیا تو نے کہ مغضوب کیا

سخت محروم ادب ہے دل حسرت نے اگر
بیوفائی سے ترے جور کو منسوب کیا

فیض آباد جیل
۲۲، ۲۳، ۲۴ر جون ۱۹۱۷ء

گمان نہ ہم پہ ہو زاہد کو ہرزہ کاری کا — کہ ذکر یار نہیں ہے شغل بے قراری کا

رہے گا نام نہ دنیا میں ہوشیاری کا — یہی جو رنگ ہے تیری شراب خواری کا

چمن میں باد بہاری کبھی گل کی آنکھوں سے — چلی، کہ دیکھے تماشا تری سواری کا

رحیق عشق پئیں ہم تو ہو ہوس کو سکوں — یہی علاج ہے درد گناہ گاری کا

غرور یار نہ بڑھ جائے اور بھی حسرت
اثر نہ ہو یہ کہیں تیری خاکساری کا

میرٹھ جیل
۱۴ر فروری ۱۹۱۸ء

نظر پھر نہ کی اس پہ دل جس کا چھینا — محبت کا یہ بھی ہے کوئی قرینا

وہ کیا قدر جانیں دل عاشقاں کی — نہ عالم نہ فاضل نہ دانا نہ بینا

یہ کیا کفر نعمت ہے اے شیخ آخر — کہ برسات میں بھی پلانا نہ پینا

وہیں سے یہ آنسو رواں ہیں جو دل میں — تمنا کا پوشیدہ ہے اک خزینا

بہادیں وہاں خون اپنا بہا ہم — ترے حسن کا گرتے دیکھیں پسینا

یہ کیا قہر ہے ہم پہ یارب کہ بے مے — گزر جائے ساون کا یونہی مہینا

بہار آئی، سب شادماں ہیں مگر ہم — یہ دن کیسے کاٹیں، لگے بے جام و مینا

جدا جب کہ ہیں تجھ سے اے راحت جاں — ہمارا برابر ہے جینا نہ جینا

مٹے عیب سب عشق بازی میں حسرت — نہ بغض و حسد ہے نہ غصہ نہ کینا

۱۲ر اگست ۱۹۱۸ء لکھنؤ سنٹرل جیل

اک خلش ہوتی ہے محسوس رگِ جاں کے قریب
آن پہنچے ہیں مگر منزلِ جاناں کے قریب

حشر میں اپنے گناہوں سے مجھے خوف ہو کیا
ان کی رحمت بھی تو منزلِ عصیاں کے قریب

لپٹے اس ڈھب سے کہ پھر ہو نہ جدا خاک مری
کہیں پہنچے بھی تو اس گوشۂ داماں کے قریب

لکھنؤ آنے کا باعث یہ کھلا آخر کار
کھینچ لایا ہے دل اک شاہدِ پنہاں کے قریب

وہ جو ہیں پاس تو مجلس بھی ہے اک باغ ہمیں
کامرانی بھی نمودار ہے حرماں کے قریب

روز ہو جاتی ہے رویا میں زیارت حسرتؔ
آستانِ شہِ رزاق ہے زنداں کے قریب

[illegible] جون ۱۷ء [illegible]

نگہِ شوق نہ ہو چاہِ زنخداں کے قریب
کیا یہ ابھرا ہے ترے خالِ نمایاں کے قریب

جو ترے درد کے بندے ہیں دعا ہیں انکی
بھول کر بھی نہ گئیں خواہشِ درماں کے قریب

زخمِ دل کی یہ ہوس جب ہے کہ اچھا ہی نہ ہو
کیوں نہ مرہم سے رہے دورِ نمکداں کے قریب

سیرِ گل خوش نہیں آتی کسی عنوان ہمیں
جا کے لوٹ آتے ہیں دیوارِ گلستاں کے قریب

ان پہ مرنا ہے جنھیں زیست کے وہ گزریں حسرتؔ
آبھی نکلیں جو کبھی چشمۂ حیواں کے قریب

۱۹ ستمبر ۱۷ء [illegible] جیل

چھیڑتی ہے جو یادِ یار بہت
دل شبِ غم ہے بے قرار بہت

اب نہ دیکھیں گے تری راہ کہ ہم
رہ چکے ہیں خراب و خوار بہت

ہم اسیرانِ ہجر کو نہ رلا
دیکھ اے ابرِ نو بہار بہت

۱؎ درگاہ شریف "باغ مولوی انور" کے نام سے مشہور ہے
۲؎ پیشوائے عشاق شاہ عبدالرزاق قدس سرہ فرنگی محلہ لکھنوی

لطف ہے پھر بھی ہم پہ غیر سے کم — آپ ہا کہتے رہیں ہزار بہت

حال دل کم کہا کرو حسرت

ان کو ہوتا ہے ناگوار بہت

حسن بیتاب ہے محدود انھیں دیوار کے بیچ — میری گفتار کے اندر تری رفتار کے بیچ

مت چلیں بو تہاں نہ کیوں دیر و حرم کے جھگڑے — ایک رشتہ بھی تو ہے سبحہ و زنار کے بیچ

سچ بتا کس کی محبت کا اثر ہے حسرت — ۱۰ اکتوبر ۱۹۱۷ء

یہ جو اک سوز ہے پنہاں تری گفتار کے بیچ

انھوں نے پھیر دیا خط یونہیں سلام کے بعد — بڑھا کے میرا تخلص بھی میرے نام کے بعد

شراب رندوں میں آئی مہ صیام کے بعد — بجے تزک سے بڑی شان اہتمام کے بعد

ہجوم شوق میں کیوں ہوں نہ اضطراب کے رنگ — کہ یاس شب ہے یقینی امید شام کے بعد

کمال شوق کو آتے ہیں نا تمام نظر — تمام شوق تری خواہش تمام کے بعد

نہ ہوا بھی مگر آخر تو ہو گی قدر مری — کھلے گا حالِ غلام آپ پر غلام کے بعد

سرور بخشش دل و جاں ہے بزم ساقی میں — بہا جلوۂ مینا نمودِ جام کے بعد

ہوئی یہ کثرتِ اربابِ اشتیاق کہ اب — ۲۰ دسمبر ۱۹۱۷ء فیض آباد جیل

پڑے ہیں سوچ میں حسرت وہ اذن عام کے بعد

پوچھا بھی تو اس نے نہ کبھی گھر سے نکل کر — شرمندہ ہیں نالے دلِ مضطر سے نکل کر

پائی ہے جگہ پاکی داماں نظر میں — خوشبوئے حیا نے تری چادر سے نکل کر

کیا چیز تھی ساقی وہ پس پردہ مینا — جو سرخ پری بن گئی ساغر سے نکل کر

دیکھا جو کہیں گرم نظر بزم عدو میں — وہ ڈانٹ گئے مجھ کو برابر سے نکل کر

۲۷ دسمبر ۱۹۱۷ء فیض آباد جیل

بن جاتی ہے دل میں خلشِ خارِ تمنا
جھنکار ترے پاؤں کے زیور سے نکل کر

پرتو کیا خوب شہیدوں کے دلوں کو
چاہت کی چمک نے ترے خنجر سے نکل کر

حسرت مجھے بھاتی ہے پریشانیٔ دل بھی
آتی ہے جو اس گیسوئے ابتر سے نکل کر

کیا کریں خو سے ہیں مجبور کہ پینا ہے ضرور
ورنہ حسرت رمضان کا یہ مہینا ہے ضرور

عمر ہی کیا ہے وہ کمسن ہیں ابھی نام خدا
ان پہ مرنا ہے تو کچھ دن ہمیں جینا ہے ضرور

بیخودی بزم خرابات میں ہے زیرِ سکوں
اک مگر کشمکشِ ساغر و مینا ہے ضرور

شوق جس کا نہیں ممکن دلِ دانا کے بغیر
اس کے دیدار کو بھی دیدۂ بینا ہے ضرور

تیری شوخی کہے دیتی ہے کہ اے غمزۂ یار
تو نے دل آج کسی اور کا چھینا ہے ضرور

ترک مے سے ہمیں انکار نہ ہوتا لیکن
اب جو ناصح کو ہے ابرام تو پینا ہے ضرور

تیری گفتار سے پیدا ہے کہ اے حسرتِ زار
دل ترا دردِ محبت کا خزینا ہے ضرور

فیض آباد جیل

عاشقی پیشہ ہے اے دل تو یہ بیداد نہ کر
ستمِ یار سے بھی شاد ہو فریاد نہ کر

دیکھ اس جلوۂ پنہاں کی زیارت ہی محال
ہمتِ شوق کو بے فائدہ برباد نہ کر

بے پر و بال کہاں چھوٹ کے جائیں صیاد
ہم اسیرانِ وفا کوش کو آزاد نہ کر

ہم تری یاد کو بھولیں گے نہ بھولے ہیں کبھی
تو ہمیں بھول کے بھی یاد نہ کر شاد نہ کر

یہ بھی حسرت کوئی تدبیرِ سکوں ہے کیا خوب
دل بیتاب سے کہتے ہو انھیں یاد نہ کر

فیض آباد جیل

چاہت مری چاہت ہی نہیں آپ کے نزدیک
کچھ میری حقیقت ہی نہیں آپ کے نزدیک

کس درجہ تغافل ہے مرے حال سے گویا
یہ کوئی مصیبت ہی نہیں آپ کے نزدیک

وہ بات بھی ممکن ہے جو دلدار ہو دلبر
جس کی کوئی صورت ہی نہیں آپکے نزدیک

کچھ قدر تو کرتے مرے اظہار وفا کی
شاید یہ محبت ہی نہیں آپکے نزدیک

معلوم یہ ہوتا ہے کہ رنگیں نظری سے
مجھ کو کوئی نسبت ہی نہیں آپکے نزدیک

راحت بھی وہیں ہے وہیں سامان فراغت
کچھ دولت و حشمت ہی نہیں آپکے نزدیک

تعزیر کے لائق بھی ہے خواہش مرے دل کی
در خورِ ملامت ہی نہیں آپکے نزدیک

بیکار ہے اظہارِ صفا اہل ولا کا
اس چیز کی حاجت ہی نہیں آپکے نزدیک

یوں غیر سے بیباک اشارے سرِ محفل
کیا یہ مری ذلت ہی نہیں آپکے نزدیک

عشاق پہ کچھ حد بھی مقرر ہے ستم کی
یا اس کی نہایت ہی نہیں آپکے نزدیک

کیا حال کہے کوئی کہ درباں کے ستم کی
آنے کی اجازت ہی نہیں آپکے نزدیک

۹ جون ۱۹۰۸ء فیض آباد جیل

اگلی سی نہ راتیں ہیں نہ گھاتیں ہیں نہ باتیں
کیا اب میں وہ حسرت ہی نہیں آپ کے نزدیک

روزِ محشر سایہ گستر ہے جو دامانِ رسول
تابِ دوزخ سے ہیں بے پرواہ غلامانِ رسول

نور سے ایمانِ خالص کے منور تھا جہاں
اب کہاں سے آئے وہ عہدِ درخشانِ رسول

صوم دائم سے بڑھی عزت قیام لیل کی
شب کو مہمانِ خدا ہیں دن کو مہمانِ رسول

رہنمائے گمرہاں و سرگروہِ مقبلاں
عاشق و معشوق ایزداں جانِ جانانِ رسول

مقتدائے سالکاں و مخزنِ اسرارِ حق
پادشاہِ عاشقاں و گنجِ عرفانِ رسول

نورِ چشم فاطمہؓ مہرِ درخشانِ علیؓ
غوثِ اعظم شاہ جیلاں۔ ماہِ تابانِ رسول

۱۲ مئی ۱۹۰۹ء فیض آباد جیل

حسرتِ محروم ہے امیدوارِ التفات
اس طرف بھی اک نظر اے میرِ سامانِ رسولؐ

اپنا سا شوق اور دل میں لائیں کہاں سے ہم
گھبرا گئے ہیں بیدلیِ ہمرہاں سے ہم

کچھ ایسی دور بھی تو نہیں منزلِ مراد
لیکن یہ جبکہ چھوٹ چلیں کارواں سے ہم

اے یادِ یار دیکھ کہ باوصفِ رنجِ ہجر
مسرور ہیں تری خلشِ ناتواں سے ہم

معلوم سب ہے، پوچھتے ہو پھر بھی مدعا
اب تم سے دل کی بات کہیں کیا زباں سے ہم

اے زہدِ خشک تیری ہدایت کے واسطے
سوغاتِ عشق لائے ہیں کوئے بتاں سے ہم

بیتابیوں سے چھپ نہ سکا حالِ آرزو
آخر بچے نہ اس نگہِ بدگماں سے ہم

پیرانہ سر بھی شوق کی ہمت بلند ہے
خواہانِ کام جاں ہیں جو اس نوجواں سے ہم

مایوس بھی تو کرتے نہیں تم زراہِ ناز
تنگ آ گئے ہیں کشمکشِ امتحاں سے ہم

خلوت بنے گی تیرے غمِ جاں نواز کی
لیں گے یہ کام اپنے دلِ شادماں سے ہم

ہے انتہائے یاس بھی اک ابتدائے شوق
پھر آ گئے وہیں پہ چلے تھے جہاں سے ہم

حسرت بھی اور جا کے کریں کس کی بندگی
اچھا جو سر اٹھائیں بھی اس آستاں سے ہم

۱۲ جنوری سنہ ۲۲ء فیض آباد جیل

کر دیں انھیں پیش نذرِ جاں ہم
بے صرفہ نہ جائیں رائیگاں ہم

کر لے جو ستم ہوں تجھ کو منظور
اے نخوتِ یار پھر کہاں ہم

باوصفِ ہجومِ یاس دل بھی
رکھتے ہیں انھیں بھی میہماں ہم

ہر صبح جہاں وہ جلوہ گر ہوں
جاتے ہیں وہیں رواں دواں ہم

ناکامیِ عشق کی بدولت
البتہ ہوتے ہیں کارواں ہم

۱۲ فروری سنہ ۲۲ء ضلع جیل

سمجھو تو سنائیں حال دل کا　　تقریر نظر میں بے زباں ہم
پوچھو جو کروگے تم ہمیں قتل　　کہتے ہیں وہ کس ادا سے ہاں ہم
سمجھیں گے عتاب کو توجہ　　ہوں گے جو ترے مزاجداں ہم
اب تجھ سے وہ کیا ملیں گے حسرت
جب جان لیا ہوئے جواں ہم

۱۲؍ فروری [illegible]

پھر آپ کہاں رہیں کہاں ہم　　سمجھے دل کے ہیں اور مہماں ہم
تم نے جو سنا تھا بے خودی میں　　کہتے ہیں وہی زماں زماں ہم
گستاخ وہ پا کے مجھکو بولے　　اب پھر جو کبھی ہوں مہرباں ہم
اے کاش قفس میں تو نہ سنتے　　افسانۂ جور باغباں ہم
سن لے جو یہی خوشی ہو تیری　　ہیں اے غم یار شادماں ہم
کچھ آپ سے تو نہیں شکایت　　ہیں شکوہ گزار آسماں ہم
کیا شوق بہار ہے کہ حسرت
کچھ رکھتے نہیں غم خزاں ہم

۱۰؍ اپریل [illegible] ضلع فیض آباد

روگ دل کو لگا گئیں آنکھیں　　اک تماشا دکھا گئیں آنکھیں
مل کے ان کی نگاہ جادو سے　　دل کو حیراں بنا گئیں آنکھیں
مجھکو دکھلا کے راہ کوچۂ یار　　کس غضب میں پھنسا گئیں آنکھیں
اس نے دیکھا تھا کس نظر سے مجھے　　دل میں گویا سما گئیں آنکھیں
محفل یار میں بذوق نگاہ　　لطف کیا کیا اٹھا گئیں آنکھیں
حال سنتے وہ کیا مرا حسرت　　وہ تو کہئے سنا گئیں آنکھیں

اہل ایماں رکھتے ہیں کامل بفتوائے جنوں — شانِ لا خوفٌ علیہم شیوۂ لا یحزنون

کامیاب و کامراں ہیں شاد کام و شادماں — گرچہ دیوانے ترے ظاہر میں ہیں زار و زبوں

روشنی بخشش دل و جاں ہو نہ کیوں اُس کا خیال — جس کے جلوے کی درخشانی ہے انوار العیون

کچھ نہیں کھلتا مجھے لے جائے گا آخر کہاں — کس کی جانب ہے دلِ دیوانہ یارب رہنموں

کی ہمت کچھ ہر زہ گردی اب یہ حسرت جی میں ہے

چھوڑ دوں سب آسرے ایک ان کے در کا ہو رہوں

ہجر ساقی میں ببادِ بادہ ہائے لالہ گوں — چشم رندان سے رواں رہتا اک دریائے خوں

انتظار یار کی سختی جو تھی حد سے فزوں — ہو گیا تاراج غم سرمایۂ صبر و سکوں

بزم دشمن میں بھی دل تھامے ہوئے بیٹھا رہا — غیر ممکن ہے جہاں اے شوخ تو ہو میں نہ ہوں

آشنا ہرگز نہ ہوگا ہم سے وہ بیگانہ خو — سحر کام آئے گا اس مشکل میں نے کوئی فسوں

شوق کی تاثیر سے گریاں جو ہے وہ سنگدل — جیسے شیر اک طرح پیدا ہے میاں بیستوں

لاکھ ہو انکار ے اصرار ساقی پر مگر — مان جانا ہی پڑیگا ہم کو بے چون و چگوں

پھر تقاضا ہے یہی مجھ سے کہ اس محفل میں چل — اس دلِ بیتاب کی ضد کو الٰہی کیا کروں

پوچھتے ہیں وہ کہ ہم سے تیری خواہش ہی سو کیا — دل میں جو جو کچھ ہے میرا اب میں ان سے کیا کہوں

پھر چلے اس قول سے منہ سے جو نکلا یکبار

ہم سے حسرت ہو چکی ہمرنگیٔ دنیائے دوں

بباعی نوشتہ ۱۳ دسمبر ۱۹۱۷ء بمقام فیض آباد ۔

ہر چند کہ میں خلاف جمہور نہیں — تقلید عوام دل کو منظور نہیں

نزدیک ہے یہ کہ سب نظر بند چھٹیں — ایسے میں نہ چھوٹوں میں تو کچھ دور نہیں

خدا جانے یہ اپنا حال کیا ہے ہجر جاناں میں　　کہ آہیں لب تک آتی ہیں نہ اشک آنکھوں سے بہتے ہیں

خموشی کی عجب یہ گفتگو ہے وصل میں باہم　　نہ کہتے ہیں وہ کچھ ہم سے نہ ہم کچھ انسے کہتے ہیں

نہ دکھلائے خدا دشمن کو بھی دوری کے صدمے　　جو ہم ان سے بچھڑ کر آج کل مجبور سہتے ہیں

مقرر بے ادب ٹھہریں گے لیکن کیا کریں حسرت
رہا جاتا ہے حالِ دل اگر خاموش رہتے ہیں

۱۴ جولائی ۱۹۱۳ء

[illegible]

سب سے چھپتے ہیں چھپیں مجھ سے تو پردا نہ کریں　　سیر گلشن وہ کریں شوق سے تنہا نہ کریں

دیکھئے شوق شہادت میں جھکی ہے گردن　　آپ اسوقت ذرا پاس ہمارا نہ کریں

اب تو آتا ہے یہی جی میں کہ اے محوِ جفا　　کچھ بھی ہو جائے مگر تیری تمنا نہ کریں

میں ہوں مجبور تو مجبور کی پرسش ہے ضرور　　وہ مسیحا ہیں تو بیمار کو اچھا نہ کریں

دردِ دل اور نہ بڑھ جائے تسلی سے کہیں　　آپ اس کام کا زنہار ارادا نہ کریں

شکوۂ جور تقاضائے کرم عرضِ وفا　　تم جو مل جاؤ کہیں ہم کو تو کیا کیا نہ کریں

نورِ جاں کے لئے کیوں ہوسِ کامل کی تلاش　　ہم تری صورتِ زیبا کا تماشا نہ کریں

عشق سے اور حسن سے بیزار ہو زنہار نہ ہو　　ہم کبھی شکوہ کریں آپ کا حاشا نہ کریں

طالب کوثر و تسنیم جو ہوں حضرت شیخ　　خواہش بادہ کی توہین گوارا نہ کریں

اب جو ملتی ہے تو چلو ہی سے پی لیں مے نوش　　انتظارِ طلبِ جام ہے بیجا نہ کریں

۸/۹/۱۹ اکتوبر [illegible]

حال کھل جائیگا بیتابیٔ دل کا حسرت
بار بار آپ انہیں شوق سے دیکھا نہ کریں

ہم نے اس بات کا شکوہ نہ کیا تھا نہ کریں　　مشق بیداد میں ناحق وحجابا نہ کریں

شوق جب حد سے گزر جائے تو ہوتا ہے یہی
ورنہ ہم اور کرم یار کی پروا نہ کریں

رشک آتا ہے مجھے نور رخ ہوتا ہے نثار
بام پر آپ شب ماہ میں سویا نہ کریں

جان ہی سے نہ گزر جائیں کہیں اہل نیاز
شوق سے ناز کریں وہ مگر اتنا نہ کریں

مانع گریہ جو ہیں آپ تو کیا ہم یوں بھی
چارۂ جان حزیں و دل شیدا نہ کریں

دل وحشی کا کسی طرح تقاضا نہ مٹے
کیا کریں سر کو جو آمادۂ سودا نہ کریں

سن کے قاصد سے مرا حال کہا تو یہ کہا
ہیں وہ بدنام کہیں ہمکو بھی رسوا نہ کریں

راز اب تک یہ کھلا ہے نہ کھلے لوگ عبث
دعوئ دانش ماہیت اشیا نہ کریں

ہیں رضا کار تو ہم پر ہے بہر حال یہ فرض
شکر حق لب پہ رہے شکوۂ اعدا نہ کریں

مان لیں فیصلۂ دوست کو بے چون و چرا
فکر امروز ہی رکھیں غم فردا نہ کریں

تو نے حسرت یہ نکالا ہے عجب رنگ غزل
اب بھی ہم کیا تری یکتائی کا دعویٰ نہ کریں

فیض آباد جیل ستمبر ۱۷

اک بار بس گیا جو کہیں ان کے پاس میں
خوشبوئے حسن یہ رہی اس لباس میں

ہم بیکسوں کا آپ کو مطلق نہ ہو خیال
آتی نہیں یہ بات ہمارے قیاس میں

اللہ رے ان کے حسن درخشاں کی گرمیاں
چھالے سے پڑ گئے ہیں زبان سپاس میں

کیوں کر کوئی ستائے انہیں شوق کی وہ بات
جو پڑ گئی ہے کشمکش التماس میں

آخر ہمارے صدق و وفا کا اثر کبھی
ہو گا ضرور ان کے دل حق شناس میں

بیتاب بیاں نثار ہیں جس پر نگاہ کی
ساقی جھلک رہی وہ کیا شے گلاس میں

حسرت ہے وقف یاد شباب و جنوں ہنوز
اس ضعف پر بھی فرق نہیں ہے حواس میں

ان سے مل کر شکوۂ بے اعتنائی پھر کہاں
شاد وہ اے دل کہ یہ لطفِ جدائی پھر کہاں

اب بھی ہیں اہلِ ہوس ناقدر دانِ شانِ حسن
لے چلا ہے ان کو شوقِ خود نمائی پھر کہاں

سب ہماری زندگی ہی تک ہیں انکے حوصلے
ورنہ یہ نازِ غرورِ دلربائی پھر کہاں

شوق ہو کامل تو کیسا جورِ خوباں کا گلا
باوفا ہم ہوں تو رنجِ بیوفائی پھر کہاں

تم ہو کیسے کوئی دنیا میں اگر اپنا نہیں
یعنی جب یہ ہے تو فکرِ بے نوائی پھر کہاں

شرط ہے ایک بار پڑ جانا تمہارے عشق میں
اس طلسمِ غم سے امید رہائی پھر کہاں

لوٹ لے جی بھر کے حسرت لذتِ آغازِ عشق
اس ستم گر کا یہ رنگِ آشنائی پھر کہاں

۱۶/ فروری سنہ ۲۲ میرٹھ جیل

سخت رنجور کر دیا ہم کو
دل نے مجبور کر دیا ہم کو

مجھ سے بگڑے ہیں وہ کہ تو نے یہ کیا
سب میں مشہور کر دیا ہم کو

رشک لیلیٰ ہے جس نے غیرتِ قیس
چشمِ بد دور کر دیا ہم کو

اس نے کی ایسی اک نظر کہ خراب
پھر بدستور کر دیا ہم کو

خاکساروں میں اپنے دیکے جگہ
تم نے مغرور کر دیا ہم کو

آہ کہنا وہ ان کا وصل کی شب
تو نے مجبور کر دیا ہم کو

نار نے عشق یار کی حسرت
سر بسر نور کر دیا ہم کو

۱۶/ جون سنہ ۲۲ فیض آباد جیل

نہ سمجھے دل فریب آرزو کو
نہ ہم چھوڑیں تمہاری جستجو کو

تری تلوار سے اے شاہِ خوباں
محبت ہو گئی ہے ہر گلو کو

وہ منکر ہو نہیں سکتا فسوں کا
سنا ہو جس نے تیری گفتگو کو

۱۳/ ستمبر سنہ ۲۲ فیض آباد جیل

تغافل اس کو کہتے ہیں کہ اس نے
مجھے دیکھا نہ محفل میں عدو کو

نہیں پانی تو مے خانے میں اے شیخ
جو کچھ موجود ہے لاؤں وضو کو

سمجھتا ہی نہیں ہے کچھ وہ بدخو
نہ خود مجھ کو نہ میری آرزو کو

نہ بھولا گھر کے اعدا میں بھی حسرتؔ
ترے فرمودۂ لاتقنطوا کو

[illegible]

پھر بھی ہے تم کو مسیحائی کا دعویٰ دیکھو
مجھ کو دیکھو مرے مرنے کی تمنا دیکھو

جرم نظارہ پہ کون اتنی خوشامد کرتا
اب بھی وہ روٹھے ہیں لو اور تماشا دیکھو

کہنے سننے سے تو چھوڑیں گے نہ وہ صحبت غیر
چال اب ہم بھی کوئی چلتے ہیں اچھا دیکھو

جور پر جور جفاؤں پہ جفائیں دیکھیں
حوصلہ اپنی محبت میں ہمارا دیکھو

دو ہی دن میں یہ مروت ہے نہ وہ چاہ نہ پیار
ہم نے پہلے ہی یہ تم سے نہ کہا تھا دیکھو

بزم اغیار میں بیجا ہیں تمہارے یہ ستم
اب نہ کرنا مری جانب کو اشارہ دیکھو

ہم نہ کہتے تھے بناوٹ ہے یہ سارا غصہ
ہنس کے لو پھر وہ انھوں نے ہمیں دیکھا دیکھو

مستیٔ حسن سے اپنی بھی نہیں تم کو خبر
کیا سنو عرض مری حال مرا کیا دیکھو

گھر سے ہر وقت نکل آتے ہو کھولے ہوئے بال
شام دیکھو نہ مری جان سویرا دیکھو

اشتعالوں پہ رقیبوں کا عمل ہے جن کا
التماسوں پہ مری ان کا بگڑنا دیکھو

محفل غیر میں بے پردہ تمہیں دیکھ لیا
اب کبھی ہم سے خبردار نہ چھپنا دیکھو

خانۂ جاں میں نمودار ہے اک پیکر نور
حسرتؔ آؤ رخ یار کا جلوہ دیکھو

دل کی رنگینیٔ خواہش کی خطا پر آخر
ملتی ہے اب گل رعنا سے خطا کیا دیکھو

سامنے سب کے مناسب نہیں ہم پر یہ عتاب
سر سے ڈھل جائے نہ غصہ میں دوپٹہ دیکھو

مر ملے ہم تو کبھی یاد بھی تم نے نہ کیا
اب محبت نہ کرنا کبھی دعویٰ دیکھو

دوستو ترک محبت کی نصیحت ہے فضول
اور نہ مانو تو دل زار کو سمجھا دیکھو

وعدۂ وصل کو ہنس ہنس نہ ٹالو کل پر
تم نے پھر آج نکالا وہی جھگڑا دیکھو

سر کہیں، بال کہیں، ہاتھ کہیں، پاؤں کہیں
ان کا سونا بھی ہے کس شان کا سونا دیکھو

غیر سے مل کے بھلا عذر کی حالت کیا تھی
تم نے پھر مجھ کو نہ کانٹوں میں گھسیٹا دیکھو

اب وہ شوخی سے یہ کہتے ہیں ستم گر ہیں جو ہم
دل کسی اور سے کچھ روز کو بہلا دیکھو

جاں کیا چیز ہے رکھیں گے جسے تم سے دریغ
ہے یاد وہ تو کسی دن ہمیں فرما دیکھو

داغؔ لو منہ میں تمہارے بھی بھر آئے پانی
مئے رنگیں کا جو ساغر سے چھلکنا دیکھو

بات کیا ہے جو تم یونہی ہوئے جاتے ہو خفا
مجھ کو دیکھو نہ مرے دل کا دھڑکنا دیکھو

ہوس دید مٹی ہے نہ مٹے گی حسرتؔ
دیکھنے کے لئے چاہو انہیں جتنا دیکھو

خیلِ عشاق کو سرگرم تمنا دیکھو
کوچۂ یار میں اک حشر ہے برپا دیکھو

داعظو مرشدِ کامل کی تمہیں ہو جو تلاش
بزم رنداں بھی اک روز ذرا جا دیکھو

تام تک منزلِ مقصود کا معلوم نہیں
مجھ کو لے جائے کہاں اب دل شیدا دیکھو

اب وہ یوں سب سے کیا کرتے ہیں شکوہ میرا
کس قدر اس نے کیا ہے مجھے رسوا دیکھو

غیر دیکھے تو نظر اس سے تمہاری بھی لڑے
مجھ سے بگڑو جو کبھی گرم تماشا دیکھو

یوں نہیں مشہور تمہارا ہے غضب رنگ ستم
قتل کر کے ہمیں تم اور بھی چمکا دیکھو

مہرباں ہوں کہ نہ یار مگر تم حسرتؔ
اس سے کرنا نہ کہیں جا کے تقاضا دیکھو

آج پھر اس نے کیا وعدۂ فردا دیکھو — وصل کی بات کا بن بن کے بگڑنا دیکھو

صبح کے نور سے گویا ہے بہم ظلمتِ شام — گیسوؤں رخِ جانا پہ بکھرنا دیکھو

حال دل سے تمہیں آگاہ کئے دیتے ہیں — اب کبھی ہم کو خبر کیا تھی نہ کہنا دیکھو

ضبطِ خواہش پہ ہو نازاں مگر اے حسرتِ دل — کیا ہوس تے جو کہیں ان کو اکیلا دیکھو

سن لیا جان سے جاتا نہ رہا حسرتِ زار

بس یہ ہوتا ہے تغافل کا نتیجہ دیکھو

۱۷؍ اکتوبر ۱۹۲۱ء فیض آباد جیل

مجھ ہی میں نہیں آتا کچھ ایسے دلربا تم ہو — قیامت ہو غضب ہو قہر ہو آفت ہو کیا تم ہو

اندھیرے میں وہ آ لپٹے تھے پہلے کس تا دکھ میں — کہ جب آخر تجھے دیکھا تو شرما کر کہا تم ہو

زمانے میں اگر کوئی نہیں اپنا تو کیا پروا — کسی سے کیا غرض مجھ کو کہ میرا آسرا تم ہو

رگِ جاں سے بھی ہو نزدیک لیکن دائے محرومی — ابھی تک جانتے ہیں سب یہی تم کو جدا تم ہو

ندامت کیوں نہ ہو حسرت غرورِ پادشاہی کو

سمجھنا چاہئے تھا کس کے کوچے کے گدا تم ہو

۱۵؍ فروری ۱۹۲۲ء میرٹھ جیل

ربط ہے ان کی تمنا کو دلِ زار کے ساتھ — اک سبک سیر بھی گویا ہے گرانبار کے ساتھ

گھر کے آخر آج برسی ہے گھٹا برسات کی — میکدوں میں کب سے ہوتی تھی دعا برسات کی

موجبِ سعد و سرور و باعثِ عیش و نشاط — تازگی بخشِ دل و جاں ہے ہوا برسات کی

شام سرما دلربا تھی صبح گرما خوشنما — دلربا تر خوشنما تر ہے فضا برسات کی

گرمی و سردی کے مٹ جاتے ہیں سب جیسے مرض — لال لال اک ایسی نکلی ہے دوا برسات کی

سرخ پوشش پر ہے زرد و سبز بوٹوں کی بہار — کیوں نہ ہوں رنگینیاں تجھ پر فدا برسات کی

دیکھنے والے ہوئے جاتے ہیں پامالِ ہوس — دیکھ کر چھب تیری اے رنگیں ادا برسات کی

۱۲؍ جون ۱۹۲۳ء فیض آباد

[Margin notes, written vertically beside the couplets: ۱۶/۱۷ اکتوبر ۱۹۲۱ء فیض آباد جیل — ۱۵/۱۶ فروری ۱۹۲۲ء میرٹھ جیل — ۱۲/۱۳ جون ۱۹۲۳ء فیض آباد]

لازم دملزوم ہیں ابرِ تر و دامانِ تر
درخورِ رحمت ہے حسرتؔ یہ خطا برسات کی

مرادِ آرزو ہے مایۂ نازِ تمنا ہے — مرے دل سے کوئی پوچھے کہ تو آفت ہو گر کیا ہے
دلِ مایوس کی ویرانیوں کا غم ہے یوں مجھکو — کہ اس تاریکیٔ حرماں میں درد انکا اکیلا ہے
دلِ مجبور کو شکوہ ہے تیری کج ادائی کا — وہ شکوہ جس میں تسلیم و رضا کی شان پیدا ہے
رہے تقدیر میری جاں نثاری پر ہے ناز اسکو — زہے قسمت غرورِ یار سرگرمِ تماشا ہے
عجب حالت ہوئی ہے میکدے کی ہجر ساقی میں — نہ ساغر ہے نہ پیمانہ، صراحی ہے نہ مینا ہے
تعجب کیا اگر نیکی کے بدلے ہو بدی حاصل — نرالے ہیں یہاں کے قاعدے اے دل دنیا ہے
تمہارے شیوۂ لطف و ستم سے خوب واقف ہیں — بہت کچھ ہم نے دیکھا ہے بہت کچھ ہم نے سمجھا ہے
مٹانے سے بھی یاد اس نوکِ مژگاں کی نہیں مٹتی — عجب کانٹا وہ تھا جو آج تک دل میں کھٹکتا ہے

گرفتارِ وفا رکھنے کی چالیں ہیں سمجھ حسرتؔ
وہ دلداری جو پھر کرتے ہیں یہ بھی ایک دھوکا ہے

۱۸-۱۹ جنوری ۱۴ء — فیض آباد جیل

جہاں جاؤ جہانِ عشق میں اک شور برپا ہے — جدھر دیکھو تمہارے حسنِ روز افزوں کا چرچا ہے
وہی محروم ہے سو جان سے تجھ پر جو شیدا ہے — یہی اے بیوفا کیا تیری چاہت کا نتیجہ ہے
نہ چھپتا مجھ سے تو کاہیکو رازِ عاشقی کھلتا — انہیں باتوں سے میں رسوا ہوں ظالم تو بھی رسوا ہے
کرامت ہے یہ جذبِ شوق کی مضطر جو ہیں وہ دل — انہوں نے تجھ کو دیکھا ہے نہ میں نے انکو جانا ہے
بہت چھپایا لگا دیکھ اے دلِ ناکردہ کار آخر — غضب مایوسیاں ہونگی محبت میں الٰہی کیا ہے
چھڑاتا ہے پھر کہنہ وہ مجبور جاتے ہیں — جدائی درد کس کو جانِ من تیری گوارا ہے
بہت کچھ ضبطِ غم کے عذر نالے لب تک آرہے ہیں — ہماری بے قراری کی شکایت انکو بیجا ہے

وہ ہنس دیتے ہیں اکثر دیکھ کر گرم نظر مجھکو
غرض یہ ہے کہ روشن ہم پہ سارا حال تیرا ہے

وہ حسرت اب یہ کہتے ہیں کہ تجھ سے کیا ملے کوئی
وہی قصے وہی جھگڑے وہی رونا رلانا ہے

۱۸، ۱۹ جنوری ۱۹۲۲ء فیض آباد جیل

نہ وہ راتوں کا آنا ہے نہ وہ دن کا بلانا ہے
خفا ہو کر انہیں مد نظر مرا ستانا ہے

ہوئے جاتے ہیں پامال طرب دل اہل محفل کے
غضب آواز ہے ان کی قیامت ان کا گانا ہے

کوئی قصہ کہانی کہہ کے چاہ اپنی جتانا ہے
کسی دن حال دل دھوکے میں مجکو بھی منانا ہے

کسی دن صاف صاف انکار ہی کر دیں تو بہتر ہے
یہ نہیں منظور اپنے بیدلوں کا چھیڑ جاتا ہے

انہیں اندازہ ہے مطلوب میری بیقراری کا
نظر کو شوق بیباکی ہے گھونگھٹ کا بہانا ہے

تسلی اک جھلک سے ہو چکی ہم بیقراروں کی
انہیں منظور اپنے بیدلوں کا چھیڑ جانا ہے

خفا ہم ان سے خود رہتے تھے اک دن وہ بھی تھے حسرت
وہ ہم سے بے سبب روٹھے ہیں یہ بھی اک زمانہ ہے

۱۹، ۲۰ جنوری ۱۹۲۲ء فیض آباد جیل

جذبۂ شوق کدھر کو لیے جاتا ہے مجھے
پردۂ راز سے کیا تم نے پکارا ہے مجھے

اس جفا کار سے ملنے کی تمنا ہے مجھے
اب بھی میں کچھ نہیں کہتا یہی کہنا ہے مجھے

التفات نگہ یار کے لائق میں کہاں
مجھ سے بیگانہ رہیں وہ یہی اچھا ہے مجھے

مرمٹا آپ پہ کون آپ نے یہ بھی نہ سنا
آپکی جان سے دور آپ سے شکوہ ہے مجھے

قوت عشق بھی کیا شے ہے کہ ہو کر مایوس
جب کبھی گرنے لگا ہوں میں سنبھالا ہے مجھے

تم سے ملنے کی یہ راہیں کہیں ہو جائیں نہ بند
خوف رہ رہ کے اسی وہم سے آتا ہے مجھے

مجھ سے بیکار وہ ظاہر میں خفا ہیں حسرت
جب میں چاہوں گا منا لوں گا یہ دعویٰ ہے مجھے

۱۴، ۱۸ اکتوبر ۱۹۲۲ء فیض آباد جیل

ہمیں وقفِ غم سربسر دیکھ لیتے — وہ تم کچھ نہ کرتے مگر دیکھ لیتے

نہ کرتے کبھی خواہشِ سیرِ جنت — جو واعظ ترا رہ گزر دیکھ لیتے

رسائی کہاں بزمِ دشمن میں اپنی — کہ ہم بھی انہیں اک نظر دیکھ لیتے

تمنا کو پھر کچھ شکایت نہ رہتی — جو تم بھول کر بھی ادھر دیکھ لیتے

نہ رہتی خبر دین و دنیا کی حسرت
جو سوتے انہیں بےخبر دیکھ لیتے

فیض آباد جیل — ۱۵ اپریل ۱۶ء

پایا کہیں جو شکوہ گذارِ جفا مجھے — بولے وہ ہنس کے آپ نے یہ کیا کہا مجھے

تنگ دیا ہے کہ انکے تغافل سے ہار کر — کرنی پڑے عتاب کی بھی التجا مجھے

نثارِ ناز یار یہی ہے عمر بھر — رکھے نیاز مند مجھے مبتلا مجھے

افسردگی کے رنگ یہی ہیں تو ایکدن — پھر درد دل کی مانگنی ہوگی دعا مجھے

محفل میں دیکھنے کو کسی کے نہ دیکھنا — اب تک وہ ان کی یاد ہے شانِ حیا مجھے

کہتے ہیں یوں وہ قصۂ فریاد بار بار — گویا سمجھا رہے ہیں طریقِ وفا مجھے

میں ان سے عفوِ جرم کی درخواست کیا کروں — معلوم بھی تو ہو کوئی اپنی خطا مجھے

لاتی ہے شوخیِ یار کی خوشبو دکن سے روز — دیوانہ کر نہ دے کہیں بادِ صبا مجھے

حسرت میں کیا بتاؤں کہ بھاتی ہے کس قدر
شہر و دیارِ یار کی آب و ہوا مجھے!

ہونا پڑے جو آپ کے در سے جدا مجھے — دنیا میں اس گھڑی کو نہ دکھلائے خدا مجھے

اس عاجزی سے کیوں میں ہوا دربدرِ یار — اس نے جھڑک دیا جو سمجھ کر گدا مجھے

کیا کہیے عرضِ حال پہ ہنس کے جو وہ کہیں — دیکھو انہیں! یہ دینگے فریبِ وفا مجھے

افسوس کی ہے کہ جا کہ عدو چاہیے اور نہیں ۔۔۔ کرنا پڑے تمہارے ستم کا گلا مجھے

بیوجہ تم جو بیٹھ رہے ہو کے بے خبر ۔۔۔ آخر یہ کس خطا کی ملی ہے سزا مجھے

ایمانِ جاں ہے اس بت کافر کی آرزو ۔۔۔ جس نے کیا ہے مخزنِ صدق و صفا مجھے

اقرارِ وصل جس میں کیا تھا حضور نے ۔۔۔ اب تک وہ یاد ہے سخنِ دل کشا مجھے

بھولے سے وہ ادھر بھی جو آنکلے تھے کہیں ۔۔۔ اس دن کا بھولتا ہی نہیں ماجرا مجھے

حسرتؔ یہ کس کے حسنِ محبت کا ہے کمال
کہتے ہیں سب جو شاعرِ رنگیں ادا مجھے

۷/اکتوبر سنہ ۱۷ء فیض آباد جیل

ہر حال میں رہا جو ترا آسرا مجھے ۔۔۔ مایوس کر سکا نہ ہجومِ بلا مجھے

ہر نغمہ نے انہیں کی طلب کا دیا پیام ۔۔۔ ہر سانس نے انہیں کی سنائی صدا مجھے

ہر بات میں انہیں کی خوشی کا رہا خیال ۔۔۔ ہر کام سے غرض ہے انہیں کی رضا مجھے

رہتا ہوں غرق ان کے تصور میں روز و شب ۔۔۔ مستی کا پڑ گیا ہے کچھ ایسا مزا مجھے

رکھتے نہ مجھ پہ ترکِ محبت کی تہمتیں ۔۔۔ جس کا خیال تک بھی نہیں ہے روا مجھے

کافی ہے ان کے پائے حنا بستہ کا خیال ۔۔۔ ہاتھ آئی خوب سوزِ جگر کی دوا مجھے

کیا کہتے ہو کہ اور لگا لو کسی سے دل ۔۔۔ تم سا نظر بھی آئے کوئی دوسرا مجھے

بیگانۂ ادب کئے دیتی ہے کیا کروں ۔۔۔ اس محوِ ناز کی نگہِ آشنا مجھے

اس بے نشان کے ملنے کی حسرتؔ ہوئی امید
آب بقا سے بڑھ کے ہے زہرِ فنا مجھے

۸/اکتوبر سنہ ۱۷ء فیض آباد جیل

خلوص اب ہم وہ لائینگے کہاں سے ۔۔۔ نکل کر حلقۂ پیرِ مغاں سے

تمنا کو یہ ڈر رہتے ان کے آگے ۔۔۔ نکل جائے نہ کچھ میری زباں سے

۹/نومبر سنہ ۱۷ء فیض آباد جیل

ابھی کھل جائے سب رازِ محبت اٹھادیں گر وہ پردہ درمیاں سے
بڑھیگی اور ابھی اے شاہِ خوباں تری خوبی مرے حسنِ بیاں سے
محبت ہو گئی ہے جھکتے جھکتے جبینِ شوق کو اس آستاں سے
خیالِ آشیاں ہے اب بھی تو دیکھ بہت ہم دور ہیں گو آشیاں سے

وہی حسرت کہ ہے اب عاشقی سے
جو نسبت گرد کو ہو کارواں سے

وہ کیوں بگڑے مرے شورِ فغاں سے شکایت ان سے تھی یا آسماں سے
ہمیں ان کا خیال اللہ اکبر کہاں تک تھا کہاں تک ہے کہاں سے
کہاں تک پا گئی عشقِ نظر کو مری قسمت میں تیرے پاسباں سے
گھری کس کشمکش میں ہے تمنا دلِ بیتاب و جسمِ ناتواں سے
کہیں ان کے تصور کی بلندی گزر جائے نہ حدِ لامکاں سے

کسی پر مٹ کے رہ جانا ہے حسرت ۹ نومبر ۲۱ء
ہمیں کیا کام عمرِ جاوداں سے

فیض آباد جیل

میانِ یاس شوق آیا کہاں سے نہ ہوں وہ بدگماں مجھ نیم جاں سے
ابھی شوقِ شہادت نے کوئی حرف نکلا بھی نہ تھا میری زباں سے
کہ وہ بولے بھلا نسبت ہی کیا ہے (ق) ترے سر کو مرے تیغِ رواں سے
چلے ہیں پھر وہیں فکرِ بتاں میں ابھی آئے ہیں کوئے بتاں سے
غمِ دل کی مضرت عاشقی میں مبدل ہو گئی ہے سودِ جاں سے

وہ لب ہیں آج پھر معروفِ تبسم　　پناہ اس التفاتِ شادماں سے

سکھا کرتی ہے درسِ عشق حسرت
سخن سنجی مرے طرزِ بیاں سے

لب یار تشکر فشاں ہو رہا ہے　　شکارِ دلِ دوستاں ہو رہا ہے
جو تھا دردِ دل ہی وہ آنندِ جاں ہے　　کہاں سے یہ ظالم کہاں ہو رہا ہے
بہت آج وہ مہرباں ہو رہے ہیں　　مرے ضبط کا امتحاں ہو رہا ہے
ستمگر نہ سمجھا کوئی ان کو ہر سو　　وہی آسماں آسماں ہو رہا ہے
حسینوں پہ جانیں فدا ہو رہی ہیں　　دنا وعدۂ عاشقاں ہو رہا ہے
میں اب کیا کہوں تجھ سے یا اپنے دل کی　　کہ تو بے کہے بدگماں ہو رہا ہے
تری یاد آرامِ دل بن رہی ہے　　ترا نام دردِ زباں ہو رہا ہے
دعائیں خدا سے جو ہم کر رہے ہیں　　مگر قصد کوئے بتاں ہو رہا ہے

۸ نومبر ۱۹۲۲
جسے دردِ جاں تھا ہمنے وہ حسرت
محبت میں درمانِ جاں ہو رہا ہے
نوشتہ [illegible]

غزل گوئی رہی یکتا میانِ عاشقاں میری　　کہاں سے پھر کوئی لاتا بیاں مرا زباں میری
شبِ غم کیا خبر دیتی ہیں پیہم ہچکیاں میری　　خداوندا انہیں کیوں یاد آئی ناگہاں میری
مرا انکار جرمِ عاشقی سے کون مانیگا　　کہ صاف اقرار تم کرتی ہے چشمِ خونفشاں میری
جہانِ حسن میں جب تک رہیگا آپ کا شہرا　　زبانِ عشق پہ جاری رہے گی داستاں میری
ہمارے شکوہ ہائے سخت جانی پردہ کہتے ہیں　　ابھی دیکھی نہیں ہے آپ نے تیغِ رواں میری
تمہارے جور بے پروا سے بھی اب چھپ نہیں سکتی　　غمِ پنہاں کی شدت ہے جو حالت ہے عیاں میری

۲۳ جنوری ۱۹۲۳ء فیض آباد جیل

نجانے تھا وہ ایسا کیا مزا فکرِ محبت میں　　کہ جس کے نام پر مرتی ہے طبعِ شادماں میری

انہیں اب ناز ہے خود اپنی صورت پر کہ برسوں سے
پرستش کر رہا ہے حسرتِ رنگیں بیاں میری

کیا تھا اب نادم ہیں اپنے جور کی روداد سے　　لٹ رہے ہیں میرؔ جو آخر مجھ کو فیض آباد سے

سیرِ گُل کو آئی تھی جس دم سواری آپ کی　　پھول اٹھا تھا چمن فخرِ مبارک باد سے

ہم کو تنہا کیوں ملے جورِ محبت کی سزا　　جب کہ یہ سب کچھ ہوا تھا آپ کی امداد سے

ہر کس و ناکس ہو کیونکر کامگارِ بے خودی　　یہ ہنر سیکھا ہے دل نے اک بڑے استاد سے

اک جہاں مستِ محبت ہے کہ ہر سو بوئے اُنس　　چھا گئی ہے ان گیسوؤں کی نکہت برباد سے

اب تلک موجود ہے کچھ کچھ لگا لائے تھے ہم　　وہ جو اک لپکا کبھی خاکِ جہاں آباد سے

دعویٰ تقویٰ کا حسرتؔ کس کو آتا ہے یقیں
آپ اور جاتے رہیں پیرِ مغاں کی یاد سے

محبت کیوں کر دگر ہو نہیں سکتی وفا مجھ سے　　یہ تم نے کیا کہا مجھ کو یہ تم نے کیا کیا مجھ سے

سمجھ رکھا ہے مجبورِ وفا کوشی جو ظالم نے　　ملا کرتا ہے کس کس ناز سے وہ بے وفا مجھ سے

محبت کی بھی کیا تاثیر ہے بیتاب ہیں دونوں　　ہوا ہے حال ان پر جو ہوئی تھی ابتدا مجھ سے

بتانِ ماہ رو کے حسن پر ایمان لایا ہوں　　انہیں کو دیکھ کر ہوتی ہے اب یادِ خدا مجھ سے

تصور ان کو ہر دم نزدِ جاں موجود رکھتا ہے　　وہ رہتے ہیں جدا پھر بھی نہیں رہتے جدا مجھ سے

کہیں دشمن سے بے شک ہال کے وہ دیکھ آئے ہیں　　جبھی بے اختیار آج ان کو آتی ہے حیا مجھ سے

---

(۱) آج سے ۴۴ سال پہلے (حسرت) اٹے کوڑ (جہان آباد) ضلع فتحپور (حسرت)

چھپاتے ہیں جیسے وہ پردہ بے اعتنائی ہیں
محبت کہہ رہی ہے حال اسی کا برملا مجھ سے

تمہارے منہ سے یہ تکرار بھی پر لطف ٹھہریگی
وہی باتیں سہی جو کہہ چکے ہو بارہا مجھ سے

یہ نازِ بے رخی دیکھو کہ بزمِ غیر میں گویا
شناسا ہوں نہ میں ان کا نہ ہیں وہ آشنا مجھ سے

سمجھ میں کچھ نہیں آتا یہ کیا انداز ہے تیرا
کبھی ہٹ بیٹھنا مجھ سے کبھی کھل کھیلنا مجھ سے

خیال اک ان کا باقی تھا سو باقی اب بھی ہے حسرت
شبِ غم اور کیا لیتے کو آئی تھی قضا مجھ سے

محبت کے عوض رہنے لگے ہر دم خفا مجھ سے
کہو تو ایسی کیا سرزد ہوئی آخر خطا مجھ سے

ملیں بھی وہ تو کیونکر آرزو بر آئیگی دل کی
نہ ہوگا خود خیال ان کو نہ ہوگی التجا مجھ سے

قرار اتنا نہیں دل کو کسی عنوان پہلو میں
ہوا ہے آشنا جب سے وہ کافر ماجرا مجھ سے

غنیمت ہے جہانِ عاشقی میں ذات دونوں کی
کہ نام جور قائم تم سے ہے رسمِ وفا مجھ سے

فلک سے بھی ہے بڑھ کر بلندی بام جاناں کی
یہ پوچھا کرتی ہے اکثر مری آہِ رسا مجھ سے

مگر سیرِ چمن کو آج وہ پھر آنے والے ہیں
ابھی کچھ کہہ رہی تھی کان میں بادِ صبا مجھ سے

محبت بھی عجب شے ہے کہ باوصفِ شناسائی
نہیں ہوتی مخاطب وہ نگاہِ آشنا مجھ سے

سکونِ قلب کی امید اب کیا ہو کہ رہتی ہے
تمنا کی دو چار اک ہر گھڑی برقِ بلا مجھ سے

تقاضہ ہے یہی خوئے نیازِ عشق بازی کا
نہ ہوگا اس سراپا ناز کا حسرت گلا مجھ سے

کرتے تو ہیں اگرچہ نظر بے عتاب کی
ہم کو ہے اس عذاب میں راحت ثواب کی

اب کیا نہیں بلاؤں کہ یہ بھی تو ہے خیال
ان کو خبر نہ ہو مرے حالِ خراب کی

دنیا کو ہم بھی چھوڑ گئے ہو جائینگے فقیر
حالت یہی رہی جو ترے اجتناب کی

مضطر ہے شوقِ دید کہ نکلے گا کب وہ چاند — چھائی ہے حسن پہ دیر سے بدلی نقاب کی
واعظ تری زبان سے اللہ کی پناہ — کیا کیا بیان کی ہے خرابی شراب کی
رحمت نے ہم سے پھیر لیا منہ جو حشر میں — صورت نظر میں پھر گئی تیرے حجاب کی
ساقی نہ پوچھ کتنی جہاں تک پیوں پلا — عادت نہیں ہے مجھ کو سوال و جواب کی
ان کا بھی خوابِ ناز میں رہنا محال ہے — شدت اگر یہی ہے مرے اضطراب کی

حسرت سبب ہے عشق ترے اضطراب کا
اب تک خبر نہیں تجھے اس انقلاب کی

دل اور تہیہ ترکِ خیالِ یار کرے — کسے یقین ہو کون اس پہ اعتبار کرے
قفس میں ہو دل بلبل شہیدِ فرقتِ گل — خزاں نے جو نہ کیا تھا وہ اب بہار کرے
قرارِ جاں کے لئے اس نے شیوۂ تسکیں — کبھی جو اور کیا ہو تو اختیار کرے
نہ دل میں خون نہ آنکھوں میں اشک جان کے سوا — کوئی اب ان پہ کرے بھی تو کیا نثار کرے
شبِ وصال ہے کوتاہ، نازِ یار دراز — ہجومِ شوق سے کہہ دو کہ اختصار کرے
شکایت اس کے تغافل کی اس قدر نہ کرو — کہیں وہ پھر نہ مجھے مل کے شرمسار کرے
قریب ہے کہ ترے گیسوئے دراز کی بو — نسیمِ باغِ جوانی کو مشکبار کرے
گزر چکی ہے تمنا کی حد سے دشواری — کہاں تک اور کوئی ترا انتظار کرے
نہ اب یہ چھیڑ سے کہتے ہیں میرے غم نے تجھے — نہ بیقرار کیا ہے نہ بے قرار کرے
ملیں کس خوشی سے دل و دیدہ فرشِ راہ کردیا — اگر وہ ترک ادھر بھی کہیں گزار کرے
خدا سے اب یہ دعا ہے کہ جلد بادِ مراد — کہیں تلافیٔ مافاتِ روزگار کرے

فزوں ہے حد سے ترے جور بیحساب کے داغ — نہ میں شمار کراؤں نہ دل شمار کرے
ہے اک پیام ہمارا بھی اے نسیم دکن (ق) — خدا تجھے طرب افروز و غم شکار کرے
ملے جو اس سے تو کہنا کہ "تیرے شوق کا راز
کہاں تلک دلِ حسرت نہ آشکار کرے

ان کو نہ شغلِ ناز سے فرصت نہ ہو سکی — ہم نے یہ کہہ دیا کہ محبت نہ ہو سکی
شکرِ جفا بھی اہلِ رضا نے کیا ادا — ان سے یہی نہیں کہ شکایت نہ ہو سکی
سب کا یہ حال ہے کہ تری یاد کے سوا — دل کو کسی خیال سے راحت نہ ہو سکی
پابوس کی بھی ہم کو اجازت نہ دے سکے — اتنی بھی تم سے قدرِ محبت نہ ہو سکی
عزمِ سرور و سوز مجھے پا کے دفعتاً — ناصح سے ترکِ مے کی نصیحت نہ ہو سکی
خاموشیوں کا رازِ محبت وہ پا گئے — گو ہم سے عرضِ حال کی جرأت نہ ہو سکی
کر دی زبانِ شوق نے سب شرحِ آرزو — الفاظ میں اگرچہ صراحت نہ ہو سکی
لطفِ مزید کی میں تمنا تو کر سکا — تم یہ تو کہہ سکے کہ قناعت نہ ہو سکی
کیوں اتنی جلد ہو گئے گھبرا کے ہم فنا — اے دردِ یار کچھ تری خدمت نہ ہو سکی
واعظ کو اپنے عیبِ ریا کا رہا خیال — رندوں کی صاف صاف مذمت نہ ہو سکی
اربابِ قال و حال پہ غالب نہ آ سکے — زاہد سے عاشقوں کی اہانت نہ ہو سکی
ایسا بھی کیا عتاب، کہ ساقی بچی کھچی — آخر میں کچھ بھی ہم کو عنایت نہ ہو سکی
اخلاص میں اپنے دل کا تقاضہ نہ کر سکا — یہ بات تھی خلافِ مروت نہ ہو سکی
کیوں آئے ہوش میں جو عبادت نہ کر سکے — پیرِ مغاں کی ہم سے اطاعت نہ ہو سکی

حسرتؔ تری نگاہِ محبت کو کیا کہوں
محفل میں رات ان سے شرارت نہ ہو سکی

[illegible]

ہر بات میں اک شان ہے بیساختہ پن کی
تصویر ہے تقریر تری حسنِ سخن کی

بڑھ جائے گی عزت گل و نسرین و سمن کی
لائی ہے چمن میں انہیں تقدیر چمن کی

فرقت میں یہ عالم ہے ترے خستہ دلوں کا
کچھ ہوش ہے تن کا نہ خبر کچھ ہے بدن کی

ہونٹوں پہ ہنسی رہتی ہے آنکھوں میں تبسم
سب ہیں ان پہ صفتیں خلق حسن کی

ہے آج یہ کیا بات کہ بے ساختہ حسرتؔ
یاد آئی ہے رہ رہ کے عزیزانِ وطن کی

[illegible]

سر حشر ان سے پھر صاحب سلامت ہونیوالی ہے
ابھی اک اور بھی برپا قیامت ہونیوالی ہے

تمہارے حسن کی جو کچھ بھی شہرت ہونیوالی ہے
جو سچ پوچھو تو میری بدولت ہونیوالی ہے

حجاب اس مست کی آنکھوں سے رخصت ہونیوالا ہے
تجھے ہر بات کی حاصل اجازت ہونیوالی ہے

دم آخر مجھے دیکھا تو نادم ہو کے فرمایا
کسے معلوم تھا تیری یہ حالت ہونیوالی ہے

خدا جانے عدو سے مشورے کیا ہوتے رہتے ہیں
نئی شاید کوئی مجھ پر عنایت ہونیوالی ہے

وہ از راہِ عطا مجھ پر کرم فرمانیوالے ہیں
مری شام الم صبح مسرت ہونیوالی ہے

تمنا کی بہت ابھی نہیں بیباکیاں حسرتؔ
سنا ہے ان سے پھر تیری شکایت ہونیوالی ہے

نگاہِ اہل نظر میں وہ نور بن کے رہے
قلوب اہل ولا میں سرور بن کے رہے

عجب نہیں کہ ترے عاشقوں کو ہے جو نصیب
وہ انکسار بھی وغرور بن کے رہے

تری نوازشِ پیہم سے ڈر یہی ہے کہ دل
کچھ اور بھی نہ کہیں نامبرور بن کے رہے

کسی کے جورِ تغافل میں بھی ہمارے لیے
مزے معانی بین السطور بن کے رہے

درِ حسن میں بجا ہے پکارے دوائی عشق
مزا تو جب ہے کہ یا لطلب شعور بن کے رہے

وہ جس گناہ کو کہدیں ثواب ہو وہ ثواب
جسے قصور بتادیں قصور بن کے رہے

تری طلب میں اذیت عزیز ہو کے رہے
تری تلاش میں زحمت سرور بن کے رہے

جنوں کا روز یہی ہے تو کیا عجب حسرتؔ
کہ رفتہ رفتہ یہ شورِ نشور بن کے رہے۔

54

دیوان حسرت

موہانی

حصۂ پنجم

جس میں حسرت موہانی کی تقریباً وہ کل غزلیں درج ہیں جو "قید فرنگ ثانی" اور "قید فرنگ ثالث" کے درمیانی عہد میں بعض بحالتِ نظربندی بمقام کھورو موہان اور بعض بحالت آزادی بمقام علیگڈھ، لکھنؤ، کانپور، باوقات مختلف لکھی گئیں۔

از اپریل ۱۹۱۸ء تا اپریل ۱۹۲۲ء

مرتبہ

مرحومہ بیگم حسرت موہانی

اب وہ ملتے بھی ہیں تو یوں۔ کہ کبھی
ہم سے کچھ واسطہ نہ تھا گویا

ہم کو منظور سب ہے سب مرغوب
تجھ سے جو کچھ ملے جزا سزا

جلوہ یار ہے دلوں کے لیئے
فی المثل اک طلسم ہوش ربا

میں بھی ہوں اک فقیر حاجتمند
کرم اے پادشاہ جود و عطا

الناظر لکھنو
گلشنِ یار کی حسرت

جانفزا کس قدر ہے آب و ہوا

مائل ہوں میں دل سے بیدلی کا
شیرینی تلخ عاشقی کا

دیوانہ ہوں عاقلوں سے لیکن
دعویٰ ہے مجھے برابری کا

مستانہ خرامیوں کی دھن میں
کچھ پاس نہیں تمہیں کسی کا

خدام کی بندگی پہ ہم کو
لازم تھا خیال صاحبی کا

ہر آئینہ مستحق ہوں ساقی
محفل میں تری بچی کھچی کا

غصے میں ادائے ناز انکی
گرمی میں ہے لطف چاندنی کا

زاہد کو جفا کشی مبارک
حسرت کو مزا قلندری کا

اک جو دے کے ہمیں شیوۂ یاری آیا
وہ بھی کچھ کام نہ خدمت میں تمہاری آیا

ان کے آگے لب فریاد بھی گویا نہ ہوئے
چپ رہے ہم جو دم شکوہ گذاری آیا

آرزو حال جو اپنا انہیں لکھنے بیٹھی
قلم شوق پہ نامہ نگاری آیا

واں سے ناکام پھرے ہم تو دریاس تلک
خون حسرت دل مجروح سے جاری آیا

دل پر شوق میں آئی کرم یار کی یاد
کہ چمن میں قدم باد بہاری آیا

تیرے انکار سے فی الفور ہوا کام تمام — زخم ایسا سرِ امید پہ کاری آیا
اور تو کچھ بھی ہمیں عشق میں حاصل نہ ہوا — ہاں مگر اک ہنر سینہ فگاری آیا

گھر کے آئی جو گھٹا ہم نے یہ جانا حسرت
وقت شوریدہ و بادہ گساری آیا

آئی جو ان کی یاد مرا دل ٹھہر گیا — دعوئ غم فراق کا باطل ٹھہر گیا
تیر نگاہ یار کا مشکل ہے سامنا — یہ ابھی تھا جگر کہ مقابل ٹھہر گیا
ہم سر جھکا چکے تھے علم ہو چکی تھی تیغ — پھر کیا کیا خیال کہ قاتل ٹھہر گیا
اے خوش ہوا جو آپ ہوئے مائل ستم — یعنی میں التفات کے قابل ٹھہر گیا
دل کو دلائے یار پہ حاصل ہوا قیام — پایا جو اس جہاز نے ساحل ٹھہر گیا
خواب و خیال ہو گئیں اگلی وہ صحبتیں — پھر ابھی اس نواح کا مشکل ٹھہر گیا
فرزانگی قصور رہے دنیائے عشق میں — دیوانہ جو ہوا وہی کامل ٹھہر گیا
بیچارگی میں رٹ جو لگی ان کے نام کی — تسکینِ جانِ زار ہوئی دل ٹھہر گیا

اچھا ہوا کہ مملکتِ حسن و عشق میں
حسرت وہ پادشاہ میں سائل ٹھہر گیا

سہل ہونے کو مرا عقدۂ دشوار آیا — روزِ غم ختم ہوا، شام ہوئی یار آیا
للہ الحمد کہ تاریکیٔ فرقت ہوئی دور — مژدۂ وصل بصد جلوۂ انوار آیا
چمنِ جاں میں نسیم ہوس انگیز چلی — کشتِ امید پہ ابرِ طرب آثار آیا
بادۂ عیش سے ملنا ہے تمنا رنگیں — ساغرِ شوق ہے ذوق سے گلنار آیا
بند کر دے گا یار کو بوسوں کا ہجوم — آج بھی ہم سے جو وہ برسرِ انکار آیا

دلِ مجبور بھی کیا شے ہے کہ در سے اپنے — اس نے سو بار اٹھایا تو میں سو بار آیا

کیوں نہ برہم ہوں وہ حسرتؔ مری رسوائی سے
نام ان کا بھی ہر کوچہ و بازار آیا

لیکے دل پہلے تو کس ڈھب سے وہ عیار گیا — اب یہ کہتا ہے کہ تو کیا مرے سر مار گیا
شکوۂ جور مری عرضِ کرم کو جانا — آہ کس بات پہ وہ شوخ ستم گار گیا
آرزو پر ترے انکار نے ڈھائی آفت — سینۂ شوق سے اک ناوکِ غم پار گیا
اور تو کس کی رسائی تری خلوت میں ہوئی — اک فقط میں ترے جلوے کا طلبگار گیا
اب تو ہم کو بھی یہی دھن ہے ہمیں چلیے وہیں — ابر جب جھوم کے اٹھا سوئے کہسار گیا

ہو گیا دے کے سر انکے حق خدمت سے ادا
حسرتؔ آیا تھا سبکسار سبکسار گیا

چاندنی رات میں پھولوں کا ہو زیور کیا خوب — رنگ لائیگا ترا حسنِ معطر کیا خوب
روشنی بخشِ تمنا ہے جو اک ماہِ منیر — وصل کی رات کا چمکا ہے مقدر کیا خوب
قابلِ دید تھی گرمی میں پسینے کی بہار — تر ہوا ہے عرقِ حسن سے بستر کیا خوب
دیکھتے ہی انہیں پہچان لیا جانِ ربا — ہم سے وہ چھپنے چلے تھے پسِ چادر کیا خوب
بن گئی ہے بدلِ گردشِ گردوں ساقی — ڈھونڈ لیتا ہے بہلنے دلِ مضطر کیا خوب

کھول کر بال جو سوتے ہیں وہ شب کو حسرتؔ
گھیر لیتی ہے انہیں زلفِ معنبر کیا خوب

دل ہے بیشک نورِ حق سے فیض یاب — "آفتاب آمد دلیلِ آفتاب"،
ہاتھ قتلِ عاشقاں سے مت اٹھا — کام کر ان کا کہ ہے کارِ ثواب۔

اگست ۱۹۲۲ء

شوقِ مے کی پرورش کیوں کر نہ ہو | لطف ساقی آج کل ہے بے حساب
بے ترے لئے بادشاہِ ہوشاں | خانِ جانِ عزیزاں ہے خراب
پی جوان آنکھوں نے تھی صہبائے حسن | پھوٹ نکلا ہے وہی رنگِ شراب
ترکِ جرمِ عاشقی ممکن نہیں | پھر اسی کا ہم سے ہوگا ارتکاب

عصرِ جدید کلکتہ

عشق حسرتؔ ہے نشانِ حسنِ دوست
بے گلاب آتی نہیں بوئے گلاب

اگست ۱۹۲۲ء

شادمانِ عشق ہے جانِ خراب | عیشِ غم سے سربسر دل کامیاب
اب ہے دل باقی نہ دل کی شورشیں | آہ وہ ہنگامۂ عہدِ شباب
آج تک اس نے نہ پہچانا کہ ہیں | عشق میں ہم حسن میں وہ لاجواب
اب تو تھا مو ہم کو یا کر دو شہید | صبر کی مطلق نہیں ہے دل کو تاب
ہم نے سب کچھ کر دیا ان پر نثار | پھر بھی تو باقی ہے ان کا اجتناب
دیر سے بیٹھے ہیں مشتاقِ لقا | تا کجا اے نازنیں ہم سے حجاب

البرید کانپور

مٹ کے حسرتؔ ہم ہیں خاکِ راہِ دوست
اس کو کہتے ہیں یہ ہے حسن المآب

بتلا دے نہ کیوں غم کو جانِ محبت | دلِ زار ہے کاروانِ محبت
ترے غم سے گر دیدہ ہے سب سے فارغ | زہے خاطرِ شادمانِ محبت
نہ کر جور اتنا بھی اے شاہِ خوباں | کہ مر جائیں گے بیدلانِ محبت

وہ سوتے نہیں ہیں وہ سب سن رہے ہیں
کہے جائیں ہم داستانِ محبت

رہے محوِ خوابِ ہوس اہل ظاہر
گذر بھی گیا کاروانِ محبت

نہ سمجھا سوا حسن کے اور کوئی
بیانِ تمناز بانِ محبت

اودھ اخبار لکھنؤ
سرِ عجز حسرت بھی خم کیوں نہ ہوتا
۵ فروری
ترا ناز ہے حکمرانِ محبت

شجرِ غم ہے آشیانۂ روح
گریہ و نالہ آب و دانۂ روح

عشق نے جب بیک اشارۂ حسن
کردیا جسم کو خزانۂ روح

مے عرفاں سے ہوگیا لبریز (ق)
خود بخود ساغرِ شبانۂ روح

خوب دنیائے آرزو میں اڑا
ناوکِ درد سے نشانۂ روح

تجھ کو بیباک دیکھنے کے لئے
عذرِ مستی ہوا بہانۂ روح

ہر طرف ہیں عیاں نقوشِ جمال
دیدنی ہے نگار خانۂ روح

نغمۂ قلب ہے ستائشِ عشق
صفتِ حسن ہے ترانۂ روح

مخزن لاہور
جسم حسرت ہے یا کہ جان گداز
مئی ۱۹۲۲ء
ذکر حسرت ہے یا فسانۂ روح

کرم ساقیٔ مے خانہ مبارک باشد
گرمیٔ مجلسِ رندانہ مبارک باشد

عید ہے آج کا دن بادہ پرستوں کیلئے
عشرتِ گردشِ پیمانہ مبارک باشد

جسکی دیدار کی مدت سے تمنا تھی سو آج
ہے وہی روز نوتی کا شانہ مبارک باشد

دل قدر شناسِ تمنا کو بصد عیش و نشاط
دولتِ جلوۂ جانانہ مبارک باشد

تو کہ سردار حسیناں ہے حسینوں میں تجھے
تزک و شوکتِ شاہانہ مبارک باشد

میں کہ سرِ خیلِ گدایانِ محبت ہوں مجھے
شانِ شایانِ فقیرانہ مبارک باشد

جانِ حسرت کے لئے مایۂ نازش ہے یہی
اضطرابِ دلِ دیوانہ مبارک باشد

۲۶ نومبر ۲۲ء
حسرت کانپور

مسودا اضطرابِ دل جیل

ان کو رسوا مجھے خراب نہ کر
اے دل اتنا بھی اضطراب نہ کر

آمدِ یار کی امید نہ چھوڑ
دیکھ اے آنکھ میلِ خواب نہ کر

مل ہی رہتی ہے مے پرست کو مے
فکرِ نایابیٔ شراب نہ کر

ناصحا ہم کریں گے شرحِ جنوں
دلِ دیوانہ سے خطاب نہ کر

شوقِ یاروں کا بے شمار نہیں
رسم اے دوست بیحساب نہ کر

دل کو مستِ خیالِ یار بنا
لب کو آلودۂ شراب نہ کر

رکھ بہر حال شغلِ مے حسرت
اس میں پروائے شیخ و شاب نہ کر

۵ جنوری ۲۳ء
زمانہ کلکتہ

۱۹ مارچ ۲۳ء مسودا اضطرابِ دل جیل

ہو گئی کثرتِ نظر
پردۂ حسنِ بے خبر

تجھ کو دمِ وداعِ جاں
دیکھ لیا بہ چشمِ تر

عاشقِ نامراد کی
آہ میں بھی نہیں اثر

بھرتے ہیں دم سب آپ کا
جن و بشر شجر و حجر

دھوئے گی داغِ معصیت
پاکیٔ گریۂ سحر

عشق تلاشِ حسن میں
خاک بسر ہے در بدر

بزمِ سرودِ یار میں
غم کا بھلا کہاں گزر

کشمکشِ فراق سے
ہے لبِ جاں پہ الحذر

وصل کے بعد روح میں — کچھ بھی رہا نہ شور و شر
نورِ جمالِ یار پر — جم نہ سکی کوئی نظر
دیکھے جو ان کو بے حجاب — کب ہے یہ طاقتِ بصر
جی کا نہ ہو کہیں زیاں — راہِ جنوں ہے پر خطر
کہنے گئے تھے ان سے حال — کچھ بھی نہ کہہ سکے مگر
عشق سے درد کے سوا — دل کو نہ کچھ ملا ثمر
کثرتِ اشکِ شوق سے — دامنِ جاں ہے پُر گہر
بے ہنری ہے عشق میں
حسرتِ زار کا ہنر

زمانہ کانپور

۱۳/۱۴ اگست ۱۹۲۳ء یرودا سنٹرل جیل

میرے عشقِ مجاز کا ہے شعار — فی المثل "دل بیار و دست بکار"
چشمِ رنگینِ یار کو ہے پسند — سرخیِ اشکِ عاشقاں کی بہار
صاف اقرار ہے محبت کا — آپ کا التفات سے انکار
عرصۂ عاشقی میں ہیں مجبور — نہ قیام آئے گا نہ ہم سے قرار
آپ سا اور ہم سا یار کہاں — آپ کو ہم سے جاں نثار ہزار
یادگار اپنی کچھ نہ چھوڑ چلے — تم میرے پاس غیر حیانِ نگار
کیوں بلائیں وہ اب بھلا کہ نہیں — تابِ گفتار و طاقتِ رفتار
شوق بیتاب ہے شہادت کا — وہ جو آئے ہیں کھینچ کر تلوار
دور میں حسنِ یار کے حسرت
کون ہے جو رہ سکے گا ہشیار

امان دہلی

درِ حجرۂ حسن کا نہ کر باز — مشتاقِ جمال ہیں نظر باز
محفل میں وہ جلوہ گر ہو بیباک — بیتاب ہیں عاشقانِ سرباز
آنکھوں ہی میں کٹ گئی شبِ ہجر — رونے سے نہ آئی چشمِ تر باز
کہتے ہیں درِ قبول اکثر — ہوتا ہے یہ نوبتِ سحر باز

۲۳ مارچ ۱۹۱۰ء جیل

اک نعرۂ حق سے تو بھی حسرت
کرنا ہو تو کر درِ اثر باز

ترچھی نظر لکھنؤ — اپریل ۲۳ء

یوں ہم سے چھپے وہ یار افسوس — افسوس ہزار بار افسوس
بیگانہ ہے اک ہمیں سے ناحق — وہ یارِ وفا شعار افسوس
بے بادہ و نغمہ یوں گزر جائے — ہنگامۂ نوبہار افسوس
گستاخ نگاہیاں ہوس کی — کیوں آئیں شتابکار افسوس

بزمِ سخن غزل

اب خواب میں بھی خیال ان کا (ق) — آتا ہے نقاب دار افسوس
ہم سے نہ ہوا کبھی مخاطب — وہ یارِ کرشمہ کار افسوس

دل کس نے لیا یہ دیکھو حسرت
کیوں کرتے ہو بار بار افسوس

عصر جدید کلکتہ — ۵ جنوری ۲۳ء

ہر دردِ ہر مرض کی دوا ہی تمہارے پاس — آتے ہیں سب یہ نہیں کہ شفا ہے تمہارے پاس
لایا ہے جذبِ دل جو انہیں کھینچ کر یہاں — وہ پوچھتے ہیں کیا یہ بلا ہے تمہارے پاس
پھیلائی ہے اسی نے مرے دردِ دل کی بات — غماز اک جو بادِ صبا ہے تمہارے پاس
کس کس خوشی سے ہوئے ہیں لوگوں کے دل اسیر — کیا چیز دامِ زلفِ دوتا ہے تمہارے پاس
سمجھائے لاکھ دل کو پہ آتا نہیں قرار — اس کا بھی کچھ علاج بھلا ہے تمہارے پاس

۱۲ ستمبر ۱۹۲۰ء

سب حل ہوں مشکلیں جو ملے دولت یقیں
لوحِ طلسم بیم و رجا ہے تمہارے پاس

کیونکر تمہیں پہنچ سکے گی مرے حال کی خبر
کتنا ہجوم ناز و ادا ہے تمہارے پاس

اقرار ہے کہ دل سے تمہیں چاہتے ہیں ہم
کچھ اس گناہ کی بھی سزا ہے تمہارے پاس

مارو کہ اب جلاؤ ہمیں تم ہے اختیار
سر رشتۂ فنا و بقا ہے تمہارے پاس

اب کوئی کیا ملے دلِ گم گشتہ کی تلاش
سب کہتے ہیں یہی کہ سنا ہے تمہارے پاس

حسرت کرو نہ دل میں زیارت حضور کی
آئینہ رسول نما ہے تمہارے پاس

نارسائی میں بھی رہے اے کاش
دل کو حاصل سرورِ سعیِ تلاش

مقصدِ عشق جانِ عشق ہے درد
دردِ لذت فروش و راحت پاش

١٨ مارچ سنہ ٣٣ء

کیوں نہ آئے جو تو ہو بادہ فروش
نقد جاں لے کے حسرتِ قلاش

یرودا سنٹرل جیل

سرخیِ حسن ہے ملبوسِ نگارِ عارض
یا عیاں نور کے پردے میں ہے نارِ عارض

دیکھنا صبحِ شبِ وصل بہارِ عارض
لیلِ گیسو سے نمایاں ہے نہارِ عارض

خوابِ راحت سے اٹھے وہ تو ہے زینتِ حسن
رونقِ صبح ہوئی آئینہ دارِ عارض

خواہشِ اہلِ نظر فتنۂ آں چشم سیاہ
شوقِ اربابِ صفا عاشقِ زارِ عارض

اس شہرِ حسن کے ماتحت ہے دنیائے جمال
خلخِ لب ختنِ جبہ تتارِ عارض

زلفِ جاناں کو نیا چاہیے اک روز شکار
دل ہوا اندر جبیں روحِ تتارِ عارض

گر یہ اہلِ تمنا کے اثر سے حسرت
ملکِ خوبی میں ہے سرسبز جوارِ عارض

مابین ١٢، ١٣ جنوری ٣٣ء سنٹرل جیل

مونس بے کساں درود شریف
راحت عاشقاں درود شریف

طالبان وصال کو ہر دم
چاہیے برزباں درود شریف

میری جانب سے ان کے پاس ملک
لے چلے ارمغاں درود شریف

اسم اعظم ہے قیدیوں کیلئے
قید میں بے گماں درود شریف

وہ بھی یارب ہو دن کہیں کہ پڑھیں
ہو کے ہم کامراں درود شریف

یہ بھی اک فیض عشق ہے ورنہ
ہم کہاں اور کہاں درود شریف

۲۳/اگست ۱۳۲۲ء

شوق نام حضور کا حسرتؔ
بن گیا ترجماں درود شریف

اودھ اخبار لکھنؤ ۲۷/اکتوبر ۲۳ء

کچھ یاد بھی ہے وہ عہد سابق
اے دشمن دوستاں صادق

کیا بات ہے میرے حسن ظن کی
ہے جور ترا کرم سے فائق

اس روئے جمیل میں ہیں یکجا
انوار مغارب و مشارق

محروم نہ ہو تو اور کیا ہو
اس دشمن عاشقاں کا عاشق

حسرتؔ کو دیار عاشقی کی
زنہار نہیں ہوا موافق

سابرمتی سنٹرل جیل محرم ۱۳۴۲ھ

امام برحق اہل رضا سلام علیک
شہید معرکۂ کربلا سلام علیک

گل مراد ولایت حسینؓ ابن علیؓ
تمۂ شرفؔ[1] مصطفےٰ سلام علیک

سابرمتی سنٹرل جیل محرم الحرام ۱۳۴۱ھ

---

[1] چونکہ شہادت کبریٰ سے عوام کی نظر میں توہین رسالت کا اندیشہ تھا اس لئے حضور کو یہ نعمت بذریعہ سید امام حسین علیہ السلام حاصل ہوئی پس تمۂ شرف مصطفےٰ ٹھہرے (حسرت)

ثبوت یہ ہے کہ نورِ شہادتِ کبریٰ — تری جبیں سے نمایاں ہو اسلام علیک
عبث ہر اور کہیں راہ صبر و حق[1] کی تلاش — تری مثال ہے جب رہنما سلام علیک

تِرے طفیل میں حسرت بھی ہو شہید وفا
یہی دعا ہے یہی مدعا سلام علیک

کرو کچھ تو ارشاد یا غوث الاعظم — سنو میری فریاد یا غوث الاعظم
رہِ عاشقی میں کہیں میری محنت — نہ ہو جائے برباد یا غوث الاعظم
گرفتاریٔ حسن ظاہر سے دل کو — کرو جلد آزاد یا غوث الاعظم
مبارک ہمیں دردِ دل ہو کہ اس پر — تمہارا ابھی ہے صاد یا غوث الاعظم
اسے تم سوا کون اٹھائے گا مجھ پر — پڑی ہے جو افتاد یا غوث الاعظم
زیارت ہزاروں کو ہوتی ہے اکدن (ق) — اسے بھی کرو یاد یا غوث الاعظم

کہاں تک رہے دل میں حسرت کے آخر
تمنائے بغداد یا غوث الاعظم

فیضِ محبت سے ہے قیدِ محن — میرے لیے اک بلائے حسن
شام غریباں کے برابر کہاں — مذہبِ عشاق میں صبح وطن
آہ وہ غارتگرِ صبر و شکیب — سلسلۂ زلفِ شکن در شکن
فتنۂ جاں وہ سخنِ دل پذیر (ق) — دشمنِ دیں وہ نگہِ سحر فن

---

[1] اشارہ یہ جانب آیۂ کریمہ وتواصوا بالحق و
ہیں سے عدم تشدد بہر حال کی تردید نکلتی ہے!

ہیں

جلوۂ جاناں سے ہے دار السرور — خانۂ جاناں اب نہیں بیت الحزن
مہر و مروت سے تمہیں واسطہ — یہ بھی حریفوں کا ہے اک حسنِ ظن

جب سے کہا عشق نے حسرت مجھے
کوئی بھی کہتا نہیں فضل الحسن

لطف کی ان سے التجا نہ کریں — ہم نے ایسا کبھی کیا نہ کریں
مل رہے گا جو ان سے ملنا ہے — لب کو شرمندۂ دعا نہ کریں
صبر مشکل ہے آرزو بے کار — کیا کریں عاشقی میں کیا نہ کریں
مسلک عشق میں ہے فکر حرام — دل کو تدبیر آشنا نہ کریں
بھول ہی جائیں ہم کو یہ تو نہ ہو — کون کہتا ہے وہ جفا نہ کریں
مرضئ یار کے خلاف نہ ہو — لوگ میرے لیے دعا نہ کریں

شوق ان کا سو مٹ چکا حسرت
کیا کریں ہم اگر وفا نہ کریں

(از حسرت ۲۳ / سابرمتی جیل)

بدلِ گردشِ ایام ملے گا کہ نہیں — گوشۂ یاس میں آرام ملے گا کہ نہیں
بے وفا چھوڑ چلا ہم کو کہیں گے کہ نہ وہ — جاں نثاری کا کچھ انعام ملیگا کہ نہیں
کام کیا شوق کی تاثیر نہ آئے گی کبھی — کھل کے بھی وہ بت خودکام ملیگا کہ نہیں
کرم پیر مغاں عام ہے رند و نہ ڈرو — کہ ہمیں بادۂ گلفام ملے گا کہ نہیں
جلوۂ دوست کی نسبت یہی ہر دم ہے خیال — کہ وہ اب پھر بھی سر بام ملیگا کہ نہیں
صبر کا آرزوِ تا تمناہی کی جگہ — دفترِ دل میں کہیں نام ملیگا کہ نہیں

نعمت بذریعہ

الناظر لکھنؤ — جنوری ۲۳ء

کل تو رندوں میں ملا تھا مگر اب پھر بھی کہیں
دیکھئے حسرتِ گمنام ملے گا کہ نہیں

[۱۷ مارچ ۲۳ء یرودا جیل]

کچھ میرے حالِ زار کی ان کو خبر نہیں — کیا ہو کہ میں ہی جا کے سنا دوں مگر نہیں
اک آفتابِ حسن درخشاں ہے وہ جمال — دیکھے اسے بغور یہ تابِ نظر نہیں
پہلو میں دل کو پوچھ رہی ہے نگاہِ یار — کیا جانے اب کوئی وہ کدھر ہے کدھر نہیں
کب تھے وہ میرے حال سے اس درجہ بے خبر — کیوں کر کہوں میں نالۂ دل میں اثر نہیں
ہم بیکسوں کو قتل جو کرتا ہے بے گناہ — کچھ اے عزیز تجھ کو خدا کا بھی ڈر نہیں
پرسش ہے میرے حال کی یا اب جو روزِ حشر — اتنا بھی اب وہ قصۂ غم مختصر نہیں

ہو یار تک رسائی حسرت نہ کیوں محال
اس محفلِ سرور میں غم کا گذر نہیں

[یرودا جیل ۷ جون ۲۳ء]

کب وہ بلاتے ہیں دوبارہ ہمیں — جب نہ رہا دید کا یارا ہمیں
ہوش میں کیا آئیں نہیں چھوڑتا — جلوۂ جاناں کا نظارا ہمیں
کچھ بھی نہیں ہے اگر ان کے بقول — پھر نہ دیں دل وہ ہمارا ہمیں
ان کی حیا کہتی ہے معلوم ہے — حال ترے شوق کا سارا ہمیں
حکمِ فنا کی انہیں حاجت نہ تھی — آنکھ سے کافی تھا اشارہ ہمیں
کون ہے کیا ہے وہ بتِ بیوفا — کوئی بتاؤ یہ خدارا ہمیں
اس دلِ نازک پہ نہ ہو گر اثر — ہے غمِ فرقت بھی گوارا ہمیں
کاش وہی پھر بھی جلا دے کہیں — جس نگہِ لطف نے مارا ہمیں
وہ بھی نہ حسرت کہیں دیدیں جواب — اک انہیں کا ہے سہارا ہمیں

معارف اعظم گڑھ جون ۲۳ء

یہ کس بزم کے ہم نکالے ہوئے ہیں
کہ حسرت نصیبوں کے حوالے ہوئے ہیں

وہ اب آبیٹھ محفل میں، سب اہل محفل
خبردار ہیں دل سنبھالے ہوئے ہیں

فریبِ وفا آپ دیتے ہیں کس کو
یہ جلوے مرے دیکھے بھالے ہوئے ہیں

وہ بے پردہ سوتے ہیں، ظاہر میں لیکن
دوپٹہ یوں ہی منہ پہ ڈالے ہوئے ہیں

مئے بے کہ، خوشبو سے بدمست یکسر
تری شال تیرے دوشالے ہوئے ہیں

یہ کیا جانے زاہد کہ اب رمضان
مرے جام تیرے کھنگالے ہوئے ہیں

ضیا بارئ عشق جاناں ہے حسرت
اندھیرے دلوں کے اجالے ہوئے ہیں

۱۶/ جون ۲۳ء ورد اسفرزل نمبر

نگار بھوپال — جولائی ۲۳ء

اک واقعہ ماجرا ہے در کوئے میفروشاں
سرگرم بادہ نوشی اب تو وہ خرقہ پوشاں

بے پردہ جلوہ گر ہے محفل میں وہ خود آرا
چمکی ہے آج کیا ہی تقدیر دل فروشاں

ہم عاشقِ بتاں ہیں باوصف حق پرستی
صورت پسند اپنا معنی شناس اوشاں

پردے میں شرم کے ہے روپوش جور خوباں
یہ بھی ہے اک فریب ناز بہانہ کوشاں

مصروف یاد حق ہیں رندان لاابالی
گویا ہے بزم ساقی اک محفل خموشاں

کام آئے گی نہ کچھ بھی کیا اپنی جانفشانی
اے شاہِ ماہ رویاں اے جان سرفروشاں

ہم بھی بگڑ کے رہتے اس بے خبر سے حسرت
انکار مے جو ہوتا آئین دردنوشاں

۱۱/ اگست ۲۳ء

الامان دہلی — ۲۳ اگست ۲۳ء

ہم دیر سے نظارۂ خوباں میں لگے ہیں
یہ پھول غضب گلبنِ ایماں میں لگے ہیں

مصروف غم عشق نہیں دل کے ارادے
قیدی ہیں کہ سب کام پہ زنداں میں لگے ہیں

ٹکڑے ہیں یہ کس کے دلِ محروم کے ظالم
اب تک جو ترے تیر کے پیکاں میں لگے ہیں

۱۶/ اگست ۲۳ء ورد اسفرزل نمبر

مجھ سے وہ کھلیں کیا کہ نظر اٹھ نہیں سکتی ۔۔۔ محجوب ہیں پیمانکش داماں میں لگے ہیں

لگتی نہیں روضۂ رضواں میں طبیعت ۔۔۔ ان کی جو سر کوچۂ جاناں میں لگے ہیں

باقی نہیں اک تار بھی دامن میں جو حسرت

اب اہل جنوں نحر گریباں میں لگے ہیں

نہ سہی گر انہیں خیال نہیں ۔۔۔ کہ ہمارا ابھی اب وہ حال نہیں

یاد انہیں وعدۂ وصال نہیں ۔۔۔ کب کیا تھا یہی خیال نہیں

ایسے بگڑے وہ دل کے شوق کی بات ۔۔۔ آج تک ہم سے بول چال نہیں

مجھ کو اب غم یہ ہے کہ بعد مرے ۔۔۔ خاطر یار بے ملال نہیں

عفوِ حق کا ہے میکشوں پہ نزول ۔۔۔ ریزش ابر بر شگال نہیں

ہم یہ کیوں عرض حال دل پہ عتاب ۔۔۔ ایلچی کو کہیں زوال نہیں

سن کے مجھ سے وہ خواہش پابوس ۔۔۔ ہنس کے کہتے لگے مجال نہیں

دل کو ہے یاد شوق کا وہ ہنر ۔۔۔ جس سے بڑھ کر کوئی کمال نہیں

آپ نادم نہ ہوں کہ حسرت کے

شکوۂ غم کا احتمال نہیں

۲۱ جولائی ۳۶ء [illegible] غزل

اس بت کے پجاری ہیں مسلمان ہزاروں ۔۔۔ بگڑے ہیں اسی کفر میں ایمان ہزاروں

دنیا ہے کہ ان کے رخ گیسو پہ مٹی ہے ۔۔۔ حیران ہزاروں ہیں پریشان ہزاروں

تنہائی میں بھی تیرے تصور کی بدولت ۔۔۔ دل بستگی غم کے ہیں سامان ہزاروں

اے شوق تری پستیٔ ہمت کا برا ہو ۔۔۔ مشکل ہوئے جو کام تھے آسان ہزاروں

آنکھوں نے تجھے دیکھ لیا اب نہیں کیا غم ۔۔۔ حالاں کہ ابھی دل کو ہیں ارمان ہزاروں

چھانے ہیں ترے عشق نے آشفتہ سری میں
دنیائے مصیبت کے بیابان ہزاروں

اک بار لکھا سر گردِ دلِ حسرت پہ رہیں گے
قاتل تری شمشیر کے افسان ہزاروں

نامرادوں کو شاد کام کرو
کرم اپنا کبھی تو عام کرو

کارِ عاشق ہے ناتمام سو تم
قتل کر کے اسے تمام کرو

سب کی خاطر کا ہے خیال تمہیں
کچھ ہمارا بھی انتظام کرو

عاشقو ہجر سے نہ ہو بیزار (ق)
غمِ جاناں کا احترام کرو

رات رو رو کے جسطرح کاٹی
اسی صورت سے دن کو شام کرو

گفتگو ہیچ ہے اگر چاہو
کامِ جاں کا حصول کام کرو

موت سے پہلے ہی زراہ وفا
مر مٹو۔ عاشقی میں نام کرو

کھل سکے جب تلک نہ راہِ مراد
منزلِ صبر میں قیام کرو

پوچھتے ہیں وہ جاں نثاروں کو
تم بھی حسرت اٹھو سلام کرو

لاکھ اس شوخ جفا کار سے پرہیز کرو
شوق پھر بھی یہی کہتا ہے سبہ انگیز کرو

صبر کی ہو دلِ بیتاب سے امید کسے
خود ہی جب تشنگیِ شوق کو تم تیز کرو

میکشو۔ یونہی گزر جائے نہ تاریکیِ ابر
جام کو بادۂ پرنور سے لبریز کرو

عاشقو دور نہیں منزلِ مقصودِ وصال
پالو ہارے طلبِ یار کو مہمیز کرو

فرق لائے نہ جگر سوزیِ صہبا میں گلاب
مغبچو تم کو قسم ہے جو کچھ آمیز کرو

ہم سے روٹھا بھی تو لازم ہے اکتاد کیساتھ
قہر بھی ہم پہ کرو تم، تو دلآویز کرو

اب وہ ملتے بھی ہیں تو یوں۔ کہ کبھی
ہم سے کچھ واسطہ نہ تھا گویا
ہم کو منظور سب ہے سب مرغوب
تجھ سے جو کچھ ملے جزا سزا
جلوۂ یار ہے دلوں کے لئے
فی المثل اک طلسم ہوشربا
میں بھی ہوں اک فقیر حاجتمند
کرم اے پادشاہ جود و عطا

الناظر لکھنور

گلشنِ یار کی حسرت

جانفزا کس قدر ہے آب و ہوا

مائل ہوں میں دل سے بیدلی کا
شیدائی ہوں عاشقی کا
دیوانہ ہوں عاقلوں سے لیکن
دعویٰ ہے مجھے برابری کا
مستانہ خرامیوں کی دھن میں
کچھ پاس نہیں تمہیں کسی کا
خدام کی بندگی پہ ہم کو
لازم تھا خیال صاحبی کا
ہر آئینہ مستحق ہوں ساقی
محفل میں تری بچی کھچی کا
غصے میں ادائے ناز انکی
گرمی میں ہے لطف چاندنی کا
زاہد کو جفا کشی مبارک
حسرت کو مزا قلندری کا

اک جو سودے کے سوا میں شیوۂ یاری آیا
وہ بھی کچھ کام نہ خدمت میں تمہاری آیا
ان کے آگے لبِ فریاد بھی گویا نہ ہوئے
چپ رہے ہم جو دمِ شکوہ گزاری آیا
آرزو حال جو اپنا انہیں لکھنے بیٹھی
قلمِ شوق پہ ہے نامہ نگاری آیا
واں سے ناکام پھرے ہم تو دریا سے نکلک
خونِ حرماں دلِ مجروح سے جاری آیا
دل پر شوق میں آئی کرمِ یار کی یاد
کہ چمن میں قدمِ بادِ بہاری آیا

تیرے انکار سے فی الفور ہوا کام تمام
زخم ایسا سرِ امید پہ کاری آیا

اور تو کچھ بھی ہمیں عشق میں حاصل نہ ہوا
ہاں مگر اک ہنر سینہ فگاری آیا

گھر کے آئی جو گھٹا ہم نے یہ جانا حسرت
وقت شوریدہ و بادہ گساری آیا

آئی جو ان کی یاد مرا دل ٹھہر گیا
دعوئ غم فراق کا باطل ٹھہر گیا

تیر نگاہ یار کا مشکل ہے سامنا
یہ ابھی تھا جگر کہ مقابل ٹھہر گیا

ہم سر جھکا چکے تھے علم ہو چکی تھی تیغ
پھر کیا کیا خیال کہ قاتل ٹھہر گیا

دل خوش ہوا جو آپ ہوئے مائل ستم
یعنی میں التفات کے قابل ٹھہر گیا

دل کو دیارِ یار پہ حاصل ہوا قیام
پایا جو اس جہاز نے ساحل ٹھہر گیا

خواب دخیال ہو گئیں اگلی وہ صحبتیں
پھر ابھی اس نواح کا مشکل ٹھہر گیا

فرزانگی قصور رہے دنیائے عشق میں
دیوانہ جو ہوا وہی کامل ٹھہر گیا

بیچارگی میں رٹ جو لگی ان کے نام کی
تسکین جان زار ہوئی دل ٹھہر گیا

اچھا ہوا کہ مملکتِ حسن و عشق میں
حسرت وہ پادشاہ میں سائل ٹھہر گیا

سہل ہوتے کو مرا عقدۂ دشوار آیا
روزِ غم ختم ہوا شام ہوئی یار آیا

للہ الحمد کہ تاریکی فرقت ہوئی دور
مژدۂ وصل بصد جلوۂ انوار آیا

چمنِ جاں میں نسیم ہوس انگیز چلی
کشتۂ امید پہ ابرِ طرب آثار آیا

بادۂ عیش سے پیمانۂ تمنا رنگیں
ساغرِ شوق مے ذوق سے گلنار آیا

بند کر دے گا بیاد کو بوسوں کا ہجوم
آج بھی ہم سے جو وہ بر سرِ انکار آیا

دلِ مجبور بھی کیا شے ہے کہ در سے اپنے — اس نے سو بار اٹھایا تو میں سو بار آیا

کیوں نہ برہم ہوں وہ حسرت مری رسوائی سے
نام ان کا بھی ہر کوچہ و بازار آیا

لیکے دل پہلے تو کس ڈھب سے وہ عیار گیا — اب یہ کہتا ہے کہ تو کیا مرے سر مار گیا

شکوۂ جور مری عرضِ کرم کو جاتا — آہ کس بات پہ وہ شوخ ستم گار گیا

آرزو پر ترے انکار نے ڈھائی آفت — سینۂ شوق سے اک ناوکِ غم پار گیا

اور تو کس کی رسائی تری خلوت میں ہوئی — اک فقط میں ترے جلوے کا طلبگار گیا

اب تو ہم کو بھی یہی دھن ہے پئیں چلکے وہیں — ابر جب جھوم کے اٹھا سوئے کہسار گیا

ہو گیا دے کے سر انکے حق خدمت سے ادا
حسرت آیا تھا سبکسار سبکسار گیا

چاندنی رات میں پھولوں کا ہو زیور کیا خوب — رنگ لائیگا ترا حسنِ معطر کیا خوب

روشنی بخشِ تمنا ہے جو اک ماہ منیر — وصل کی رات کا چمکا ہے مقدر کیا خوب

قابلِ دید تھی گرمی میں پسینے کی بہار — تر ہوا ہے عرقِ حسن سے بستر کیا خوب

دیکھتے ہی انہیں پہچان لیا جان لبا — ہم سے وہ چھپنے چلے تھے پسِ چادر کیا خوب

بن گئی ہے بدلِ گردشِ گردوں ساقی — ڈھونڈ لیتا ہے بہلنے دل مضطر کیا خوب

کھول کر بال جو سوتے ہیں وہ شب کو حسرت
گھیر لیتا ہے انہیں زلفِ معنبر کیا خوب

دل ہے بیشک نورِ حق سے فیض یاب — "آفتاب آمد دلیل آفتاب"

ہاتھ قتلِ عاشقاں سے مت اٹھا — کام کر ان کا کہ ہے کار ثواب

شوقِ مے کی پرورش کیوں کر نہ ہو — لطفِ ساقی آج کل ہے بے حساب

بے ترے اے بادشاہِ مہوشاں — خان جانِ عزیزاں ہے خراب

پی جو ان آنکھوں نے تھی صہبائے حسن — چھوٹ نکلا ہے وہی رنگِ شراب

ترکِ جرمِ عاشقی ممکن نہیں — پھر اسی کا ہم سے ہوگا ارتکاب

(ذ اگست ۱۹۲۲ء)

عصرِ جدید کلکتہ

عشقِ حسرتؔ ہے نشانِ حسنِ دوست

بے گلاب آتی نہیں بوئے گلاب

شادمانِ عشق ہے جانِ خراب — عیشِ غم سے سربسر دل کامیاب

اب ہے دل باقی نہ دل کی شورشیں — آہ وہ ہنگامۂ عہدِ شباب

آج تک اس نے نہ پہچانا کہ ہیں — عشق میں ہم حسن میں وہ لاجواب

اب تو تھامو ہم کو یا کر دو شہید — صبر کی مطلق نہیں ہے دل کو تاب

ہم نے سب کچھ کر دیا ان پر نثار — پھر بھی تو باقی ہے ان کا اجتناب

دیر سے بیٹھے ہیں مشتاقِ لقا — تا کجا اے نازنیں ہم سے حجاب

(ذ اگست ۱۹۲۲ء)

البرید کانپور

مٹ کے حسرتؔ ہم ہیں خاکِ راہِ دوست

اس کو کہتے ہیں یہ ہے حسن المآب

بتلا رہے نہ کیوں غم کو جانِ محبت — دلِ زار ہے کاروانِ محبت

ترے غم سے گر دیدہ ہے سب سے فارغ — نہ ہے خاطرِ شادمانِ محبت

نہ کر جور اتنا بھی اے شاہِ خوباں — کہ مر جائیں گے بیدلانِ محبت

وہ سمجھتے نہیں ہیں وہ سب سن رہے ہیں | کہے جائیں ہم داستانِ محبت
رہے محوِ خوابِ ہوس اہلِ ظاہر | گذر بھی گیا کاروانِ محبت
نہ سمجھا سوا حسن کے اور کوئی | بیانِ تمنا زبانِ محبت

سرِ عجز حسرت بھی خم کیوں نہ ہوتا
تمنا ناز ہے حکمرانِ محبت

اودھ اخبار لکھنؤ — ۵ فروری

شجرِ غم ہے آشیانۂ روح | گریہ و نالہ آب و دانۂ روح
عشق نے جب بیک اشارۂ حسن | کر دیا جسم کو خزانۂ روح
مئے عرفاں سے ہو گیا لبریز (ق) | خود بخود ساغرِ شبانۂ روح
خوب دنیائے آرزو میں اڑا | ناوکِ درد سے نشانۂ روح
تجھ کو بیباک دیکھنے کے لئے | عذرِ مستی ہوا بہانۂ روح
ہر طرف ہیں عیاں نقوشِ جمال | دید لی ہے نگار خانۂ روح
نغمۂ قلب ہے ستائشِ عشق | صفتِ حسن ہے ترانۂ روح

جسمِ حسرت ہے یا کہ جانِ گداز
ذکرِ حسرت ہے یا فسانۂ روح

مخزن لاہور — ۱۳ مئی ۱۹۰۳ء

کرمِ ساقیٔ میخانہ مبارک باشد | گرمیٔ مجلسِ رندانہ مبارک باشد
عید ہے آج کا دن بادہ پرستوں کیلئے | عشرتِ گردشِ پیمانہ مبارک باشد
جسکی دیدار کی مدت سے تمنا تھی سو آج | ہے وہی رونقِ کاشانہ مبارک باشد
دل فرد نشانِ تمنا کو بصد عیش و نشاط | دولتِ جلوۂ جانانہ مبارک باشد
تو کہ سردارِ حسیناں ہے حسینوں میں تجھے | تزک و شوکتِ شاہانہ مبارک باشد

میں کہ سر خیلِ گدایانِ محبت ہوں مجھے شانِ شایانِ فقیرانہ مبارک باشد

جانِ حسرت کے لئے مایۂ نازش ہے یہی

حریت کانپور ۲۶ نومبر ۲۲ء

اضطرابِ دلِ دیوانہ مبارک باشد

یرودا سنٹرل جیل

ان کو رسوا مجھے خراب نہ کر — اے دل اتنا بھی اضطراب نہ کر
آمدِ یار کی امید نہ چھوڑ — دیکھ اے آنکھ میلِ خواب نہ کر
مل ہی رہتی ہے مے پرست کو مے — فکرِ نایابیٔ شراب نہ کر
ناصحا ہم کریں گے شرحِ جنوں — دلِ دیوانہ سے خطاب نہ کر
شوق یاروں کا بے شمار نہیں — رسم اے دوست بیحساب نہ کر
دل کو مستِ خیالِ یار بنا — لب کو آلودۂ شراب نہ کر
دیکھ بہر حال شغلِ مے حسرت
اس میں پروائے شیخ و شاب نہ کر

زمانہ کلکتہ ۵ جنوری ۲۳ء

۱۹ مارچ ۲۳ء یرودا سنٹرل جیل

ہو گئی کثرتِ نظر — پردۂ حسن بے خبر
تجھ کو دمِ وداعِ جاں — دیکھ لیا بچشمِ تر
عاشقِ نامراد کی — آہ میں بھی نہیں اثر
پھرتے ہیں دم سب آپ کا — جن و بشر شجر و حجر
دھوئے گی داغِ معصیت — پا کی گریۂ سحر
عشقِ تلاشِ حسن میں — خاک بسر ہے در بدر
بزمِ سرورِ یار میں — غم کا بھلا کہاں گذر
کشمکشِ فراق سے — ہے لبِ جاں پہ الحذر

وصل کے بعد روح میں — کچھ بھی رہا نہ شور و شر
نورِ جمالِ یار پر — جم نہ سکی کوئی نظر
دیکھے جو ان کو بے حجاب — کب ہے یہ طاقتِ بصر
جی کا نہ ہو کہیں زیاں — راہِ جنوں ہے پر خطر
کہنے گئے تھے ان سے حال — کچھ بھی نہ کہہ سکے مگر
عشق ہے درد کے سوا — دل کو نہ کچھ ملا ثمر
کثرتِ اشکِ شوق سے — دامنِ جاں ہے پُر گہر

زمانہ کانپور

ہے ہنری ہے عشق میں
حسرت زار کا ہنر

۲۸/۱۱ اگست ۱۹۰۴ء منزل جہل

میرے عشقِ مجاز کا ہے شعار — فی المثل "دل بیار و دست بکار"
چشمِ رنگینِ یار کو ہے پسند — سرخیِ اشکِ عاشقاں کی بہار
صاف اقرار ہے محبت کا — آپ کا التفات سے انکار
عرصۂ عاشقی میں ہیں مجبور — نہ قیام آئے گا نہ ہم سے قرار
آپ سا اور ہم یار کہاں — آپ کو ہم سے جاں نثار ہزار
یادگار اپنی کچھ نہ چھوڑ چلے — تم میرے پاس غیر جانِ فگار
کیوں بلا بیٹھیں وہ اب ہمیں کہ نہیں — تابِ گفتار و طاقتِ رفتار
شوق بیتاب ہے شہادت کا — وہ جو آئے ہیں کھینچ کر تلوار

دور میں حسنِ یار کے حسرت
کون ہے جو رہ سکے گا ہشیار

امان دہلی

در حجرۂ حسن کا نہ کر باز ‏— مشتاقِ جمال ہیں نظر باز
محفل میں وہ جلوہ گر ہی بیباک ‏— بیتاب ہیں عاشقانِ سرباز
آنکھوں ہی میں کٹ گئی شبِ ہجر ‏— رونے سے نہ آئی چشمِ تر باز
کہتے ہیں درِ قبول اکثر ‏— ہوتا ہے یہ نوبتِ سحر باز

(مخزن جون ۱۹۱۹ء ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ)

اک نعرۂ حق سے تو بھی حسرت
کرتا ہو تو کر درِ اثر باز

ترچھی نظر لکھنو — اپریل ۲۳ء

یوں ہم سے چھپے وہ یار افسوس ‏— افسوس ہزار بار افسوس
بیگانہ ہے اک ہمیں سے نا حق ‏— وہ یار وفا شعار افسوس
بے بادہ و نغمہ یوں گزر جائے ‏— ہنگامۂ نوبہار افسوس
گستاخ نگاہیاں ہوس کی ‏— کیوں آئیں شتابکار افسوس
اب خواب میں بھی خیال ان کا (ق) ‏— آتا ہے نقاب دار افسوس
ہم سے نہ ہوا کبھی مخاطب ‏— وہ یار کرشمہ کار افسوس

(مخزن شوال ۳۸ھ)

دل کس نے لیا یہ دیکھو حسرت
کیوں کرتے ہو بار بار افسوس

عصر جدید کلکتہ — ۵ جنوری ۲۳ء

ہر درد ہر مرض کی دوا ہی تمہارے پاس ‏— آتے ہیں سب نہیں کہ شفا ہے تمہارے پاس
لایا ہے جذبِ دل جو انہیں کھینچ کر یہاں ‏— وہ پوچھتے ہیں کیا یہ بلا ہے تمہارے پاس
پھیلائی ہے اسی نے مرے دردِ دل کی بات ‏— غماز اک جو بادِ صبا ہے تمہارے پاس
کس کس خوشی سے ہوئے ہیں لوگوں کے دل اسیر ‏— کیا چیز دامِ زلف دوتا ہے تمہارے پاس
سمجھاؤ لاکھ دل کو پر آتا نہیں قرار ‏— اس کا بھی کچھ علاج بھلا ہے تمہارے پاس

(۱۳۴۲ھ محرم ۷/۱۷)

سب حل ہوں مشکلیں جو ملے دولت یقیں — لوحِ طلسمِ بیم و رجا ہے تمہارے پاس
کیونکر نہ پہنچ سکے گی مرے حال کی خبر — کتنا ہجومِ ناز و ادا ہے تمہارے پاس
اقرار ہے کہ دل سے تمہیں چاہتے ہیں ہم — کچھ اس گناہ کی بھی سزا ہے تمہارے پاس
مارو کہ اب جلاؤ ہمیں تم ہے اختیار — سر رشتۂ فنا و بقا ہے تمہارے پاس
اب کوئی کیا مرے دلِ گم گشتہ کی تلاش — سب کہتے ہیں یہی کہ سنا ہے تمہارے پاس

حسرت کرو نہ دل میں زیارت حضور کی
آئینہ رسوائی نما ہے تمہارے پاس

نارسائی میں بھی رہے اے کاش — دل کو حاصلِ سر دیدِ سعیِ تلاش
مقصدِ عشق جانِ عشق ہے درد — دردِ لذت فروشِ راحت پاش

کیوں نہ آئے جو تو ہو بادہ فروش

۱۸ مارچ ۱۳ء — یرودا سنٹرل جیل

نقدِ جاں لے کے حسرتِ قلاش

سرخیٔ حسن ہے ملبوس نگارِ عارض — یا عیاں نور کے پردے میں ہے نارِ عارض
دیکھنا صبحِ شبِ وصل بہارِ عارض — لیلِ گیسو سے نمایاں ہے نہارِ عارض
خوابِ راحت سے اٹھے وہ تو بنے زینتِ حسن — رونقِ صبح ہوئی آئینہ دارِ عارض
خواہشِ اہلِ نظر فتنۂ آں چشمِ سیاہ — شوقِ اربابِ صفا عاشقِ زارِ عارض
اس شہرِ حسن کے ماتحت ہے دنیائے جمال — خلخِ لب ختنِ جبہ تتارِ عارض
زلفِ جاناں کو نیا چاہیئے اک روز شکار — دل ہو اندر جبیں روحِ نثارِ عارض

سابرمتی سنٹرل جیل ۱۲ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

گریۂ اہلِ تمنا کے اثر سے حسرت
ملکِ خوبی میں ہے سرسبز جوارِ عارض

مونسِ بے کساں درود شریف — راحتِ عاشقاں درود شریف
طالبانِ وصال کو ہر دم — چاہیئے بر زباں درود شریف
میری جانب سے ان کے پاس ملک — لے چلے ارمغاں درود شریف
اسم اعظم ہے قیدیوں کیلئے — قید میں بے گماں درود شریف
وہ بھی یارب ہو دن کہیں کہ پڑھیں — ہو گئے ہم کامراں درود شریف
یہ بھی اک فیض عشق ہے ورنہ — ہم کہاں اور کہاں درود شریف
شوقِ نامِ حضور کا حسرتؔ
بن گیا ترجماں درود شریف

۲۶ اگست ۲۳ء

اودھ اخبار لکھنؤ — ۲۷ اکتوبر ۲۳ء

کچھ یاد بھی ہے وہ عہدِ سابق — اے دشمنِ دوستاں صادق
کیا بات ہے میرے حسنِ ظن کی — ہے جور ترا کرم سے فائق
اس روئے جمیل میں ہیں یکجا — انوار مغارب و مشارق
محروم نہ ہو تو اور کیا ہو — اس دشمنِ عاشقاں کا عاشق
حسرتؔ کو دیارِ عاشقی کی
زنہار نہیں ہوا موافق

جیل متھرا سنٹرل جیل مئی ۲۳ء

امام برحقِ اہلِ رضا سلام علیک — شہید معرکۂ کربلا سلام علیک
گلِ مرادِ ولایت حسینؓ ابنِ علیؓ — تتمۂ شرف[1] مصطفےٰ سلام علیک

سابرمتی سنٹرل جیل محرم الحرام ۱۳۴۱ھ

---

[1] چونکہ شہادت کبریٰ سے عوام کی نظر میں توہین رسالت کا اندیشہ تھا اس لئے حضور کو یہ نعمت بذریعہ سید امام حسین علیہ السلام حاصل ہوئی پس تتمۂ شرف مصطفےٰ ٹھہرے (حسرتؔ)

ثبوت یہ ہے کہ نورِ شہادتِ کبریٰ | تری جبیں سے نمایاں ہو اسلام علیک
عبث ہے اور کہیں راہِ صبر و حق کی تلاش[1] | تری مثال ہے جب رہنما سلام علیک

ترے طفیل میں حسرتؔ بھی ہو شہید وفا
یہی دعا ہے یہی مدعا سلام علیک

کرو کچھ تو ارشاد یا غوث الاعظم | سنو مری فریاد یا غوث الاعظم
رہِ عاشقی میں کہیں میری محنت | نہ ہو جائے برباد یا غوث الاعظم
گرفتاریٔ حسن ظاہر سے دل کو | کرو جلد آزاد یا غوث الاعظم
مبارک ہمیں دردِ دل ہو کہ اس پر | تمہارا بھی ہے صاد یا غوث الاعظم
سے تم سوا کون اٹھائے گا مجھ پر | پڑی ہے جو افتاد یا غوث الاعظم
زیارت ہزاروں کو ہوتی ہے اک دن (ق) | اسے بھی کرو یاد یا غوث الاعظم

کہاں تک رہے دل میں حسرتؔ کے آخر
تمنائے بغداد یا غوث الاعظم

فیضِ محبت سے ہے قیدِ محن | میرے لیے اک بلائے حسن
شام غریباں کے برابر کہاں | مذہبِ عشاق میں صبحِ وطن
آہ وہ غارتگرِ صبر و شکیب | سلسلۂ زلفِ شکن در شکن
فتنۂ رحیاں وہ سخنِ دل پذیر (ق) | دشمنِ دیں وہ نگہِ سحر فن

---

[1] اشارہ بہ جانب آیۂ کریمہ وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر۔
یہیں سے عدم تشدد بہر حال کی تائید نکلتی ہے (حسرتؔ)

جلوۂ جاناں سے ہے دار السرور　　خانۂ جاناں اب نہیں بیت الحزن
مہر و مروت سے تمہیں واسطہ　　یہ بھی حریفوں کا ہے اک حسنِ ظن

جب سے کیا عشق نے حسرت مجھے
کوئی بھی کہتا نہیں فضل الحسن

لطف کی ان سے التجا نہ کریں　　ہم نے ایسا کبھی کیا نہ کریں
مل رہے گا جو ان سے ملنا ہے　　لب کو شرمندۂ دعا نہ کریں
صبر مشکل ہے آرزو بے کار　　کیا کریں عاشقی میں کیا نہ کریں
مسلک عشق میں ہے فکر حرام　　دل کو تدبیر آشنا نہ کریں
بھول ہی جائیں ہم کو یہ تو نہ ہو　　کون کہتا ہے وہ جفا نہ کریں
مرضیٔ یار کے خلاف نہ ہو　　لوگ میرے لئے دعا نہ کریں

شوق ان کا سو مٹ چکا حسرت
کیا کریں ہم اگر وفا نہ کریں

۱۰، اگست ۲۲ء صابری نجی

بدلِ گردشِ ایام ملے گا کہ نہیں　　گوشۂ یاس میں آرام ملے گا کہ نہیں
یہ وفا چھوڑ چلا ہم کو کہیں گے کہ نہ وہ　　جاں نثاری کا کچھ انعام ملیگا کہ نہیں
کام کیا شوق کی تاثیر نہ آئے گی کبھی　　کھل کے بھی وہ بت خودکام ملیگا کہ نہیں
کرم پیر مغاں عام ہے رندو نہ ڈرو　　کہ ہمیں بادۂ گلفام ملے گا کہ نہیں
جلوۂ دوست کی نسبت یہی ہر دم ہے خیال　　کہ وہ اب پھر بھی سر بام ملیگا کہ نہیں
صبر کا آرزوِ تا تمنا ہی کی جگہ　　دفترِ دل میں کہیں نام ملیگا کہ نہیں

الناظر لکھنؤ جنوری ۲۳ء

کل تو رندوں میں ملا تھا مگر اب پھر بھی کہیں
دیکھیے حسرت گمنام ملے گا کہ نہیں

کچھ میرے حالِ زار کی ان کو خبر نہیں / کیا ہو کہ میں ہی جا کے سنا دوں مگر نہیں
اک آفتابِ حسن درخشاں ہے وہ جمال / دیکھے اسے بغور یہ تابِ نظر نہیں
پہلو میں دل کو پوچھ رہی ہے نگاہِ یار / کیا جانے اب کوئی وہ کدھر ہے کدھر نہیں
کب تھے وہ میرے حال سے اس درجہ بے خبر / کیوں کر کہوں میں نالۂ دل میں اثر نہیں
ہم بیکسوں کو قتل جو کرتا ہے بے گناہ / کچھ اے عزیز تجھ کو خدا کا بھی ڈر نہیں
پرسش ہے میرے حال کی یا اب جو روزِ حشر / اتنا بھی اب وہ قصۂ غم مختصر نہیں

اردوئے معلی مارچ ۲۳ء

ہو یار تک رسائی حسرت نہ کیوں محال
اس محفلِ سرور میں غم کا گزر نہیں

اردوئے معلی جون ۲۳ء

کب وہ بلاتے ہیں دوبارہ ہمیں / جب نہ رہا دیدہ کا یارا ہمیں
ہوش میں کیا آئیں نہیں چھوڑتا / جلوۂ جاناں کا نظارا ہمیں
کچھ بھی نہیں ہے اگر ان کے بقول / پھر نہ دیں دل وہ ہمارا ہمیں
ان کی حیا کہتی ہے معلوم ہے / حال ترے شوق کا سارا ہمیں
حکمِ فنا کی انہیں حاجت نہ تھی / آنکھ سے کافی تھا اشارہ ہمیں
کون ہے کیا ہے وہ بتِ بیوفا / کوئی بتاؤ یہ خدارا ہمیں
اس دلِ نازک پہ نہ ہو گر اثر / ہے غمِ فرقت بھی گوارا ہمیں
کاش وہی پھر بھی جلا دے کہیں / جس نگہِ لطف نے مارا ہمیں
وہ بھی نہ حسرت کہیں دے دیں جواب / اک انہیں کا ہے سہارا ہمیں

معارف اعظم گڑھ جون ۲۳ء

یہ کس بزم کے ہم نکالے ہوئے ہیں — کہ محرومیوں کے حوالے ہوئے ہیں
وہ اب آبیٹھے محفل میں، سب اہل محفل — خبردار ہیں دل سنبھالے ہوئے ہیں
فریب وفا آپ دیتے ہیں کس کو — یہ جلوے مرے دیکھے بھالے ہوئے ہیں
وہ بے پردہ سوتے ہیں، ظاہر میں لیکن — دوپٹہ یوں ہی منہ پہ ڈالے ہوئے ہیں
محبت کی خوشبو سے بد مست یکسر — تری شال تیرے دوشالے ہوئے ہیں
یہ کیا جانے زاہد کہ اب رند — مرے جام تیرے کھنگالے ہوئے ہیں
ضیا بار ہے عشق جاناں سے حسرتؔ — اندھیرے دلوں کے اجالے ہوئے ہیں

۱۶/جون ۳۲ء ... (ادارہ مضامین فیض)

نگار بھوپال جولائی ۳۲ء

اک طرفہ ماجرا ہے در کوئے میفروشاں — سرگرم بادہ نوشی ہیں وہ خرقہ پوشاں
بے پردہ جلوہ گر ہے محفل میں وہ خود آرا — چمکی ہے آج کیا ہی تقدیر دل فروشاں
ہم عاشق بتاں ہیں با وصف حق پرستی — صورت پسند اپنا معنی شناس اوشاں
پردے میں شرم کے ہے روپوش جور خوباں — یہ بھی ہے اک فریب ناز بہانہ کوشاں
مصروف یاد حق ہیں رندان لاابالی — گویا ہے بزم ساقی اک محفل خموشاں
کام آئے گی نہ کچھ بھی کیا اپنی جانفشانی — اے شاہ ماہ رویاں اے جان تن فروشاں
ہم بھی بگڑ کے رہتے اس بے خبر سے حسرتؔ — انکار مے جو ہوتا آئین دردنوشاں

(... اگست ۳۲ء)

الامان دہلی ۲۳، اگست ۳۲ء

ہم دیر سے نظارہ خوباں میں لگے ہیں — یہ پھول غضب گلبن ایماں میں لگے ہیں
مصروف غم عشق نہیں دل کے ارادے — قیدی ہیں کہ سب کام پہ زنداں میں لگے ہیں
ٹکڑے ہیں یہ کس کے دل محروم کے ظالم — اب تک جو ترے تیر کے پیکاں میں لگے ہیں

(... اگست ۳۲ء ...)

مجھ سے وہ کھلیں کیا کہ نظر اٹھ نہیں سکتی — محجوب ہیں یہ اشک جو داماں میں لگے ہیں
لگتی نہیں روضۂ رضواں میں طبیعت — ان کی جو سرِ کوچۂ جاناں میں لگے ہیں

باقی نہیں اک تار بھی دامن میں جو حسرتؔ
اب اہلِ جنوں فکرِ گریباں میں لگے ہیں

نہ سہی گر انہیں خیال نہیں — کہ ہمارا ابھی اب وہ حال نہیں
یاد انہیں وعدۂ وصال نہیں — کب کیا تھا یہی خیال نہیں
ایسے بگڑے وہ کن کے شوق کی بات — آج تک ہم سے بول چال نہیں
مجھ کو اب غم یہ ہے کہ بعد مرے — خاطرِ یار بے ملال نہیں
عفوِ حق کا ہے میکشوں پہ نزول — ریزشِ ابرِ بر شگال نہیں
ہم پہ کیوں عرضِ حالِ دل پہ عتاب — ایلچی کو کہیں زوال نہیں
سن کے مجھ سے وہ خواہشِ پابوس — ہنس کے کہنے لگے مجال نہیں
دل کو ہے یاد شوق کا وہ ہنر — جس سے بڑھ کر کوئی کمال نہیں

آپ نادم نہ ہوں کہ حسرتؔ کے
شکوۂ غم کا احتمال نہیں

(جیل [illegible] ۲۲ مئی ۱۹۱۳ء)

اس بت کے پجاری ہیں مسلمان ہزاروں — بگڑے ہیں اسی کفر میں ایمان ہزاروں
دنیا ہے کہ ان کے رخ و گیسو پہ مٹی ہے — حیران ہزاروں ہیں پریشان ہزاروں
تنہائی میں بھی تیرے تصور کی بدولت — دل بستگیٔ غم کے ہیں سامان ہزاروں
اے شوق تری پستیٔ ہمت کا برا ہو — مشکل ہوئے جو کام تھے آسان ہزاروں
آنکھوں نے تجھے دیکھ لیا اب نہیں کیا غم — حالانکہ ابھی دل کو ہیں ارمان ہزاروں

چھانے ہیں ترے عشق نے آشفتہ سری میں
دنیا رے مصیبت کے بیابان ہزاروں

اک بار تھا سر گردِ دلِ حسرت پہ رہا ہیں گے
قاتل تری شمشیر کے افسان ہزاروں

نامرادوں کو شاد کام کرو
کرم اپنا کبھی تو عام کرو

کارِ عاشق ہے ناتمام سو تم
قتل کر کے اسے تمام کرو

سب کی خاطر کا ہے خیال تمہیں
کچھ ہمارا بھی انتظام کرو

عاشقو ہجر سے نہ ہو بیزار (ق)
غمِ جاناں کا احترام کرو

رات رو رو کے جس طرح کاٹی
اسی صورت سے دن کو شام کرو

گفتگو ہیچ ہے اگر چاہو
کامِ جاں کا حصول کام کرو

موت سے پہلے ہی زراہِ وفا
رہرو۔ عاشقی میں نام کرو

کھل سکے جب تلک نہ راہِ مراد
منزلِ صبر میں قیام کرو

پوچھتے ہیں وہ جاں نثاروں کو
تم بھی حسرت انھیں سلام کرو

سابرمتی سنٹرل جیل ۱۰/ستمبر ۱۹۲۳

لاکھ اس شوخ جفا کار سے پرہیز کرو
شوق پھر بھی یہی کہتا ہے سب انگیز کرو

صبر کی ہو دلِ بیتاب سے امید کیسے
خود ہی جب تشنگیِ شوق کو تم تیز کرو

میکشو۔ یونہی گزر جائے نہ تاریکیِ ابر
جام کو بادۂ پرنور سے لبریز کرو

عاشقو دور نہیں منزلِ مقصودِ وصال
پالو پارے طلبِ یار کو مہمیز کرو

فرق لائے نہ جگر سوزیِ صہبا میں گلاب
مغبچو تم کو قسم ہے جو کچھ آمیز کرو

ہم سے روٹھو بھی تو لازم ہے اک ادا کے ساتھ
قہر بھی ہم پہ کرو تم، تو دلآویز کرو

۱۲/۱ اگست ۱۹۲۳ [illegible]

اثر اس خاطرِ بے غم پہ نہ ہوگا حسرتؔ
نالۂ شبگیر کہ تم آہِ سحر خیز کرو

غزل اول ستمبر ۱۹۰۹ء نمبر ۱۶-۱۸

بیباک ہو پناہِ جفا ہے تمہارے ساتھ
ہر وقت عاشقوں کی دعا ہے تمہارے ساتھ

بیچارگی کے زور ہیں دورِ فراق میں
درد اپنے پاس ہے تو دوا ہے تمہارے ساتھ

عشاقِ پاکباز کے حلقے ہیں یا کوئی
انبوہ اہلِ صدق و صفا ہے تمہارے ساتھ

تم سے ملا جو کوئی وہ اپنا نہ رہ گیا
دل بھی جدا جگہ بھی جدا ہے تمہارے ساتھ

دلگیر کیوں ہو غلبۂ اعدا سے دوستو
کیا ڈر تمہیں کہ فضلِ خدا ہے تمہارے ساتھ

رنگینیاں ہیں جلوۂ زیبائے حسن کی
یا اک طلسمِ ہوش ربا ہے تمہارے ساتھ

تمدن دہلی

حسرتؔ نہیں جو خوف تمہیں کچھ بھی موت کا
یہ عشق ہے کہ آبِ لقا ہے تمہارے ساتھ

دسمبر ۱۳۲۳ء

غزل اول ساہو جی ۱۳۲۳ء

ہجر میں یادِ یار آتی ہے
راحتِ غم شکار آتی ہے

بالش آرزو سے آج تلک
شوق کو بوئے یار آتی ہے

کوئے جاناں سے روح اہلِ غرور
بن کے طاعت گزار آتی ہے

چمن جاں میں پھر بقید فرنگ
عاشقی کی بہار آتی ہے

ان کی محفل سے آرزو حسرتؔ
ہو کے یکسر فگار آتی ہے

اکتوبر ۱۳۲۳ء

کیا کام انہیں پرسشِ اربابِ وفا سے
مرتا ہے تو مر جائے کوئی ان کی بلا سے

مجھ سے بھی خفا ہو مری آہوں سے بھی برہم
تم بھی ہو عجب چیز کہ لڑتے ہو ہوا سے

دامن کو بچاتا ہے وہ کافر کہ مبادا
چھو جائے کہیں پائے محوونِ شہدا سے

دیوانہ کیا ساقیِ محفل نے سبھی کو — کوئی نہ بچا اس نظرِ ہوش ربا سے
اک یہ بھی حقیقت میں ہے شانِ کرم انکی — ظاہر ہیں وہ رہتے ہیں ہر وقت خفا سے
آگاہِ غمِ عشق نہیں وہ شہِ خوباں — اور یہ بھی جو ہو جائے فقیر دلکی دعا سے

قائل ہوئے رندانِ خرابات کے حسرت
جب کچھ نہ ملا ہم کو گروہ عرفا سے

نگار بھوپال — جولائی ۲۲ء

جنونِ دل سے وہ حس بھی مٹا دی — کرے جو امتیازِ رنج شادی
نیا جب اس نے کوئی شر اٹھایا — مری ایذا پسندی نے دعا دی
شبِ معراج مردانِ خدا ہے — بقولِ شیخ، روزِ نامرادی
مجازی عشق بھی اک شے ہے لیکن — ہم اس نعمت کے منکر ہیں نہ عادی

کبھی تھی جاں نثاری کی جو حسرت
وہ بارے کرکے بھی ہم نے دکھا دی

چلی سایہ فگن ہیں آج کہاہی — نسیمِ رحمت و فضلِ الٰہی
جمالِ التفاتِ شاہ جیلاں — ہوا پیدا ایشانِ کج کلاہی
بیکدم دے دیا دینا تھا جو کچھ — دکھا دی شانِ حسن کم نگاہی
شہ عبدالصمد کا واسطہ تھا — نہ کیونکر عمرِ شوق کھلتا لکاہی

دلِ حسرت ہوا معمورِ انوار — ہمدم لکھنؤ
شہِ رزاق دیتے ہیں گواہی

ہوتی ہے روز بارشِ عرفاں ترے لئے — گویا بہشتِ عشق ہے زنداں مرے لئے
ناکامیٔ طلب ہی یہ کہ ہے جانِ عاشقی — گنجینۂ مراد ہے پنہاں مرے لئے

لے حضرت شاہ عبدالصمد صاحب قدس سرہٗ آبادی لے حضرت شاہ عبدالرزاق لکھنوی فرنگی محلی

علم در رضائے یار ہے جور و جفائے یار / مشکل ہے سب کے واسطے آساں مرے لئے
رہتی ہے دردناک ستم تازہ کی تلاش / بے چین ہے وہ فتنۂ دوراں مرے لئے
میرا یہ حسنِ ظن کہ تغافل ہے التفات / دل کی یہ ضد کہ درد ہے درماں مرے لئے
فرماں تقل ہو جو نہیں اذنِ پائے بوس / آخر ہو کچھ تو اے شہِ خوباں مرے لئے
نزدیک ہے کہ شوق سنے وعدۂ وصال / لبہائے نازِ یار ہیں لرزاں مرے لئے
عشقِ بتاں تو شوق سماع و ہوائے مے / زاہد کے حق میں کفر ہے ایماں مرے لئے
حسرتؔ کوئی مدد نہ کرے کیا مضائقہ / کافی ہیں غوثِ اعظم جیلاں مرے لئے

۱۱ اگست ۲۳ء

بہ تقریب جشن جیلانی بمقام اعظم گڑھ ۔ اگست ۲۳ء

ہیں وہ باوصفِ شانِ خودکامی / جانِ محبوبی و دلارامی
کامیاب کمالِ عشق ہے دل / باوجودِ حصولِ ناکامی
عاشقی میں ہے زیبِ فرقِ جنوں / طرۂ افتخارِ بدنامی
ہم نے بیباک ان کو روک لیا / پختہ کاری سے بڑھ گئی خامی
بن گیا ہے فراقِ یار میں شوق / خلشِ انتظار کا حامی
پڑ کے اک بار چھوٹتی ہے کہاں / عادتِ مستیٔ مے آشامی
حسرتؔ اردو میں ہے غزل تیری / پرتوِ نقشِ سعدی و جامی

۱۹۲۹ء اعظم گڑھ

معارف اعظم گڑھ — جنوری ۳۳ء

مرا ایماں عجب کیا ہے جو ایمانِ تصوف ہے / تصوف جانِ مذہب عاشقی جانِ تصوف ہے
گناہ ایسا نہیں ثابت خطا کے پھر بھی ہیں قائل / ادب کا ہے یہی شیوہ یہی شانِ تصوف ہے
ادب ایک دوسرا نام عشق روحِ پدر کا / جو رامِ عشق ہے جو زیرِ فرمانِ تصوف ہے

تعلق حسن و حق[1] میں بھی ہے "العشق ہو اللہ" کا — یہی تو اصل دین درِ پنہاں تصوف ہے

گزر کر راہ پیچا پیچ قدر و جبر سے حسرت — معلف اعظم گڑھ — جنوری ۱۹۴۳ء

یقیں اپنا مقیم شہر عرفانِ تصوف ہے

اگر شوق کی رہنمائی نہ ہو گی — تو ان تک ہوئی ہے رسائی نہ ہو گی

شبِ ہجر کیوں کر کٹے گی جو یارب — تصور کی راحت فزائی نہ ہو گی

بغیر ان کے دم بھر نہیں چین دل کو — کبھی ان سے گویا جدائی نہ ہو گی

پڑے گی نظر تیری کا ہے کو ہم پر — اگر بد سے دل ربائی نہ ہو گی

خرد کے لئے مایۂ فخر ہو گا — دیار جنوں کی گدائی نہ ہو گی

ہے عشق سے روح مانوس ہو کر — اب اس دامِ غم سے رہائی نہ ہو گی

ترا وہم ہو گا سر بزم ہم نے — کبھی آنکھ تجھ سے لڑائی نہ ہو گی

[illegible]

ستم کر کے ناحق وہ نادم ہیں حسرت — ہمایوں لاہور — ۱۷ اپریل ۱۹۴۳ء

کہ ہم سے کبھی بے وفائی نہ ہو گی

ہے عشق میں حال کی خرابی — عاشق کو تو بدکامیابی

صبحِ شبِ وصل انتقام ہم کو — اے ماکل نازِ دیم خوابی

حیرانِ جمال یار ہے عقل — سرمستِ شراب ہے شرابی

آئینۂ دل میں شکل تیری — ہے طرفہ جواب لاجوابی

[illegible]

---

[1] یعنی العشق ہو اللہ کی طرح ورد الحسن ہو الحق بھی رموزِ تصوف میں سے ہے (حسرت)

رنگینِ سرورِ شوق ہے دل — ظرف مے ناب ہے گلابی
پنہاں ہے عیانیوں میں اپنی — وہ زیبِ حجاب بے حجابی

حسرت یہ رباعیاتِ موزوں — خیّام[۱] سے کم نہیں سحابی[۲]

ادیب اردو لکھنؤ مئی ۱۹۲۳ء

۱ خیام ۔ عمر خیام
۲ سحابی ۔ سحابی بلخی

تِرے درد سے جس کو نسبت نہیں ہے — وہ راحت مصیبت ہے راحت نہیں ہے
جنونِ محبت کا دیوانہ ہوں میں — مِرے سر میں سودائے حکمت نہیں ہے
تِرے غم کو دنیا میں اے جانِ عالم — کوئی روح محرومِ راحت نہیں ہے
مجھے گرمِ نظارہ دیکھا تو ہنس کر — وہ بولے کہ اسکی اجازت نہیں ہے
جھکی ہے تِرے بارِ عرفاں سے گردن — ہمیں سر اٹھانے کی فرصت نہیں ہے
یہ ہے ان کے اک روئے رنگیں کا پرتو — بہارِ طلسمِ لطافت نہیں ہے
تِرے سرفروشوں میں ہے کون ایسا — جسے دل سے شوقِ شہادت نہیں ہے
تغافل کا شکوہ کروں ان سے کیوں کر — وہ کہہ دیں گے تو بے مروّت نہیں ہے
وہ کہتے ہیں شوخی سے ہم دلربا ہیں — ہمیں دلنوازی کی عادت نہیں ہے
شہیدانِ غم ہیں سبک روح کیا کیا — کہ اس دل میں بارِ ندامت نہیں ہے
نمونہ ہے تکمیلِ حسنِ سخن کا — مگر بازیٔ طبعِ حسرت نہیں ہے

۲/۱۱ مارچ ۱۹۱۹ء سنٹرل جیل

معارف اعظم گڑھ

آساں حقیقی ہے نہ کچھ سہل مجازی — معلوم ہوئی راہِ محبت کی درازی

---

۱ (کہ ہمارے تغافل کی شکایت کرتا ہے) (حسرت)

کچھ لطف و نظر لازم و ملزوم نہیں ہیں — اک یہ بھی تمنا کی نہ ہو شعبدہ بازی
دل خوب سمجھتا ہے ترے حرف کرم کو — ہر چند وہ اردو ہے نہ ترکی ہے نہ تازی
قائم ہے نہ وہ حسنِ رخِ یار کا عالم — باقی ہے نہ وہ شوق کی ہنگامہ نوازی
اے عشق تری فتح بہر حال ہے ثابت — مر کر بھی شہیدانِ محبت ہوئے غازی
کٹ جائیں جلد ختم کہیں اے غمِ جاناں — کام آوے گی کس روز تری سینہ گدازی

۱۸/ مارچ ۱۹۳۳ء دو اسیر غزل اول جمیل

معلوم ہے دنیا کو یہ حسرت کی حقیقت
خلوت میں وہ میخوار ہے جلوت میں نمازی

"نگار" بھوپال — اپریل ۱۹۳۳ء

روشن جمال یار سے دنیائے عشق ہے — گویا شرابِ حسن بہ مینائے عشق ہے
اب تک تلاش منزل مقصد میں دل مرا — آوارۂ مراحل صحرائے عشق ہے
اے ترک حسن ادھر بھی کہیں جلد کر گزر — غارت کے انتظار میں کالائے عشق ہے
کہتی ہے عقل دین بھی دنیا بھی کر طلب — ان سب سے منہ کو موڑ یہ ایمائے عشق ہے
کیا کیا فراقِ حسن میں ہے نغمہ زیر غم — جانِ حزیں کہ بلبل گویائے عشق ہے
کیا کام اسے طریقۂ اربابِ زہد سے — جو پیروِ شریعتِ غرائے عشق ہے

۲۰/ مارچ ۱۹۳۳ء دو غزل اول جمیل

حسرت کا ہو بلند بھلا کیوں نہ مرتبہ
خدمت گزار حضرتِ والائے عشق ہے

زمیندار لاہور — ۱۷/ اپریل ۱۹۳۳ء

اہل ہوس کو بھی سر سودائے عشق ہے — یہ کفر ہے یہ دعوئ بیجائے عشق ہے
جب سے سنا ہے آپ کا آوازۂ جمال — جس دل کو دیکھیے وہ تمنائے عشق ہے
پہنچا ہے جذبِ دل کا کہاں سے کہاں اثر — اربابِ حسن کو بھی تمنائے عشق ہے
اللہ ری میری دردپسندی کی عیش جان — وابستۂ ہجوم بلاہائے عشق ہے

۱۲/ مارچ ۱۹۳۳ء دو اسیر غزل دوم جمیل

سب گم ہیں شورِ حرص و ہوا کینہ در ریا | برپا جہانِ دل میں یہ غوغائے عشق ہے
عالم ہو فیلسوف ہو زاہد ہو کوئی ہو | بیگانہ سب سے ہے جو شناسائے عشق ہے

حسرتؔ فروغِ جلوۂ یکتائے حسن ہے
ہمدوشِ نورِ چہرۂ زیبائے عشق ہے

زمیندار لاہور ۲۷ اپریل

محمل نشیں درد جو لیلائے عشق ہے | سوز و گداز مذہبِ دنیائے عشق ہے
مستی ہے اصطلاحِ محبت میں آگہی | بیگانۂ خرد ہے جو دانائے عشق ہے
کونین سے ہے خاطرِ عشاق بے خبر | کس درجہ تیز نشۂ صہبائے عشق ہے
کیوں ایک بار ہو نہیں جاتے نثارِ حسن | ہر دم یہی دلوں سے تقاضائے عشق ہے
ہو بندگانِ حرص و ہوا کو تلاشِ عشق | جو طالبِ کمال ہے شیدائے عشق ہے
مانا ہے نورِ حسن رخِ حق سے اس کا نور | روشن جو دل میں شمعِ تجلائے عشق ہے

(ایضاً)

حسرتؔ کو پائے بندیٔ ایماں سے کیا غرض
وہ کافرِ جمال ہے ترسائے عشق ہے

زمیندار لاہور ۲۷ اپریل ۳ھو

تاباں جو نورِ حسن یہ پیمائے عشق ہے | کس درجہ دل پذیر تماشائے عشق ہے
اربابِ ہوش جتنے ہیں بیمارِ عقل ہیں | ان کے لئے ضرور مداوائے عشق ہے
میں کیا ہوں ایک ذرۂ صحرائے اشتیاق | دل کیا ہے ایک قطرۂ دریائے عشق ہے
شاہ و گدا کا فرق نہیں عہدِ حسن میں | اب جس کو دیکھئے اسے دعوائے عشق ہے
ظاہر ہے بیقراریٔ پیہم سے حالِ دل | بیکار ہم کو دعوئے اخفائے عشق ہے
پنہاں حجابِ تاویلیں ہے صورتِ جمال | پیدا ہے حروفِ شوق سے معنائے عشق ہے
اے اہلِ عقل کیوں ہو لئے فکرِ نام و ننگ | حسرتؔ خرابِ عشق ہے رسوائے عشق ہے

(ایضاً)

از بسکہ یادِ یار مسیحائے عشق ہے — راحت فزائے دل ہے جو ایذائے عشق ہے
نورِ سمائے حسن سے روشن ہے سر بسر — اک وہ جو دل میں نقشِ سویدائے عشق ہے
تیرا خیال منزلِ مقصودِ آرزو — تیرا جمال شاہدِ رعنائے عشق ہے
اے حسن بے مثال تری دید کیلئے — درکار دیدۂ دل بینائے عشق ہے
نکلے جو تیری یاد میں اے نو بہارِ حسن — وہ اشک ہے کہ لولوئے لالائے عشق ہے
مدت کے بعد پھر وہ ہوئے مائل کرم — یہ بھی تو اک طریقہ ادائے عشق ہے
حسرت کہاں وہ شاہ کہاں تو گدائے حسن
زنہار اگر تجھے سرِ سودائے عشق ہے

غزل جیل ۱۹۱۳ء تاریخ ۲۳ مارچ ۱۳ء

زمیندار لاہور — ۱۷ اپریل ۱۳ء

بجا ہے دلِ زار کی ناصبوری — کہاں تک اٹھائے کوئی رنجِ دوری
رعایت جو اس شوخ کی تھی ضروری — خطا بن گئی خود مری بے قصوری
وہ تمہید ہی سے اڑا لیں گے مطلب — کہیں شوق نے کی نہ ہو بات پوری
محبت نے کی دل میں وہ آگ روشن — کہ ہم ہو گئے جسمِ خاکی سے نوری
بہر حال گرویدۂ حسن ہیں ہم — جمالِ بشر معنوی ہو کہ صوری
تمنا نے کی نظارہ بازی — مزا دے گئی حسن کی بے شعوری
نہ چھوٹا درِ یار حسرت نہ چھوٹے
بہت ہم نے چاہا بنیں کانپوری

غزل جیل ۱۹۱۳ء تاریخ ۱۴ مارچ ۱۳ء

غزل قلندرانہ ہندی بحر میں

ترے کوچے میں جس دن سے آ بیٹھے — غمِ دنیا کو جس جس سے بھلا بیٹھے

جسے قدرِ محبت ذرا بھی نہیں — ہم یہ کس سے اپنا دل لگا بیٹھے
ہمیں اب بالیں سے دیکھیں اٹھاتا ہے کون — درِ جاناں پہ دھونی رما بیٹھے
تجھے پاس وفا جب کسی کا نہ ہو — کوئی کیا تیرے پاس آ کے کیا بیٹھے
جب سے اس بت نے حسرت بھلایا ہمیں
کیا کرتے ہیں یادِ خدا بیٹھے

درویش دہلی
۱۸ جولائی ۲۳ء

وہ چپ ہو گئے مجھ سے کیا کہتے کہتے — کہ دل رہ گیا مدعا کہتے کہتے
مرا عشق بھی خود غرض ہو چلا ہے — ترے حسن کو بے وفا کہتے کہتے
شبِ غم کس آرام سے سو گئے ہم — فسانہ تری یاد کا کہتے کہتے
یہ کیا پڑ گئی خوئے دشنام تم کو — مجھے نا سزا بر ملا کہتے کہتے
عجب کیا جو ہے بدگماں سب سے واعظ — برا سنتے سنتے برا کہتے کہتے
وہ آئے مگر آئے کس وقت حسرت
کہ ہم چل بسے مرحبا کہتے کہتے

معارف اعظم گڑھ
جولائی ۲۱ء

آہِ دلِ عشاق تو آسا نہیں ہے — اس نغمۂ جاں سوز میں آواز نہیں ہے
زہاد اگر لطف ملے سیرِ چمن کا — ساقی اپنے وہ جو سرو سرافراز نہیں ہے
مجموعۂ خوبی ہوئی عشاق کی سیرت — یہ کیا ہے اگر حسن کا اعجاز نہیں ہے
عاشق ہوئے تھے اہلِ تقا کب نہیں کھلتا — گویا کہ اس انجام کا آغاز نہیں ہے
گردیدگیِ شوق ہوئی اپنی مسلم — یوں ہے کہ اب ان کو بھی سرِ ناز نہیں ہے
منظورِ غمِ ہجر ترقی ہے طلب کی — عبث تقدیرِ تفرقہ پرواز نہیں ہے
محسود ہے کون آج گروہِ شہدا کا — حسرت کو وہ کہتے تھے کہ جانباز نہیں ہے

ہمایوں لاہور
جولائی ۲۳ء

پہلے ہمیں خدا اسے شوقِ شکار دے — پھر یہ کہ وہ ہمیں کو نشانہ قرار دے
کاہے کو گھٹنے پائیں تمنا کی شورشیں — ہم کو جو بیش و کم پہ خدا اختیار دے
ساقی کو شوق ہے کرم بے حساب کا — ساغر عجب نہیں جو ہمیں بے شمار دے
کیا کیا نہ ان کی یاد سے ہوں شرمسار ہم — فرصت کبھی جو کشمکشِ روزگار دے
سب اس کے آگے ہیچ ہیں دنیا کی راحتیں — پروردگار دے تو غمِ عشقِ یار دے
عاشق کے رنگِ زرد پہ خونباری فراق — دیکھیں کبھی آکے تو کیا کیا بہار دے
حسرت سے کہتے ہیں وہ بتاں اپنی آرزو — اب کیا انہیں جواب یہ ناکردہ کار دے

(۱۸ محرم الحرام ۴۲ھ بروز جمعہ)

میخانہ آگرہ — دسمبر ۲۲ء

مرید آپ کے اہلِ صفا کے پیر ہوئے — جو تھے فقیر امیروں کے وہ امیر ہوئے
ضیائے روح کا ان روشنوں کیا کہنا — سراج نورِ نبوت سے جو منیر ہوئے
جبھی میں ہو نہ سکا فتنہ جفائے عدو — وہ کہہ چکے تھے کہ ہم تیرے دستگیر ہوئے
غرض انہوں نے ہر حال کی خبر گیری — کبھی معین رہے وہ کبھی نصیر ہوئے
تمام جھگڑوں بکھیڑوں سے ہوگئے آزاد — حضور آپ کے جس دن سے ہم اسیر ہوئے
ہماری دھوم بھی دنیائے عاشقی میں ہوئی — وہ جیسے عالمِ خوبی میں بے نظیر ہوئے
غلام حضرت رزاق کیا ہوئے حسرت — کہ آپ نام خدا عاشقوں کے میر ہوئے

(۲۵ محرم الحرام ۴۲ھ بروز جمعہ فرنگی محل)

برائے سلام لکھنؤ — ۱۵ اگست ۲۳ء

ہم پہ جنوں کی تہمت بیجا ابھی سے ہے — ہنگامہ بہار کا غوغا ابھی سے ہے

اے پیشوائے عشاق حضرت ملا شاہ عبد الرزاق قدس اللہ سرہ العزیز لکھنوی فرنگی محل

۲۵ جولائی سہ روزہ منشور لاہور

وعدے کی شب ہجوم تمنا ابھی سے ہے
سرگرم کار خاطرِ شیدا ابھی سے ہے

حالانکہ ابتدا ابھی نہیں ہے شباب کی
ان کو کمالِ حسن کا دعویٰ ابھی سے ہے

آئینے میں ان کی دید ہے لیکن شبِ وصال
پیشِ نظر وہ چہرۂ زیبا ابھی سے ہے

اے عشقِ تازہ کار تری ابتدا کو ہم
جب سوچتے ہیں سہم گئے ہیں گویا ابھی سے ہے

ہر لحظہ دردِ ہجر کی افزونیاں ہیں کاہشیں
ظاہر ہجومِ غم کا نتیجہ ابھی سے ہے

برسے گا ابرِ بہار میں اے پیرِ مے فروش
تیری دکانِ بادہ کا شہرا ابھی سے ہے

دیکھیں ہوس پہ دوریٔ منزل سے کیا بنے
جس کا خیال حوصلہ فرسا ابھی سے ہے

تم سے وہ عہدِ وصل کی امید کیا کرے
جو بدگمانِ وعدۂ فردا ابھی سے ہے

اہلِ نظر کا قول یہی ہے کہ بے مثال
تیرا جمال اے گلِ رعنا ابھی سے ہے

جس راہ سے وہ آنے کو ہیں آج اس طرف
شوقِ نگاہ محوِ تماشا ابھی سے ہے

حسرت کو شام وصل ہے پاس حیائے یار
گو شوق پائے بوس کا ایما ابھی سے ہے

نگار بھوپال

۳ جولائی سہ روزہ منشور لاہور

عاشق کو ہوئی فنائے فانی
پیغام حیات جاودانی

ہے کثرتِ شوق کا نتیجہ
آنکھوں کی یہ ارزو فشانی

تھی ان کی نگاہ بے نگاہی
اک طرفہ ادائے دلستانی

پھر آج وہ بر سرِ کرم ہیں
از راہِ کمالِ مہربانی

پھر گلشنِ آرزو میں گویا (ق)
آئی ہے بہار کامرانی

بیٹھے ہیں وہ روٹھ کر جو ہم سے
چمکا ہے جمالِ سرگرانی

کچھ ایسے جدا ہوئے کہ ہم سے
پھر مل نہ سکا وہ یار جانی

کچھ داغ فراق کے علاوہ — تم اور نہ دے چلے نشانی
دو دن ہوئی آرزو کی شورش — اللہ رے زور ناتوانی
ہنگامہ نوازیاں ہوس کی — تھیں لازم عہدِ نوجوانی

اردو میں کہا ہے اور حسرت
یہ طرزِ نظیری و فغانی

معارف اعظم گڑھ دسمبر ۳۴ء

منقبت ۲۲ ... اردوئے معلیٰ

علیؓ کے لال زہراؓ کے دلارے — رسول اللہ کی آنکھوں کے تارے
نمونے شیوۂ خلقِ حسنؓ کے — نمایاں ہیں تری سیرت میں سارے
حسینؓ ابنِ علیؓ کی شانِ تسلیم — نظر ہم پر بھی اک ہو جائے پیارے
کبھی اے بادشاہِ اہلِ عرفاں — نظر ہم پر بھی اک ہو جائے پیارے
ہوئے ابدال کامل در نہ رہزن — یکدم تیری تیغ حق کے مارے
بچا لے میری کشتی کو بھی آخر — ہزاروں تو نے بیڑے پار اتارے
کسی کی اور کیا پرواہ ہو ان کو — جنہیں کافی ہوئے تیرے سہارے
بھلا ساقی کوئی دن فصلِ گل کے — جدائی میں تری کیونکر گزارے
کرو حسرت حضورِ میرِ بغداد
جمال نورِ مطلق کے نظارے

منقبت ۴۳ء

گمراہوں کی رہنمائی کیجئے — یا علیؓ مشکل کشائی کیجئے
کچھ ہمیں بھی اے امیر اولیا — دیجئے پاسِ گدائی کیجئے
خواہشِ ظاہر سے باطن کی طرف — اہلِ دل کی دلربائی کیجئے
کر کے ہم کو واقفِ اسرارِ عشق — فارغِ زہدِ ریائی کیجئے

باعطائے دولتِ قربِ حضور — چارۂ دردِ جدائی کیجیے
اور تو سنتا ہے میری عرض کون — آپ ہی حاجت روائی کیجیے
جانِ حسرت ہے گرفتارِ مجاز
حکمِ انعامِ رہائی کیجیے

۱۱ دسمبر ۳۳ء پردہ کلکتہ

ترکِ شانِ کج ادائی کیجیے — آئیے ہم سے صفائی کیجیے
سرفرو کرتے ہیں عشاق میں — شہرۂ گلگوں قبائی کیجیے
ان سے کر کے شکوۂ جور و جفا — مرتے دم کیا بیوفائی کیجیے
چھوڑ کر سر تیرے در سے جی میں ہے — آج تقدیر آزمائی کیجیے
بے نیازی چھوڑ کر عشاق کا — کچھ تو پاس بے نوائی کیجیے
بدمزاج اے پاسبان کوئے دوست — تجھ سے کیوں کر آشنائی کیجیے
ہم کو حسرت ہے یقینِ قربِ دوست
آپ خوفِ نارسائی کیجیے

۱۲ نومبر ۳۴ء ڈیرہ اسمٰعیل خاں

مطلعہائے متفرق

یاس ہوس پہ سرزنش ناز دیکھتا — حسنِ فریب کار کا انداز دیکھتا
بے یار مرا چارہ گر وکام نہ ہو گا — کچھ بھی اثرِ طعنہ و دشنام نہ ہو گا
ہر حال میں اپنا لبِ فریاد ہے خاموش — کیونکہ کہ جفا وہ ستم ایجاد ہے خاموش
زنجیر سے بیزار ہیں شمشیر کے مشتاق — سب تیرے گرفتار ہیں تعزیر کے مشتاق
طلبِ حق اگر تجھے ہے تو سن — عاشقی ورنہ ہرچہ خواہی کن

۱۱ جون ۳۴ء ڈیرہ اسمٰعیل خاں

اک ان کے سوا جب نہ تھے ہم کسی کے — الٰہی وہ دن کیا ہوئے عاشقی کے

زمیندار لاہور — ۱۰ جولائی ۲۳ء

قطعات تاریخ

لائی جارج کی آئی شامت — نکلا ٹھیک شعیب کا کہنا
ہجری سنہ میں لکھ دو حسرت — مرد نام کا اترا شمنہ

قطعہ تاریخ پیدائش سید رضوان الحسن پسر عبد السمیع موہانی و نعیمہ بیگم بنت حسرت موہانی

حق نے بیٹا جو نعیمہ کو دیا — میرا فرزند وہ روحانی ہے
سال پیدائش رضوان حسرت — ثانی حسرت موہانی ہے
۱۳۵۵ھ

زمیندار لاہور

رباعی

ملکی ہوئی جائداد شخصی — جائز نہ رہا مفاد شخصی
قومی کے مقابلے میں حسرت — تھا ہیچ بھی اتحاد شخصی

(۷ر جولائی ۲۳ء سابرمتی سنٹرل جیل)

بے باک رہیں فکر اسیری نہ کریں — یوں فاقہ و فقر میں امیری نہ کریں
ہم کیا ہیں بساط کیا ہماری حسرت — غوث الاعظم جو دستگیری نہ کریں

94

دیوان حسرت

موہانی

حصہ ہفتم

جس میں حسرت موہانی کی وہ کل غزلیں درج ہیں جو بہ زمانہ "قید فرنگ" ثالث ۲۲ ستمبر سے ۳۰ ستمبر ۲۳ء تک کل گیارہ روز میں لکھی گئی ہیں۔

۱۹۲۳ء

مرتبہ

مرحومہ بیگم حسرت موہانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع اوّل

یہ مجموعہ غزلیات جو دیوان حسرت کا ساتواں حصہ ہے اس کی بعض خصوصیتیں قابلِ لحاظ ہیں مثلاً

(۱) اس کی تصنیف میں ۲۰ ستمبر ۲۲ء سے ۳۰ ستمبر ۲۲ء تک کل گیارہ دن صرف ہوئے ہیں۔

(۲) حروف ابجد میں سے ہر حروف کی ردیف میں کم سے کم ایک غزل اس میں ضرور موجود ہے مگر اہلِ نظر ملاحظہ فرمائیں گے کہ ث ذ۔ ص ض۔ ط۔ ظ ع۔ غ ق ک وغیرہ کی ردیفوں میں جو غزلیں ہیں وہ بھی یکسر بے لطف و بے رنگ نہیں ہیں۔

(۳) جن جن بزرگوں سے فقیر کو فیض پہنچا ہے ان میں سے اکثر کی جانب اس مجموعہ میں کہیں نہ کہیں اشارہ موجود ہے بزرگانِ دین اسلام کے علاوہ ایک موقع پر سری کرشن کا بھی نام آیا ہے۔ حضرت سری کرشن علیہ رحمۃ کے باب میں فقیر اپنے پیر اور پیروں کے پیر حضرت سید عبدالرزاق بانسوی قدس اللہ سرہٗ کے مسلک عاشقی کا پیرو ہے ؎

مسلکِ عشق ہے پرستشِ حسن　　ہم نہیں جانتے عذاب و ثواب

(۴) یہ کل غزلیں اس زمانہ میں لکھی گئیں جب کہ فقیر پر حکومت کی جانب سے ایک دوسرا مقدمہ چلایا جا رہا تھا۔ مگر اس کے سبب سے انشاء اللہ تعالیٰ کہیں پریشانیِ خیال کے نمونے نظر نہ آئیں گے۔ وما توفیقی الا باللہ۔ فقط

فقیر حسرت موہانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہر چند ہو سکے جان سے بیزار جائے گا
پروانہ ضرور طالب دیدار جائے گا

گھسنے نہ پائے گا تری محفل میں وہ کبھی
ساقی یہاں سے آج جو ہشیار جائے گا

زنہار بزم یار سے عاشق رہے جو دور
جب شوق دید اٹھائیگا ناچار جائے گا

صبر و قرار ہوش و خرد جان و مال و دیں
ہوگا جو کچھ حضور میں درکار جائے گا

پروا نہ ہوگی اس کے دلِ بے ملال کو
صدمہ فراق یار کا بیکار جائے گا

تیری گلی میں بیٹھ کے اٹھتے ہیں ہم کہاں
اور ہم اٹھیں بھی دل تو نہ زنہار جائے گا

دریاں کی دور باش کا حسرت کو غم کہاں
اک بار وہ بلائیں تو سو بار جائے گا

جواب ان سے ملنا دوبارہ نہ ہوگا
تو جینا بھی شاید ہمارا نہ ہوگا

وہ ملتے رہیں گے تصور میں ہم سے
تم ہجر بھی ناگوارا نہ ہوگا

ہمیں پھر بھی لے جائیگا اس گلی میں
کہ اس کے سوا دل کو چارا نہ ہوگا

اجڑ جائے گی بزم رنداں تو ساقی
مروت نہ ہوگی مدارا نہ ہوگا

ہمیں گھر میں لائے تو وحشت یہ بولی
یہاں پر ہمارا گذارا نہ ہوگا

ستائیں انہیں حالِ دل یاد ہم کو
بھلا کچھ تو ہوگا جو سارا نہ ہوگا

مشرق گورکھپور — ۲۶ اکتوبر ۲۳ء

کوئی شکوہ سنج ستم اور رہوں گے
وہ کہتے ہیں حسرت ہمارا نہ ہوگا

ساکت یاس ہیں جان و دل ناکام شباب — کیا ہوا آہ وہ ہنگامۂ ایام شباب
منتظر مرگ مفاجات کی ہر دم ہے دعا — اب نہ آسائش پیری ہے نہ آرام شباب
قابل دید ہوئی حسن درخشاں کی بہار — کیا سے کیا ہوگئے ہو کر وہ مئے آشام شباب
مے تو یہ ہے مخمور ہوئی روح جمال — بادہ عیش سے لبریز ہوا جام شباب
دل نہ بائی ہے خود اس جان جوانی کی غلام — مالک ناز ادا ہے وہ دل آرام شباب
ہوسلیں وصل بتاں کی نہ مٹی ہیں نہ مٹیں — ہم سے چھوٹی ہے نہ چھوٹے گی گلفام شباب

مسلسل

خلافت بمبئی — ۲۶ اکتوبر ۲۳ء

درپئے دین و دل و جاں ہیں بتان کافر
حسرت اچھا نظر آتا نہیں انجام شباب

ہم شکوۂ فلک ہی کریں گے حضور دوست — ظاہر نہ ہونے دیں گے وہاں بھی قصور دوست
آنے میں دیر تجھ کو ہوئی ہے تو کس قدر — مضطر ہے قتل گہ میں دل ناصبور دوست
محفل میں دور ساقی ہے ہے ہیں بھی آج — کاہے کو بچنے دیگی نگاہ سرور دوست
میری تسلیوں کے نہیں ہیں جو منتظر ہے — پھر کیوں جواب خط میں ہم ہیں سطور دوست
بیجا نہیں ترانۂ مطرب سے وجد روح — کانوں میں آرہی ہے یہ آواز دور دوست
ہوگی ضرور قدر وفا دل ابھی سے کیوں — کرتا ہے شکوۂ ستم بے شعور دوست
اظہار شوق کی متحمل نہ ہو سکی — برہم غضب ہے رات سے طبع غیور دوست

مسلسل

ترچھی نظر لکھنؤ — اکتوبر ۲۳ء

اہل ہوس کی ہیچ ہیں ساری شکایتیں
بجا ہے کمال حسن پہ حسرت غرور دوست

اپنی ذات کا وہ مغرور تو کیا ہے باعث
خود ہمارا دلِ مجبور ہوا ہے باعث

اس جفا کار کی آنکھیں جو تم ہیں اس کا
یادِ محرومیِ اربابِ وفا ہے باعث

آپ کی ایک نظر کے یہ کرشمے ہیں تمام
صحتِ دل کی دوا ہے نہ دعا ہے باعث

بد کو بھی نیک سمجھتے نہیں کیوں عاشقِ حق
فرض کیا ہے جو کہیں بد کا خدا ہے باعث

رحمتِ حق ہے مگر میرے معاصی کی جزا
کہ ہے باعث اگر اس کا تو عطا ہے باعث

یہی لائی ہے اڑا کر ترے ملبوس کی بو
بیخودی ہائے تمنا کی صبا ہے باعث

ذکرِ حسرت پہ وہ بولے مری رسوائی کا
یہی دیوانہ یہی بے سر و پا ہے باعث

زمیندار لاہور ۲۶ اکتوبر ۲۳ء

تجھ سے جو دردِ دل کا بھی ہوتا نہیں علاج
ہے کس مرض کا اور تو اے نازنیں علاج

اہلِ ہوس کے دردِ تمنا کا بر محل
کرتی ہے خوب وہ نگہِ خشمگیں علاج

بیمارِ غم ہوئے ہیں جو تیرے فراق میں
ایسوں کا تو ضرور ہے اے مہ جبیں علاج

پایا نہیں کسی نے بھی ہے دردِ عشق کا
کوئی بھی اے طبیب ترا دلنشیں علاج

اس دل کو اب گزار کرے فکرِ عاشقی
جس کا نہ کر سکے غمِ دنیا و دیں علاج

پھر کیوں دوا لئے درد کے در پہ ہیں چارہ گر
جب خود ہی چاہتی نہیں جانِ حزیں علاج

حسرت شرابِ وصل سے صحت جو ہو تو ہو
دل کا نہیں ہے ورنہ مئے رنگیں علاج

ہمایوں لاہور اکتوبر ۲۳ء

وہ دیکھنے جو بام پہ آئے بہارِ صبح
نازاں ہے اپنے بخت پہ کیا کیا نگارِ صبح

پیدا فلک پہ ہے یہ بیاضِ سحر کا نور
ظلماتِ شب میں پا ہے رواں جوئبارِ صبح

نکلا ہے کس غرور سے ہمراہ آفتاب
پردے سے شب کے شاہدِ رنگیں نگارِ صبح

روزِ فراق یار مری چشمِ یاس میں | مہرِ فلک ہوا ہے دلِ داغ دار صبح
خورشید روئے یار ہے ہو کر ضمیرِ حسن | شام شب وصال بھی کرتی ہے کار صبح
ملتے ہوئے اٹھے ہیں وہ آنکھیں جو خواب سے | پھیلا ہوا ہے نورِ جمالِ خمار صبح

تمکین حسن یار کے صدقے میں روزِ وصل
کچھ بڑھ گیا ہے اور بھی حسرت وقار صبح

الامان دہلی — ۲۶ اکتوبر ۲۳ء

دختر رز ترے پہلو میں نہاں ہے گستاخ | دیکھ تو کتنی اے پیر مغاں ہے گستاخ
ہمت عاشق بیدل پہ خدا کی رحمت | کوچۂ یار کی جانب جو رواں ہے گستاخ
کس قدر ہے نگہِ شوق بھی اپنی بیباک | چہرۂ یار میں کیا کیا نگراں ہے گستاخ
عرضِ حالِ دلِ مضطر پہ وہ بولے ہنس کر | ہم نہیں کیا کہ ترا طرزِ بیاں ہے گستاخ
خوش کہ ناخوش ہو کوئی جا ہی پہنچتا ہے وہاں | ان کی خدمت میں مرا شورِ فغاں ہے گستاخ
سن کے آئے ہیں کسی سے جو مرے شوق کا حال | پوچھتے پھرتے ہیں سب سے وہ کہاں ہے گستاخ

کچھ غضب سے بھی ترے خوف نہیں ہے اس کا
کس قدر حسرتِ بے تاب و تواں ہے گستاخ

نگار بھوپال — اکتوبر ۲۳ء

وہ ہوں جیلاں سے آ کر میر بغداد | زہے قسمت خوشا تقدیر بغداد
حقیقت میں ہے خاک روضۂ پاک | جسے کہتے ہیں سب اکسیر بغداد
ہمیں فردوس میں لائے تو کیا کیا | نظر میں پھر گئی تصویر بغداد
سوادِ ہند میں لگتا نہیں جی | دلِ دیوانہ ہے دلگیر بغداد

ہوا ہے شوق اڑا لے جائے حسرت
نہ اچھا ہو نہیں تدبیر بغداد

نظام المشائخ دہلی — اکتوبر ۲۳ء

حاصل جو ہوئے دردِ محبت کے لذائذ — میں بھول گیا عیش و فراغت کے لذائذ

جب تک نہ کھلے یہ کہ محبت ہے عبادت — محسوس ہوں کیا تیری اطاعت کے لذائذ

مجموعۂ اضداد ہے دردِ دلِ عاشق — سب جانتے ہیں جس کی اذیت کے لذائذ

ہر حرف میں اس نامۂ رنگیں کے ہیں پنہاں — جدت کے عبارت کے اشارت کے لذائذ

مرضی پہ تری چھوڑ کے ہر امر اہم کو — جانے کوئی کیا فسخِ عزیمت کے لذائذ

ارواح پہ اعمال کے آثار ہیں طاری — دوزخ کے شدائد ہیں نہ جنت کے لذائذ

پوچھے کوئی اربابِ تمنا کے دلوں سے — حسنِ رخِ جاناں کی حکایت کے لذائذ

دل کو جو ہوئی کثرتِ عصیاں پہ ندامت — حاصل ہوئے کیا کیا تری رحمت کے لذائذ

ڈرتے ہیں جو میدانِ وغا سے انہیں حسرت
معلوم نہیں شوقِ شہادت کے لذائذ

۲۶ اکتوبر ۲۳ء

دل ہے ترے وصل کا طلب گار — "دیوانہ بکار خویش ہشیار"

قیدِ ہوس و خرد سے چھوٹ کر — آزاد ہیں عاشقانِ احرار

سردارِ بلاکشانِ غم ہیں — اس جانِ جہانیاں کے بیمار

ہے شوق تری طلب کا بیحد — معلوم نہ ہو سکے گی مقدار

مایوسِ وصال ہیں زباں پر — پھر بھی ترے نام کی ہے تکرار

آمادۂ قتلِ عاشقاں ہیں — وہ یار وہ شاہدِ ستم گار

جو کچھ اپنا ہے سب ہے ان کا — وہ دل کے ہیں جان کے بھی مختار

ہم جب سے ہوئے ہیں کافرِ عشق — تسبیح بکار ہے نہ زنار

حسرتؔ نے بھی مثلِ شمس تبریز

معارف اعظم گڑھ — ۲۷ر اکتوبر ۳۳

اشعار میں کہہ دیے سب اسرار

ابرِ دمے و نغمۂ صحنِ گلزار — تم پاس نہیں تو سب ہے بیکار
مخموریِ عشق سے تو اے دل — زنہار جو ہو کبھی خبردار
لبریز نشاط ہے دلِ شوق — آثارِ بہار ہیں نمودار
ہم رنگِ شفق ہے آتشِ گل — بنری ہے چمن کی رشکِ زنگار
وعدے پہ وہ آئیں تو پھر ان سے — اقرار بن آئے گا نہ انکار
پابوس کی التجا پہ اس نے — کس ناز سے کہہ دیا خبردار
انکار سے تیرے شہرِ دل میں — آبادیِ آرزو ہے مسمار
دل سرد ہے حسنِ مہوشاں سے — ہے عشقِ بتاں سے دل بیزار

جمعہ ۲۲ ستمبر ۳۳ء — ذیقعدہ ۵ اپریل ۳۳ء

دنیا سے نہ دیں سے ہے مطلب
حسرتؔ ہے غریقِ جلوۂ یار

جنت کو چلے جو ہم گنہگار — استادہ ہوئے صفوفِ ابرار
رہنے دیں ہمیں وہ زیرِ دیوار — اس بات کے بھی نہیں روادار
البیوں سے کیا ہو کرم کی امید — ہے جن کی طرف نظر بھی دشوار
بلبل نے قفس سے چھوٹ کر بھی — کھولی نہ چمن میں پھر سے منقار
بازارِ جمال میں لگے ہیں — دیکھو جدھر آرزو کے انبار
لٹ جائے نہ رختِ صبر اے دل — اس خالِ سیاہ سے خبردار
اے حسنِ غیورِ دوست کر شرم — یہ مستی مے بہ بزمِ اغیار

جمعہ ۲۲ ستمبر ۳۳ء

نوشادیں ہے ترا مقابل کوئی نہ بہ گلزارِ خانِ فرخار

کب مائل غیر ہیں وہ حسرت

البرید کانپور ۱۸ نومبر ۲۳ء

بایں ہمہ التفاتِ بسیار

ہوئے ابر شگالی ہے ہوس خیز کرے کوئی کہاں تک مے سے پرہیز

تبسم ہے ترا اے شاہِ خوباں سراسر اک تماشا سے دلاویز

یہاں دل خاکسار آرزو ہے وہاں ہے نازِ حسنِ یار نوخیز

فسونِ ظفر ہے خرف لب یار کہے شکر شکن گا ہے نمک ریز

سب اسکو دردہم کہتے ہیں درماں اذیت بھی ہے جس کی راحت آمیز

نہیں اب تک حواس عقل برجا شراب عاشقی تھی کس قدر تیز

مجھے فیضِ سخن پہنچا ہے حسرت

تمدن دہلی ۲۷ اکتوبر ۲۳ء

ز روح پاک شمس الدین تبریز

بے خوف ہیں وہ کہتے ہیں کیا ہے تمہارے پاس لے دے کے ایک تیرِ دعا ہے تمہارے پاس

بیمارِ غم ہیں دور سے آئے ہیں سن کے نام کہتے ہیں دردِ دل کی دوا ہے تمہارے پاس

کس کو نہیں قبول کہ ہے شغل مے حرام پر فصل گل میں ہو تو روا ہے تمہارے پاس

خاموش تم ہو سب ہیں ہلاک فریب لطف اچھی یہ تیغ نیم رضا ہے تمہارے پاس

روشن ہمارے دل میں بھی ہے اک سراجِ درد برقِ جمال کی جو ضیا ہے تمہارے پاس

شمشیرِ عشوہ تیرِ ادا و تفنگ ناز سب چیز اب تو نام خدا ہے تمہارے پاس

اب کیا رہے گا پہلوئے حسرت میں دل بھلا

اک عمر یہ گزار چکا ہے تمہارے پاس

جلوۂ حق کو ہے نظر کی تلاش — دلِ عاشق کو ہے بصر کی تلاش

گمرہانِ وصال یار کریں — جا کے بانسے[١] میں راہبر کی تلاش

شمس و رومی سے پوچھ لیں جو ہوں جنہیں — سخنِ عشق معتبر کی تلاش

[illegible]

اس جفا جو سے ہے وفا کی امید — ثمرِ عشق بے ثمر کی تلاش

حسن اس کا اثر پذیر نہیں — جذبِ دل کو ہے کیوں اثر کی تلاش

ہمتِ اہلِ دل سے دور نہیں — شوق کی راہ پر خطر کی تلاش

حالِ دل کی انہیں خبر ہے تو نہیں — ہم کو ناحق ہے نامہ بر کی تلاش

ان کو رہتی ہے عاشقوں کیلئے — سخنِ تلخ مختصر کی تلاش

ہو جنہیں ہو، ہمیں تو ہے حسرت
خواہشِ زر بھی دردِ سر کی تلاش

ہمدم لکھنؤ — ۱۸ نومبر ۲۳ء

آنکھوں میں نورِ جلوۂ بے کیف و کم ہے خاص — جب سے نظر پہ ان کی نگاہِ کرم ہے خاص

[illegible]

کچھ ہم کو بھی عطا ہو کہ اے حضرتِ کرشن — اقلیمِ عشق آپ کے زیرِ قدم ہے خاص

حسرت کی بھی قبول ہو متھرا میں حاضری
سنتے ہیں عاشقوں پہ تمہارا کرم ہے خاص

زمانہ کانپور — اکتوبر ۲۳ء

کیوں کر کہیں کہ ہم پہ اطاعت نہیں ہے فرض — فطرت پہ کیا تمہاری محبت نہیں ہے فرض

[illegible]

بیخود ہیں جائیں گے تری محفل میں بیدھڑک — کچھ ہم پہ التماس اجازت نہیں ہے فرض

پھر کیوں جفائے یار سے نالاں ہو اہلِ دل — کیا عاشقوں پہ شوقِ شہادت نہیں ہے فرض

١ـ اشارہ بجانب سید حضرت عبدالرزاق بانسوی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲

بے ضرب و ذکر و فکر ملے گی ہمیں مراد — اہلِ ولا پہ زہد و ریاضت نہیں ہی فرض

حسرتؔ کرو دعا کہ رہے دل فگارِ عشق

عصرِ جدید کلکتہ — ۱۸ر نومبر ۲۳ء

تدبیرِ اندمالِ جراحت نہیں ہے فرض

لکھتے ہیں پھر کہ لکھتے نہیں ہم ہزار خط — دیکھیں تو بھیج کر وہ ہمیں ایک بار خط

آیا ہے جبیں کش مکشِ انتظار میں — کیوں کر نہ ہو عزیز ترا غمگسار خط

لکھا تھا اپنے ہاتھ سے تم نے جو ایکبار — اب تک ہمارے پاس ہے وہ یادگار خط

اس نے کہیں پہ حرفِ تسلی بھی ہو لکھا — پڑھتے ہیں اس امید پہ ہم بار بار خط

مجھ کو عجب یہی ہے کہ اے نازنیں ترا — لیتا ہے دشتِ شوق میں کیونکر قرار خط

سرتاسر اک لطیفۂ خوشبو ہے وہ نگار — زلف اس کی عنبریں ہے تو مشکبار خط

مجھ سے گدائے شوق کو لکھے تو کیا لکھے

ہزار داستان لاہور — نومبر ۲۳ء

حسرتؔ دیارِ حسن کا وہ شہریار خط

حور کا ذکر ہے کیا کیا بہ زبانِ واعظ — وصفِ جنت میں سنے کوئی بیانِ واعظ

بن پڑا کچھ بھی نہ رندوں کے دلائل کا جواب — سخت چکر میں ہے عقلِ ہمہ دانِ واعظ

گرم دنیائے ریا میں ہے جو بازارِ فریب — آج کل خوب ہی چلتی ہے دکانِ واعظ

گر دہیں رند کہ چھوڑیں گے نہ دامن تیرا — کس مصیبت میں پڑی آن کے جانِ واعظ

لے گیا ہے کوئی پگڑی جو اڑا کر واعظ

اودھ اخبار لکھنؤ — ۱۸ر نومبر ۲۳ء

مجھ گنہگار پہ ہے شب سے گمانِ واعظ

عشق ہے جان و مالِ اہلِ سماع — دولتِ لازوالِ اہلِ سماع

عرش پر ہے خیالِ اہلِ سماع — اے خوشا وجد و حالِ اہلِ سماع

عاشقان ترا نہ ہائے جمیل — ہیں جلال و کمال اہل سماع

اہل دل کا ہے ایک ہی مسلک — مسلکِ بے مثال اہلِ سماع

کشتۂ عشق ہے ہر اک ان میں — رحمت حق بحال اہل سماع

ان سے جو کچھ ہے سب محبت ہے — حال ہو کہ قال اہلِ سماع

زاہدوں کے پڑے گا سر حسرت

اک نہ اک، دل وبال اہل سماع

نظام المشائخ دہلی — نومبر ۲۳ء

غم و فکر شوقِ تمنا سے فارغ — ہیں عاشق ترے ساری دنیا سے فارغ

نہ تم ہو مرے جذبِ الفت سے بے غم — نہ یوسف تھے عشق زلیخا سے فارغ

انہیں جلوہ گر دل میں ہر لحظہ پا کر — تمنائے فکرِ تماشا سے فارغ

وہ مطلق ہیں خود انکی نسبت ہے لیکن — نہ اعلیٰ سے فارغ نہ ادنیٰ سے فارغ

پناہِ محبت میں ہم آ کے حسرت

ہوئے خوف احکام بیجا سے فارغ

جامعہ علیگڑھ — اکتوبر ۲۳ء

نظر اس رخ پہ ہے ادب کے خلاف — دل ہے اس فیصلے میں سب کے خلاف

کچھ بھی ہم ان سے کہہ سکے نہ کہیں — ناخوشی ہائے بے سبب کے خلاف

سکرِ غم تابع خمار نہیں — مستیٔ بادۂ عنب کے خلاف

آج پھر کیا وہ روز کرتے ہیں — ہے رہی وعدہ ہائے شب کے خلاف

حسن جاناں کے عہد میں حسرت

شوق ٹھہرا ہے ماہ رجب کے خلاف

اتنی کہاں ہے اور جو ہو بھی مجالِ شوق — وہ ٹال دینگے آ رہے ملے بھی سوالِ شوق

ہم کو ہے دید یار کی خواہش کہ فی المثل
نکلا ہے آسمانِ دعا پہ ہلالِ شوق

مشہور اگرچہ دور تھی راہِ دیارِ دوست
مستانہ چل کھڑے ہی ہوئے ہم بحالِ شوق

اونچا ہوا ہے اور بھی کچھ آشیانِ حسن
کھولے ہیں جب سے مرغِ تمنا نے بالِ شوق

دل طالبِ وصال ہے بیشک مگر کہیں

ترچھی نظر لکھنؤ
نومبر ۲۳ء

حسرت یہی عروج نہ دیکھے زوالِ شوق

چھپے گی تری دوستداری کہاں تک
کرے گا دل انکارِ یاری کہاں تک

کہیں رک بھی اے چشمِ خونابہ افشاں
کہاں تک تری اشکباری کہاں تک

خدا جانے آخر ترے غم زدوں کو
ستائے گی بادِ بہاری کہاں تک

نظر باز اڑا لیں گے سب حال مطلب کا
چھپے گی وہ چشمِ خماری کہاں تک

سرِ راہ بیٹھے ہیں بے خواب و خور ہم
نہ نکلے گی ان کی سواری کہاں تک

کرے گی فقیروں سے اے شاہِ خوباں
تغافل تری شہریاری کہاں تک

ہمیں حال دل عرض کرنے نہ دے گی
بھلا ان سے بے اختیاری کہاں تک

غرور آپ کا کم نہ ہوگا نہ ہوگا
جتائیں گے ہم خاکساری کہاں تک

بیاں ہو چکی ہم سے اس گل کی خوبی
سرِ دبرگ رنگیں نگاری کہاں تک

وہ کہتے ہیں دیکھیں تو رہتی ہے باقی
تری شانِ پرہیزگاری کہاں تک

پھر آتے کی ناکام اس در پہ جاکر
نباہے کوئی وضعداری کہاں تک

تمنا کو اس حد پہ رہنے نہ دے گی
ترے حسن کی بے قراری کہاں تک

کم و بیش دنیا سے حیرت تھی حسرت

الناظر لکھنؤ
۱۱ نومبر ۲۳ء

خرد مندی و ہشیاری کہاں تک

نہ کیا بارِ غم کسی نے قبول   غیر انساں کہ تھا ظلوم و جہول

بھیجئے تحفۂ درود و سلام   بجناب رسولؐ و آل رسولؐ

خاصہ بر روح پر فتوح حسین   نور چشم علیؑ و جانِ بتول

نوجوانانِ خلد کے سردار   گلبنِ دودۂ رسول کے پھول

جملہ اربابِ صبر و فقر و فنا   جن سے سیکھے ہیں عاشقی کے اصول

جن کے روضے پہ رحمتِ حق کا   روز ہوتا ہے کربلا میں نزول

بارگاہِ حضور میں حسرت

نظام کالج اردو میگزین حیدرآباد دکن   اکتوبر ۲۳ء

کاش ہو جائے یہ غزل بھی قبول

بارہا کھائی ہے جس نے لبِ جاناں کی قسم   خضر کھاتے ہیں یہ کیا چشمۂ حیواں کی قسم

آج تو مت لبِ ساغر سے پھرا دے میرا   ساقیا تجھ کو مری سستئ پیماں کی قسم

زعفراں زار مسرت ہے مری کشتِ امید   تیری تقریر سے اتیرے لبِ خنداں کی قسم

عالم حسن میں یکتا ہے ترا جلوۂ نور   ماہِ تاباں کی قسم مہرِ درخشاں کی قسم

آج تک یاد ہیں صدمے جو دیئے تھے تو نے   اے ستم گار تری کثرتِ احساں کی قسم

نزہتِ خلد نے اے نامۂ جاناں تیری   بارہا کھائی دلچسپیٔ عنواں کی قسم

سن کے انکار سرِ ہجر میں کیا کیا حسرت

ساغرِ مے نے دلائی لبِ جاناں کی قسم

اب ہم ہیں بھلا زیست کے آثار کہاں ہیں   تم پھر بھی کہے جاؤ یہ بیمار کہاں ہیں

مقتل میں یہ کہتے ہوئے آئے وہ بصد ناز   آئیں مرے جاں باز گراں بار کہاں ہیں

ہم کو یہی کیا کم ہے کہ بندے ہیں تمہارے   دعوائے محبت کے سزاوار کہاں ہیں

سجدے کئے اس در پہ اسی عذر سے لاکھوں — ہم عاشقِ بیخود ہیں گنہگار کہاں ہیں
اک بار چلے جاؤ دکھا کر جھلک اپنی — ہم جلوۂ پیہم کے طلب گار کہاں ہیں
پوشیدہ ہم اس گوشۂ محفل میں ہیں خاموش — جس میں یہ نہ جانے نگہ یار کہاں ہیں
ہر لحظہ تصور کی ہے مصروفیٔ بے حد — عاشق ترے با کار ہیں بیکار کہاں ہیں
کہتا ہے قریبِ نظرِ یار بھلا ہم — بے مہر، جفا کار، دل آزار کہاں ہیں
شوق ان سے یہ کہتا ہے، تو یہ نہیں تم کو — عقدے مرے سب سہل ہیں دشوار کہاں ہیں
اس حسن نظر سوز کا ہے اب تو یہ عالم — کہتا ہے مرے طالبِ دیدار کہاں ہیں

کافر جنھیں سب کہتے ہیں مسلم ہوں نہ حسرت
آزاد ہیں وابستۂ زنار کہاں ہیں

حامد علی گڑھ — ۱۸ نومبر ۲۳ء

اپنے آپے میں نہیں شوق کے مارے گیسو — پھیلے جاتے ہیں رخِ یار پہ سارے گیسو
نورِ ایماں کے معاون ہیں تمہارے عارض — کفرِ عشاق کے حامی ہیں تمہارے گیسو
کام آئے گی وہ کیا ان کی پریشانی میں — چشمِ بیمار کے ڈھونڈھیں نہ سہارے گیسو
مائلِ شوق مجھے پا کے وہ بولے ہنس کر — دیکھو تم نے جو چھوئے آج ہمارے گیسو
ظلمتِ زلف سے نورِ رخِ خوباں نہ دبا — جیت عارض کی ہوئی شرط ہیں ہارے گیسو
فلکِ حسن پہ ہے ناز کے تاروں کی نمود — یا یہ زینتِ افشاں ہیں تمہارے گیسو

فاتحہ پڑھنے چلے مرقدِ حسرت پہ جو وہ
پہلے کسی ناز سے رو رو کے سنوارے گیسو

خلشِ یار سے خدا کی پناہ — نگہ یار سے خدا کی پناہ
بڑھ کے اصرار سے ہوئے مغرور — ایسے اصرار سے خدا کی پناہ

پھر ہوا دل کو شوق شاہدِ مے — ابر لب یار سے خدا کی پناہ

رہنماؤں کے دل بھی ہیں گمراہ — حسن بازار سے خدا کی پناہ

آ چکی اب کسی کو شوق میں نیند — تیرے اقرار سے خدا کی پناہ

مشورے دے جو ترک مے کے ہیں — ایسے غم خوار سے خدا کی پناہ

سامنا کون کر سکے حسرتؔ

ان کی تلوار سے خدا کی پناہ

زمیندار لاہور — ۲۶ نومبر ۲۳ء

کیا کیا نہ ہجر میں تجھے ناشاد کر چکے — اب یہ سمجھ کے چپ ہیں کہ وہ یاد کر چکے

نادم وہی تو آج ہیں کل پر بنائے ناز — خاکِ شہیدِ عشق جو برباد کر چکے

پابندِ نیش ہو نہ سکے بندگانِ عشق — گو ختم قید کی وہ میعاد کر چکے

کہتے ہیں اب وہ تیری گزارش ہی نا قبول — اک بار کہہ چکے جو ہم ارشاد کر چکے

رنگیں طرازیاں غضب اشکِ سرخ کی — جو دامنِ جنوں پہ ہم ایجاد کر چکے

نادم ہیں اب کمال جب ان سے بیان ہم — ساری غمِ فراق کی روداد کر چکے

حسرتؔ وہ اب ہوئے بھی تو کیا مائل کرم

جب ختم ساری سختی بیداد کر چکے

عود ر کلکتہ — نومبر ۲۳ء

تیری جفا بھی ہے وفا۔ اے کمالِ دلبری

تیرے ستم سے دیتے ہیں لوگ مثالِ دلبری

بات ہے تیری حیلہ جو۔ صرف بہ ناز گفتگو

چال ہے تیری فتنہ خو مست بحالِ دلبری

اہل کمال کی نظر محوِ نثار ہے دیکھ کر
چہرۂ حسنِ یار پہ ندرتِ خالِ دلبری

مہر سپہر حسن ہو با خط و خال گل رخی
ماہِ تمام نازہ ہو با سن و سالِ دلبری

اس کے سوا کہ ہے یہ خود وصفِ بتانِ ماہرو
کچھ بھی جو جانتا ہو کیا ہے مآلِ دلبری

ذات پہ جن کی ختم تھا شیوۂ جورِ بے ملا
آج ہیں بر سرِ وفا پھر بخیالِ دلبری

میں جو ہٹا ہوں چھیڑ سے مائلِ حسنِ دیگرے
طرفہ تری نظر میں ہے شانِ ملالِ دلبری

غش مرے حالِ دل پہ تھا شورِ جنونِ شوق کا
تیری ادا پہ ہے فدا نازِ جمالِ دلبری

حسرتِ پاک باز کے گریۂ شوق سے رہے
تازہ یونہیں خدا کرے تیرا نہالِ دلبری

"ہمایوں" لاہور ۱۸ نومبر ۲۳ء

متفرق مطلع

حالِ دل کہیے ان سے پا کے الگ ڈانٹ دیں گے نہ وہ بلا کے الگ

دل کو جس دن سے ہوئی تیری محبت کی ہوس　　ہمکو دوزخ کا ہے کچھ خوف نہ جنت کی ہوس

حسینوں میں آج ایک تم سا نہیں ہے　　خوشامد فقیروں کا شیوہ نہیں ہے

حق ہے اک ذاتِ خدا غیر خدا ہے باطل　　لوگ سمجھے ہیں کسے اصل میں کیا ہے باطل

زمیندار لاہور ۸ نومبر ۲۳ء

31

دیوان حسرت

موہانی

حصہ ہشتم

جس میں حسرت موہانی کی وہ کل اردو، ہندی اور فارسی غزلیں درج ہیں جو زمانہ قید فرنگ ثالث بمقام یرودا سنٹرل جیل پونا یکم اکتوبر سنہ ۲۳ء سے ۹ نومبر سنہ ۲۳ء تک لکھی گئیں۔

مرتبہ

مرحومہ بیگم حسرت موہانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

عہدِ یک عمر فراغت سے جو خوشتر گزرا
وہ جو یک لحظہ تری یاد میں ہم پر گزرا

تیرے انکار سے اربابِ تمنا کے لیے
وصل کا دن بھی شبِ غم کے برابر گزرا

تجھ سے اب مل کے تعجب ہے کہ عرصہ اتنا
آج تک تیری جدائی کا یہ کیوں کر گزرا

صبر کی دل میں سلامت نہ رہی ایک بھی کشت
جس طرح سے کہ ترے ناز کا لشکر گزرا

یہ بھی اک بات ہے غیروں کے ستانے کو فقط
التفاتِ نگہ یار سے میں در گزرا

لوگ سب جان گئے چھپ نہ سکی شوق کی بات
میں گلی سے جو تری ہو کے مکرر گزرا

اب وہ آئیں بھی تو کیا، روئیں بھی تو کیا حسرت
ہجر میں تجھ کو جو کرنا تھا سو تو کر گزرا

معطر پا کے بوئے حسن سے سارا بدن اپنا
وہ سونگھا کرتے ہیں خود بھی اکثر پیرہن اپنا

رقیبوں کی ہمارے بعد اب اتنی بھی کیا کثرت
کبھی تم غور سے دیکھو تو رنگِ انجمن اپنا

ارادہ آج بے خوف و خطر ہے ان کی محفل کا
محبت میں کوئی دیکھے تو یہ دیوانہ پن اپنا

کچھ اس عالم میں وہ بے پردہ نکلے سیرِ گلشن کو
کہ نسریں اپنی خوشبو رنگ بھولی نسترن اپنا

وہ رحم آیا تجھے مجبوریٔ شوقِ شہادت پر
خبر لے ہاتھ کی خنجر سنبھال اے تیغ زن اپنا

ہمیں معلوم ہے سب حال اس کے حسنِ نازک کا
بنا کر اتنا نہ دکھلائے وہ زلفِ پرشکن اپنا

سبھی کچھ ہو گیا ان کا ہمارا کیا رہا حسرت
نہ دیں اپنا نہ دل اپنا نہ جاں اپنی نہ تن اپنا

ترچھی نظر لکھنؤ — ۶ فروری ۱۹۴۷ء

بغدادی دیا لو کھویا
ہم ہوں گم ریب ہیں پار جویا

برہا کی ماری نپٹ دکھیاری
تا گن کب لگ دور سے نیّا

پار اتار پیا سے ملا دو
رزاق[1] پیا بانسے نگر یلے کے بسیا

بانسے نگر کے فرنگی محلّے[2]
ان کی نام کے دوئی دوئی کنھیا

رزاق[2] وہاب[3] پیا بن حسرت
ہمری بتھا کا ہے کون سنیّا

دل کو امید وصل ہے تمہید اضطراب
تسکین اضطراب ہے تائید اضطراب

جوشِ ہوس کا حال یہی ہے تو ہو چکی
ارباب اشتیاق سے تجدید اضطراب

میرے لئے ہجوم تمنا سے فی المثل
شام شبِ وصال ہوئی عید اضطراب

مطلب نہ تھا کچھ اور ترے التفات کا
کی تھی نگاہِ یاس کو تاکید اضطراب

حیرانیٔ فراق میں کچھ رہا نہ یاد!
توصیف انتظار نہ تمجید اضطراب

آنے میں ان کے دیر ہوئی کچھ تو زورِ وصل
کی بڑھ کے آرزو نے بھی تقلید اضطراب

---

[1] حضرت سید عبدالرزاق بانسوی ہے بانسہ ضلع بارہ بنکی

[2] فرنگی محل لکھنؤ ہے حضرت شاہ عبدالرزاق لکھنوی فرنگی محل

[3] مرشدی حضرت شاہ عبدالوہاب لکھنوی فرنگی محل

ان کو بھلا تسلی حسرت سے کیا غرض

مشرق گورکھپوری ۱۱ دسمبر ۲۳ء

مدِ نظر ہے کوششِ تجدید اضطراب

پن ہوے نہ شام کی پریتا کا پاپ — کو دکا ہے کرت ہے پشچاتا کا تاپ

بِنہ کی آگ ماں تن مارے

کب تک جلت رہی چپ چاپ

دین دیال کبھی دکھ دا اِک — سب حسرت کھول کے میل ملاپ

(۲۳ اکتوبر)

اس شوخ کے آنے کی تمنا ہے قیامت — کیا کیا دلِ مشتاق میں برپا ہے قیامت

گھنگھور گھٹاؤں کے اندھیروں میں بھی گی — رنگینیٔ صہبا کا اجالا ہے قیامت

رعنائی میں آفت ہیں ترے لب تبسم — خوبی میں تری نرگس شہلا ہے قیامت

دل دے کے ہمیں جان بھی دینی ہی پڑے گی — اس شوخ ستمگر کا تقاضہ ہے قیامت

یاروں سے ترا محفلِ اغیار میں ظالم — ظاہر کا یہ اظہار مدارا ہے قیامت

کیا آگ ہوا ہے دلِ مہجور یہ سن کر — گلشن میں بہارِ گل حمرا ہے قیامت

(۲۳ اکتوبر ۱۹۳۰ء)

دوران سے بھلا نیند کسے آئے گی حسرت

بمرہیا کانپور — دسمبر ۲۳ء

تنہائی میں رنج شب یلدا ہے قیامت

دل کی یہ کیا مجال کہ لائے خیال دوست — مجھ میں کہاں یہ حال کہ دیکھوں جمال دوست

بیجا ہے غور سے مری نسبت سوالِ دوست — سنتے ہیں دوست بھی کہیں دشمن ہے حالِ دوست

عاشق نے تھے پھر بھی کیا شکوۂ جفا — سچ پوچھئے تو تم سے بیجا ہے ملال دوست

پردے نظر پہ کثرتِ خوبی کے پڑ گئے — چاہا مگر نہ دیکھ سکے ہم جمالِ دوست

نعم البدل ہے عیش دو عالم کا رنج عشق — خالی ہے سب سے دل بہ وفورِ خیالِ دوست

(۱۵/۱۰ اکتوبر ۳۰ء)

مائل ہیں جس کی شانِ جفا کے بھی اہلِ شوق　　یکتا ہے دلبری کے ہنر میں کمال دوست

گلزار سخن پونا
یکم دسمبر ۲۳ء

کافی ہے اہلِ درد کو حسرت دوائے غم
اور کیوں نہ ہو کہ غم ہے غمِ لا دوال دوست

من لاگی پریمک جوگ گُن چاٹ　　رنگ بھبھوت لبسے برج گھاٹ

شام نگر کی بھیک بھلی ہے

بربھا کانپور
۲ نومبر ۲۳ء

کا لربے راج پاٹ
بھولن سیج بسار کے حسرت
کری اوڑھن چھاوت ٹاٹ

ترکِ جفا کی ان سے تمنا نہ کر عبث　　اے دل وفا کے نام کو رسوا نہ کر عبث
مے نوشیوں سے کار ہے بزمِ غیر میں　　میرا لحاظ اے گلِ رعنا نہ کر عبث
یکتا ہے سادگی میں ترا حسن دلفریب　　آرائشِ جبیں کا ارادہ نہ کر عبث
اے چشمِ شوق تجھ کو مذاقِ نظر کہاں　　دیدارِ حسنِ یار کا دعوا نہ کر عبث
مرنے کو ہم خود آئے ہیں ہو جائیں گے نثار　　دل لیکے جان کا بھی تقاضہ نہ کر عبث
زاہد کسے ہے عاقبتِ کار کی خبر　　حسنِ عمل پہ دیکھ بھروسا نہ کر عبث

تمدن دہلی
۱۱ فروری ۲۴ء

جوشِ جنونِ عشق و بائے سے دب چکا
حسرت علاجِ خاطرِ شیدا نہ کر عبث

تم بن کون سنے مہراج　　راکھو بانہہ گہے کی لاج

نگار بھوپال
اکتوبر ۲۳ء

برج موہن جب سے من بسے
ہم بھولن سب کام کاج

"کوراج" "سوراج" سب بھول کے حسرت اب مانگت "پریم" "راج"

اہل دل ہیں فدائے نغمۂ روح کہ بقائے فنائے نغمۂ روح

دل ہے مضطر برائے نغمۂ روح چھیڑ مطرب نوائے نغمۂ روح

عرش پر ہے دمائے چنگ و سرود اے زہے کبریائے نغمۂ روح

دل میں اپنے اتر گئی آخر درد بن کر دوائے نغمۂ روح

غم کا آغاز تھا اثرائے دل موت ہے انتہائے نغمۂ روح

وہ تسکین عشق ہو نہ سکا! شغل کوئی سوائے نغمۂ روح

کر مرے دل کی غنچگی کو بھی دور اے گل جانفزائے نغمۂ روح

پردہ ساز میں نہاں ہے ہنوز شاہد دل ربائے نغمۂ روح

کس قدر دل پذیر ہے حسرت
اثر دیر پائے نغمۂ روح

اسے شوق جنت نہ پروائے دوزخ عجب حال ہے تیرے عاشق آدخ

درازی سو سو برس کی ہے منزل رہِ وصلِ جاناں کا ایک ایک فرسخ

پے قتل حسرت وہ آئے ہیں لیکن
نہ خنجر نہ ہے دست نازک میں تا پخ

"اودھ" اخبار لکھنؤ ۱۶ فروری ۱۹۲۲ء

اے درد تو بہ پایۂ درماں رسیدہ باد خارغمت بجانِ محبّاں خلیدہ باد

زنہار کز تو قطع کنم رشتۂ امید گویدگرش بریدہ کسے گو بریدہ باد

باشد کہ دل فریب شود دلفریب تر رنگ رخش بہ عشقِ رقیباں پریدہ باد

تاچند پاسداریِ داماں و جیب و صبر | شادم کہ پارہ کردم و خواہم و خواہم
شوقِ رخ تو خوبتر از روے خوب تست | حسنِ رخت ندیدم و یارب ندیدہ باد
اے مایۂ حیات بہ بازارِ حسن و عشق | جنسِ غمت بجانِ عزیزاں خریدہ باد

رنج فراق یار کہ از یار می رسد

نگار بھوپال — اکتوبر ۲۳ء

خوش میرسد، بہ حسرت حیراں رسیدہ باد

نامۂ یار کو سمجھو تو ہے کیسا کاغذ | اور نہ سمجھو تو پھر اک وہ بھی ہے پرزہ کاغذ
لیکے اس شوخ کی رنگینیٔ تحریر سے حسن | بن گیا تختۂ جنت کا نمونہ کاغذ
دل اڑا لے گا ہزاروں کا ہوا میں اڑ کر | ہاتھ میں ہے جو ترے اے گل رعنا کاغذ
دم تحریر مری چشم تمنا بن کر | دیکھتا ہے تری صورت کا تماشا کاغذ
نامہ کیا آئے ترے بے سروسامانوں کا | نہ قلم جس کو میسر نہ مہیا کاغذ
روشنی بخش نظر پھر بھی ہے حالانکہ نہیں | انکے نامے کا مذہب نہ مطلا کاغذ

جس میں دو حرف کبھی اس نے لکھے تھے حسرت

زمیندار لاہور — ۲۴ فروری ۲۳ء

ہم نے سو بار وہ آنکھوں سے لگایا کاغذ

کہہ دیا خوب! ہمکو پیار نہ کر | جبر اتنا بھی اختیار نہ کر
محفلِ غیر میں خدا کے لئے | تو مجھے یاد بار بار نہ کر
دیکھ اے احتیاط پائے جنوں | خاک سے ڈرا کے ہم کو خوار نہ کر
دشمنِ اہل اشتیاق نہ بن | حسنِ رخ کو نقاب دار نہ کر
وعدہ ہائے دروغ تسکین سے | اور بھی دل کو بے قرار نہ کر
باش اے خونفشانیٔ غمِ عشق | دامنِ جاں کو لالہ زار نہ کر

دیکھے اہلِ ہوس کو قولِ وصال ۔۔۔ عشق بازوں کو شرمسار نہ کر
ہو غریبوں پہ بھی نگاہِ کرم ۔۔۔ دیکھ اے چشمِ یار عار نہ کر
کم ہے اے دل وہ داغ دیں جتنے ۔۔۔ شوق سے کھائے جا شمار نہ کر
سوزِ غم کو بھی سازِ عیش سمجھ ۔۔۔ عشق سے فرق نور و نار نہ کر
دل اہلِ ہوس نشانہ نہ ہو ۔۔۔ کون کہتا ہے تو شکار نہ کر
بیخودی شوق کی ہے خوب اے دل ۔۔۔ رنج افزائشِ خمار نہ کر

شرم دعوائے عشق رکھ حسرت

هزار داستان سلاہور ۔۔۔ جون ۳۳ء

فکر غمہائے روزگار نہ کر

برہ کی رین کٹے نہ پہاڑ ۔۔۔ سونی نگریا پڑی ہے اجاڑ

نندلال شیام پردیس سدھارے

پربھا کانپور ۔۔۔ ۴ نومبر ۲۳ء

ہم دکھیارن چھوڑ چھپاڑ

کاہے نہ حسرت سب سکھ تیت ۔۔۔ تج بیٹھیں گھر بار کواڑ

امید انتظار سے ہرگز نہ آئے باز ۔۔۔ ہم شوقِ لطفِ یار سے ہرگز نہ آئے باز
جورِ غرورِ حسن پہ بھی اہلِ آرزو ۔۔۔ اظہارِ انکسار سے ہرگز نہ آئے باز
ہم تھے وہ بے اصول کہ یادِ صفِ ہجرِ یار ۔۔۔ گلچینیِ بہار سے ہرگز نہ آئے باز
میخواریاں نہ چھوٹ سکیں، رندِ بادہ نوش ۔۔۔ اندیشۂ خمار سے ہرگز نہ آئے باز
کیوں کر نہ سرگراں ہو ترا لطفِ بےحساب ۔۔۔ داغوں کے ہم شمار سے ہرگز نہ آئے باز
ہمکو بھی اس سے کام نہیں کچھ، یونہی سہی ۔۔۔ دل خواہشِ قرار سے ہرگز نہ آئے باز
ہم باز آئے عشقِ بتاں سے مگر کہاں ۔۔۔ خواہش کے اعتبار سے ہرگز نہ آئے باز

ہم نے گناہِ شوق میں مطلق کمی نہ کی !   وہ جورِ لطف کار سے ہر گز نہ آئے باز

مجبورِ آرزو تھے جو حسرتؔ سو مر کے بھی

زمیندار لاہور   ۲۵ ردسمبر ۲۳ء

شوقِ لقائے یار سے ہر گز نہ آئے باز

عشق اب ہے نہ عاشقی کی ہوس   ہم ہیں اور دل سے بیدلی کی ہوس
غنچۂ شوق ہے فسردہ ہوس   مٹ چکی سب شگفتگی کی ہوس
رہ نہ جائے ترے تغافل سے   کہیں جی ہی میں اپنے جی کی ہوس
عشق ہر چند رامِ حسن رہا   پر نہ چھوٹی برابری کی ہوس
ہم بھی حاضر ہیں بندگی کے لئے   آپ کو ہو جو صاحبی کی ہوس
مائلِ شکوۂ جفا ہے وفا   یا یہ نیکی کو ہے بدی کی ہوس
لے گئی دل سے خوفِ رنجِ خمار   زندگی ہائے سرخوشی کی ہوس
ہم کو ان کو درشت خوئی سے   ہے عبث لطفِ آشتی کی ہوس
کیوں نہ ہو دلبروں کو شوقِ ستم   اہلِ دل کو ہے بے کسی کی ہوس
بیخودی ہائے عاشقاں کو نہیں   عاقلیہائے آگہی کی ہوس

عشقِ حسرتؔ کو ہے غزل کے سوا

"خلافت" بمبئی   ۱۵ ردسمبر ۲۳ء

نہ قصیدے نہ مثنوی کی ہوس

جان ہے اپنی آب و گِل کی خلش   مٹ چکی دل سے دردِ دل کی خلش
مدتیں ترکِ عاشقی کو ہوئیں (ق)   کہ رہا دل نہ زخمِ دل کی خلش
گاہ گاہ اب بھی ہوتی ہے محسوس   مگر اک شوقِ مشتعل کی خلش
دل سے محروم ہو کے بھی نہ مٹی   آرزوہائے منفعل کی خلش

مسلم دہلی

نہ رہا دل میں تھا جو کچھ حسرت
مگر اک درد مضمحل کی خلش

۱۱ر دسمبر ۲۳ء

نہ ہوئے آپ آشنائے خلوص — نہ سنی میری التجائے خلوص
ہم ہیں بیمار کبر و عجب و ریا — کیوں نہ درکار ہو دوائے خلوص
طے کرے لئے دل بنور علم و عمل — راہِ بیم و رجا بپائے خلوص
نہ ہو حیران کار عشق ہوا — ہمیں پایا کہ نہ کچھ سوائے خلوص
بڑھ چلی ان کی بے رخی گویا — تھی سزائے ہوس جزائے خلوص
تم دعا کو بھی التجا سمجھے — تھی وہ حالانکہ اک صدائے خلوص
زہد و تقوی ریاضت و ذلت — بن گئے جبکہ دست و پائے خلوص
نفس و شیطان و خلقت و دنیا (ق) — سب پہ غالب ہوئی دعائے خلوص
دل کا تقوی ہے خیر خواہی خلق — ہو بشرطیکہ یہ بنائے خلوص
فکر رزق و مصائب تقدیر — عارض حال تھے بجائے خلوص
سو بہ صبر و توکل و تفویض (ق) — بن گئے شیوۂ رضائے خلوص
توبہ و علم و حمد و شکر ہیں باب — شہر ہے شہر پر قضائے خلوص
ذکر و فکر و ریاض و صوم و صلوۃ — سارے جھگڑے ہیں اک برائے خلوص
اور حقیقت میں ان سب کے سوا — عشق ہے اصل مدعائے خلوص

جیل ۱۹-۱۱-۲۳ء

ان کو اب یہ ضد ہے کہ حسرت بھی
شوق ظاہر کرے بجائے خلوص

دلربائی تھی آشتی سے غرض — اب انہیں کیا بھلا کسی سے غرض

ہم سے رندوں کی ہو چکی پوری | ساقیا لطفِ یک شبی سے غرض
بیٹھے ہیں ان پہ سب نثار کیے | دل سے کچھ کام ہے نہ جی سے غرض
ہم کو ان سے نہ دل کا ہے دعویٰ | نہ گواہی نہ شاہدی کا سے غرض
کچھ نہیں اور عاجزی کے سوا | ہم کو اظہارِ عاجزی سے غرض
ان کی تحریرِ خام بھی ہے عزیز | کہ نہیں ہم کو خوشخطی سے غرض
کچھ نہیں جانتے جفا و وفا | جن کو ہے آپ کی خوشی سے غرض
حنفی ہیں، نہ مالکی، نہ ہمیں | حنبلی سے نہ شافعی سے غرض
ہم کہ خالص ہیں پیروِ اسلام | اور رکھتے نہیں کسی سے غرض
نسبتِ حسنِ یار کا ہے لحاظ | ورنہ کیا ہم کو عاشقی سے غرض
کچھ نہیں میرے حالِ زار کا پاس | آپ کو اپنی دل لگی سے غرض
جن کی ہے حسنِ دائمی پہ نظر | کیا انہیں عشقِ عارضی سے غرض
دل کو اک ترکِ عشق پر بھی رہی | حسن کی خواہشِ نفی سے غرض
ہو کے حیرانِ کارِ عشق ہمیں | دل سے ہے اب نہ بیدلی سے غرض
حال ابتر ہے عاشقوں کا تو ہو | زلفِ جاناں کو برہمی سے غرض
اب ہے اس بندۂ تغافل کو | دوستی سے نہ دشمنی سے غرض
ہجو دانِ خدا نہیں رکھتے | سر و سامانِ آگہی سے غرض
رکھتے ہیں عاشقانِ حسنِ سخن | لکھنوی سے نہ دہلوی سے غرض

پاسِ خاطر ہے حسنِ خوباں کا
ورنہ حسرت کو شاعری سے غرض

"زمانہ" کانپور — فروری ۲۴ء

الفت نہ مودت نہ مروت کے شرائط | پورے ہوئے کون ان سے محبت کے شرائط
اب دہر نہیں کچھ تری شہر میں کہ واعظ | موجود ہیں سب کشف و کرامت کے شرائط
تہذیب نظر سے ترے دیدار کے طالب | پورے تو کریں پہلے زیارت کے شرائط
محفل میں تری جذبِ محبت سے بھی دل نے | طے کر لئے پہلے سے وکالت کے شرائط

رکھتے ہیں عبث چشمِ ولا ہم سے وہ حسرت
درویش دہلی — ٦ فروری ۴۴ء
نابود ہوئے جن سے خلافت کے شرائط

کیا ہے اگر مرا نہ کرے تو حسین لحاظ | کرتا ہے عاشقوں کا کوئی بھی کہیں لحاظ
رکھنی تھی اپنے چاہنے والوں کی بھی خبر | اس کا مگر تمہیں تو ذرا بھی نہیں لحاظ
ہر حال میں ترے جو رہے ہوں نیاز مند | ایسوں کا تو ضرور ہے اے نازنیں لحاظ
ان سے جفائے یار کا شکوہ نہ ہو سکا | عہدِ وفا کا تھا جو دمِ واپسیں لحاظ

حسرت مرے سرشکِ محبت کی قدر کا
حور کلکتہ — فروری ۴۳ء
رکھنے لگی ہے خوب مری آستیں لحاظ

ظلمتیں دل کی نہ ہوں کیوں مرفوع | کہ ہوا بدرِ عشقِ یار طلوع
مذہبِ عشقِ ماہرویاں کے | دل کو سب یاد ہیں اصول و فروع
تو جو ساقی نے تو شغلِ شراب | محتسب بھی کہے کہ ہے مشروع
عیشِ جاں بھی ہے حسن پر دل نثار | کس قدر دردِ عشق ہے مطبوع

خاکسارانِ عاشقی حسرت
معیار الحق، ہمایوں — فروری ۴۴ء
کچھ نہیں جانتے سجود و رکوع

آئینہ دیکھئے کہ سب آئے نظر دروغ | "بےمثل ہم ہیں" قول ہے یہ سر بسر دروغ

ہم ان پہ مر کے زندۂ جاوید نہ ہو جائیں — ٹھہرے کہیں نہ حکمِ قضا و قدر دروغ
دلداریوں کے واسطے کب ہے یہ دلبری — اتنا تو ہم سے بول نہ اے فتنہ گر دروغ
تسکین غم کی اور تو کیا دل کو ہو امید — ٹھہرا جفائے یار کا ٹھہرے مگر دروغ
حسرت یہ ہجرِ یار میں کیا حال کر لیا
دعوائے صبر آپ کا تھا کس قدر دروغ

گلزارِ سخن "پونا" — فروری ۲۴ء

اللہ رے نزاعِ حجاب کاشف — دیوانہ ہے جس پہ روحِ عارف
عاشق وہ کہاں جو غیبِ حق سے — پیہم نہ سنے نوید ہاتف
منظورِ الٰہی جو ہو تو غم بھی — ہے دل کو سرور کا مرادف
معلوم ہیں اشکبارِ غم کو — سب دل کے مداخل و مصارف
درکار ہے جائے نسبتِ شوق — زاہد کو وسیلۂ وظائف
برہم ہیں وہ آج، دیکھنا ہے — گرتی ہے کدھر یہ برقِ خاطف
طالب ہے وصال کا تو حسرت
رکھ وردِ عوارف المعارف

نظام المشائخ دہلی — فروری ۲۴ء

پڑھیے اسکے سوا نہ کوئی سبق — خدمتِ خلق و عشقِ حضرتِ حق
گفتگو سب ہے، جز حکایتِ شوق — محض بیکار، زق زق بق بق
ترکِ غم پر بھی دردِ دل کا رہا — سالہا سال آرزو کو قلق
ہو گئے نورِ عشق سے روشن — دل پہ ارض و سما کے جملہ سبق
نگہِ شوق میں سما نہ سکا — جلوۂ حسن بسکہ تھا مطلق

مٹ گئے دل سے عاشقی کے نقوش — رہ گیا سادہ زندگی کا ورق

کیا ہوئے اب وہ مشغلے غم کے — دل مضطر کی تھی جن سے رونق

شعر حسرت نے سارے کھول دیئے

"شوکت" بلبلی — ۲۶ جنوری ۴۴ء

عشق بازی کے عقدہائے ادق

احباب نہ آئے کوئی پیغام اجل تک — مجبور تھے کیا کیا ترے مہجور بھی کل تک

پایا نہ کسی نے ترے وحشی کا ٹھکانا — سب ڈھونڈ پھرے بحر و بر و دشت و جبل تک

عاشق ہوں تو زاہد سے جھگڑے کی رہائی — سب ہیں یہ بکھیڑے ہوس علم و عمل تک

خالی نہ ہمیں غم سے ملا ایک بھی لحظہ — اے شام ابد دیکھ چکے صبح ازل تک

داعی ہے محبت کا تری زہد بھی جسکو — معلوم نہیں شکر و شکایت کا محل تک

اب کچھ نہیں مطلوب قناعت کی بدولت — بے حاصلی حرص رہی طول امل تک

ہم جامی و حافظ کے بھی قائل ہیں پہ حسرت

"شوکت" بلبلی — ۱۰ جنوری ۲۴ء

خوبی میں نہ پہنچا کوئی سعدی کی غزل تک

منموہن شیام سے نین لاگ — نسدن سلگ رہی تن آگ

برہا کی رین تمت اندھیاری

"برکھا" کانپور — نومبر ۲۳ء

رووت دھووت کٹت جاگ جاگ

پریم کا روگ لگا رے کے حسرت — راگ رنگ سب دین تیاگ

موت سے چھیڑ کرت نندلال — لئے کھاڑے ابیر گلال

ڈاسری کرشن

ڈھیٹھ بھئی جن کی برجوری

"ورتمان"، کانپور ۲۷ر اکتوبر ۲۳ء

اودرن پہ رنگ ڈال ڈال

ہم ہوں جو دیئی لپٹا کے حسرتؔ — ساری یہ چنچل بل نکال

رنج راحت ہے سکونِ غمِ ہجراں کی قسم — یادِ جاناں کی قسم جلوۂ جاناں کی قسم

مجھ کو مخمور جو دیکھا ہے تو اے پیکرِ ناز — مست ہم بھی ہیں تری مستیٔ لرزاں کی قسم

شوق سے جور کئے جائیں وہ، اربابِ وفا — خوش بہر حال ہیں عیشِ غمِ پنہاں کی قسم

کافرِ عشق ہیں، نظارۂ خوباں میں ہمیں — سیرِ جنت ہے، ہوس کاریٔ ایماں کی قسم

کیا تھے ہم، ہو گئے اک ساغرِ مے سے کیا ہم — جادوِ گردشِ پیمانۂ گرداں کی قسم

پیکرِ خاکیٔ عشاق بھی ہے صورتِ حال — سر بسر نور، ترے حسنِ درخشاں کی قسم

حسرتؔ اب کیوں ہیں وہ پردے میں کہ مانندِ وفاؔ[1]
ہم نہ دیکھیں گے ہمیں دیدۂ حیراں کی قسم

مانوس ہو چکے تھے ازل ہیں فنا سے ہم — اس انتہا کو جانتے ہیں ابتدا سے ہم

گویا وہ سب سنا ہی تو دیگی وہاں کا حال — کیا کیا سوال کرتے ہیں بادِ صبا سے ہم

دنیا کی نامرادیٔ پیہم کے عذر پر — محشر میں تم کو مانگ نہ لینگے خدا سے ہم

بن کر گدائے عشق گئے تھے، مگر پھرے — سلطان ہو کے یار کی دولت سرا سے ہم

عرضِ کرم سے پہلے ہی لے وہ روزِ وصل — شرمندہ ہوں کہیں نہ تری التجا سے ہم

اس انجمن کے شوق میں جی کا زیاں سہی — اک بار ان کو دیکھ تو لیں گے بلا سے ہم

---

[1] مرحوم حکیم عبدالہادی خاں رامپوری وفاؔ تخلص

کیا کیا ہوس کو آتی ہے خوشبوئے آرزو — آنکھیں جب اپنی ملتے ہیں انکی ردائے ہم
محروم یاں بھی جن کی ہیں عنوان التجا — کہتے ہیں وہ کہ ڈرتے ہیں اہل دغا سے ہم
حسرت خیال غیر سے بیگانہ ہو گئے
النّاظر لکھنؤ — اکتوبر ۲۳ء
مانوس ہو گئے اس نگہ آشنا سے ہم

نغمۂ دف کا حکم عام نہیں — عاشقوں پر یہ کچھ حرام نہیں
ظرف رنداں کی آنہ مالش ہے — بزم ساقی میں دورِ جام نہیں
فتنۂ عشوہ گفتگو سے تری — محشرِ ناز ہے خرام نہیں
جلوہ فرما وہ اب ہوئے بھی تو کیا — کوئی مشتاق زیر بام نہیں
کبھی اقرار ہے کبھی انکار — کچھ تری بات کا قیام نہیں
ہم بھی رکھتے ہیں کس سے چشم کرم — رحم کا ان کے دل میں نام نہیں
کاٹ دی اس نے سب کی قید حیات — ایک نخچیر زیر دام نہیں
کر دیا تم نے پختہ کار ستم — اب کوئی شوق دل میں خام نہیں
سخت عاصی ہے شاد خاطر زہد — کہ ترے کفر غم کی رام نہیں
دل کے جام زمردیں کے لئے — کیا ہے شوق لالہ فام نہیں
عید میں بھی شراب سے انکار
"زمانہ" — دسمبر ۲۳ء
کچھ یہ حسرت صیام نہیں

خیال غیر کو دل سے مٹا دو یا رسول اللہ — خرد کو اپنا دیوانہ بنا دو یا رسول اللہ
تجلی طور پر جس نور کی دیکھی تھی موسیٰ نے — یہاں بھی اک جھلک اسکی دکھا دو یا رسول اللہ
علیؓ آگاہ جس سے ہو کے باب علم کہلائے — وہ رازِ عشق ہمکو بھی بتا دو یا رسول اللہ

حسینؓ ابنِ علیؓ کے صبر نے جسکے قدم چومے | اس میں بھی اس کا حوصلا دو یا رسول اللہ
تمنا ہے محبت کو لقائے غوث الاعظم کی | اسے بغداد کا رستہ دکھا دو یا رسول اللہ
گرفتارانِ باطل ہیں طلب ہے حق نمائی کی | ہمیں عبدالصمدؔ[1] سا رہنما دو یا رسول اللہ

غرض حضرت کو وہابؔ، عبدالرزاقؔ آفرین دوائی ہے

"ہمارم" لکھنؤ ۲۴ دسمبر ۳۳ء

ولا کر مرتبہ انوارؔ کا دو یا رسول اللہ

دشمن شیوۂ وفا شدہ | ایں چہا کردۂ چرا شدہ
کشتم ہمل گیر و عذر مخواہ | کہ سزاوار مرحبا شدہ
شوق مخمور خوابدت، کہ چنیں | شدۂ بے حجاب تا شدۂ
عشق اے شاہدِ عزیزِ مراد | کہ بظاہر بے حیا شدۂ
بہر بیماری ہوس پنہاں (ق) | چارۂ دردِ لا دوا شدۂ
زہدِ ما راز راہِ دور دراز | بہ در قریب رہنما شدۂ

عاشقی پیشہ کردۂ حسرتؔ
شاہ در کسوتِ گدا شدۂ

عاشقوں سے نا روا ہے بیوفائی آپ کی | حد سے بڑھ جائے نہ شانِ کج ادائی آپکی

---

[1] حضرت سید عبدالصمد خدانما احمدی کے مرشدی حضرت شاہ عبدالوہاب لکھنوی فرنگی محل سے حضرت شاہ عبدالرزاق لکھنوی فرنگی محل و حضرت سید عبدالرزاق بانسوی کے ہیں حضرت شاہ عبدالوالی لکھنوی فرنگی محل کے حضرت مولانا انوار لکھنوی فرنگی محلی جن کا باغ مولانا انوار لکھنؤ محلہ دکاب گنج میں مشہور ہے۔

آرزو کے دل پہ آئیں گی نہ کیا کیا آفتیں
در پے انکار ہے نا آشنائی آپ کی

خوبرو ہیں آپ، مانا ہم نے، پھر بھی اسقدر
دیکھئے اچھی نہیں یہ خود ستائی آپ کی

رہ گئی اہلِ ہوس میں، یادگارِ حسن و عشق
ناز برداری ہماری دلربائی آپ کی

مجھ سے اکثر یہ کہا کرتا ہے وہ مخمورِ ناز
دیکھئے نبھتی ہے کب تک پارسائی آپ کی

اک ہمیں تو کچھ نہیں ہیں آپکے طاعت گزار
تابع فرماں ہوئی ساری خدائی آپ کی

کیسے دیکھے کون دیکھے آپ کا نورِ جمال
جان جب ٹھہری ہوئی ہو رونمائی آپ کی

آپ کو آتا رہا میرے ستانے کا خیال
صلح سے اچھی رہی مجھ کو لڑائی آپ کی

برق کا اکثر یہ کہنا یاد آتا ہے مجھے
تنکے چنوانے لگی ہم سے جدائی آپ کی

عرض کرکے حالِ دل کس درجہ ہیں محجوب ہم
دیکھ کر غصے میں صورت تمتمائی آپ کی

شاہِ جیلاںؒ کے سوا مشکل کشا کے واسطے
کون کرتا اور حسرت رہنمائی آپ کی

۷ اکتوبر ۱۹۳۲ء

ہمایوں لاہور — ۱۴ فروری ۱۹۳۳ء

کس قدر دشوار تھی ہم پہ جدائی آپ کی
بارے پھر اللہ نے صورت دکھائی آپ کی

بدگماں کاہے کو ہوتا ہے آپ کا حسنِ غیور
ہم نے کیوں تصویر آنکھوں سے لگائی آپ کی

نے نوازِ عاشقی نے نغمہائے حسن میں
بارہا آواز کانوں کو سنائی آپ کی

شکوۂ غم کرکے نادم ہے بہت پاسِ وفا
یعنی ہم نے کس لئے غلطی جتائی آپ کی

فرق اور فرقِ زمین و آسماں آیا نظر
شکل جب تصویرِ یوسف سے ملائی آپ کی

بھول بیٹھے تھے الٰہی کیا کریں اس دل کو ہم
ہجر میں کچھ یاد جس دل نے دلائی آپ کی

مجھکو جو آئی ہے وہ لا رہی ہے خوشبوئے حسن
ورنہ کوشش عطر میں کس نے بسائی آپ کی

رشک جب دیکھا کہ غیروں سے بڑھایا آپنے
رفتہ رفتہ ہم نے بھی چاہت گھٹائی آپ کی

۷ اکتوبر ۱۹۳۲ء ... داستان لاہور ... فروری ۱۹۳۳ء

آپ بھولے آپکی صورت بھی بھولی اک مگر
دل سے کب تصویر غم ہم نے مٹائی آپکی

دل کہ مالا مال غم تھا، کتنی بیدردی کیساتھ
ہم نے رو رو کر وہ شب دولت لٹائی آپ کی

جس سے حسرت ہو گئی زیر و زبر بزم سماع
کس قیامت کی غزل مطرب نے گائی آپکی

شوق پر ابتک نہیں ثابت دکھائی آپکی
کس قدر ہشیار ہے بے اعتنائی آپکی

آپکے عاشق تھے ہم حوروں پہ کیسے کرتے نظر
اہل جنت سے قسم آنکھوں نے کھائی آپکی

شوق کو مجبور ہو کر چھوڑ دینا ہی پڑا
جب کلائی ناز کی سے تھرتھرائی آپکی

آپکو اس کی خبر کیا، آپ تھے مصروف خواب
رات بھر زنجیر در کس نے ہلائی آپ کی

آپ کے وعدے کی شب کھا کر فریب آرزو
سیج کس کس شوق سے ہم نے سجائی آپکی

رشک سے مٹ مٹ گئے ہم دیکھ کر گرم نظر
غیر نے محفل میں جب انگلی دبائی آپکی

گلشن امید میں چلنے لگی باد مراد
یا سواری میرے دروازے پہ آئی آپ کی

سادگی ظاہر کی ہے یا طبع ہے کتنی ہوشیار
بھید کی بات آج تک ہم نے نہ پائی آپکی

قتل کرنے کے مجھکو کہتے ہیں وہ کس کس ناز سے
یہ تو ہم نے صرف چاہت آزمائی آپ کی

کس قدر رہ رہ کے خوش ہے لوٹ کر باد شمال
جب دکن سے آئی بوئے حسن لائی آپکی

حسرت اس کوچے کا پھیرا روز روز اچھا نہیں
رنگ لائے گی کسی دن یہ گدائی آپ کی

نگار، بھوپال — فروری ۲۴ء

نازش کرتی ہیں رنگینیاں کب اپنے مضمون سے
عیاں تر ہے یہ اس جان جہاں کے عشق موزوں سے

الله دیکھے تو کوئی حسن لیلائے تصور کا
قیافہ شوق کا ملنے لگا تصویر مجنوں سے

بھلا اس دل کو یاد و خواہش درماں سے کیا نسبت
بنا ہیں جسکو دیوانہ محبت کے وہ افسوں سے

بلا رے کثرتِ عشاق سے تا حق ہے بیزاری — شکایت کیجئے اپنے جمالِ روز افزوں سے
غرور اپنا نہیں بیجا کہ نسبت ہے برابر کی — تمہاری زلفِ ابتر کو ہمارے بختِ واژوں سے
نمایاں ہیں ترا الی سرخیاں حسن و محبت کی — ہماری چشمِ پرخوں سے ترے لبہائے میگوں سے

چمن میں جوشِ گل کی کھنچ گئی تصویر جب حسرت
ملی ساغر کی سبزی سرخیِ لبہائے گلگوں سے

عقدہ وصالِ یار کا حل ہو تو جانیئے — خوف و خلوص علم و عمل ہو تو جانیئے
گھبرا کے روح کہتی ہے روزِ فراقِ یار — اس نامراد آج کی کل ہو تو جانیئے
تمکین و قہرِ یار میں مشکل ہے امتیاز — غصے سے ابروؤں پہ جو بل ہو تو جانیئے
رہتی یوں تو غیر سے روز ان کی چھیڑ چھاڑ — کچھ واقعی بھی ردوبدل ہو تو جانیئے
تاریکیِ فراق پہ نورِ خیالِ یار — شامِ ابد سے صبحِ ازل ہو تو جانیئے
کیونکر کھلے ہوئے ہیں وہ کس بات پر خفا — کچھ بھی جو بے رخی کا محل ہو تو جانیئے

حسرت یہ رنجِ ہجر یہ قید اور یہ جورِ غیر
اس کشمکش میں آج غزل ہو تو جانیئے

مشاہیر بدایوں — نومبر ۲۳ء

من تو سے پریت لگائی کنھائی — کاہو اور کی سرت اب کاہے کو آئی
گوکل ڈھونڈھ بندرابن ڈھونڈھو — برسانے لگ گھوم کے آئی
تن من دھن سب وار کے حسرت — متھرا نگر چل دھونی رمائی

زمانہ کانپور — اکتوبر ۲۲ء

مخمس ہندی اردو فارسی عربی

کا سانجھ سکار کی بات کہی — کچھ فکر نہ شام و سحر کی رہی

دل گشت مرا زیں جملہ تہی ! الصبح بدا من طلعتہ

واللیل دجے من وفرتہ

اور ان سے ہوئی نہ یہ ہوئے کبھو کچھ فرق نہیں اس میں سر مو

زا جانت او یہ ارادت او سعت الشجر و نطق الحجر

شق القمر و باشا تہ

کہاں کہہ کے بلائے کون گوا کچھ بھی نہ کھلا حسرت بخدا

در پردہ چہ شد بہ شب اسرا فاق الرسلا فضلاً و علا

فالعز لنا با جابتہ

شوکت بمبئی ۱۳/اپریل ۴۲ء

32

دیوانِ حسرتؔ

موہانی

حصۂ نہم

جس میں حسرتؔ موہانی کی وہ کل غزلیں درج ہیں جو
مقام ایرودا جیل تکمیل حصۂ ہشتم کے بعد آخر سنہ ۱۹۲۳ء تک لکھی
گئیں۔

مرتبہ

مرحومہ بیگم حسرتؔ موہانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

ان میں دیکھا جو ماجرا دیکھا — کیا بتائیں کسی سے کیا دیکھا
ہم نے غیرت کو بھی کرم سے ترے — بارہا محو التجا دیکھا
حال میرا خراب ہے کہ نہیں ! — آج تو آپ نے بھی آ دیکھا
کوئی دنیائے حسن میں اے شوق — تو نے ان سا بھی دلربا دیکھا
اہل علم آئے سب غیر نظر — اک تھیں صورتِ آشنا دیکھا
نہ بچا اس نگاہِ ناز سے دل — ہم نے سو سو طرح چھپا دیکھا
بزم ساقی میں جوشِ مے کا مزا — آج رندوں نے خوب اٹھا دیکھا
تو کسی کا نہیں تجھے ہم نے — خوب اے شوخ بے وفا دیکھا

غیر جانا انہیں سو کیوں حسرت
عشق کو حسن سے جدا دیکھا

عالمگیر لاہور — اپریل ۳۲ء

ہر گھڑی وردِ لبِ شوق ہے افسانہ ترا — بے خبر تیرے سوا سب سے ہے دیوانہ ترا

مستیٔ حسن کو درکار ہے اے دیدۂ عشق — دل کہ لبریزِ مئے شوق ہے پیمانہ ترا

کتنے دل ہیں ترے قابو میں نہ ہے شانِ جمال — جا ہے کلمہ جو پڑھے شوکتِ شاہانہ ترا

حسنِ جاناں سے یہ کہتا ہے مرا شہرۂ عشق — دور پہنچا ہے مرے نام سے افسانہ ترا

بے خرد ہو کے محبت کی بدولت اے عقل — نام بھی اب نہیں لینا دلِ فرزانہ ترا

پایۂ عرش کو از خود نہیں جنبش اے دل — دیکھ پہنچا ہے کہاں نعرۂ مستانہ ترا

فکرِ کونین سے بیگانہ ہوا تو حسرت
خوب ٹھہرا غمِ جانانہ سے یارانہ ترا

ترے حسن کا دور دورہ رہے گا — نہ میرا یہ جوشِ تمنا رہے گا

مگر سالہا سال بعدِ فنا بھی — زمانے میں دونوں کا چرچا رہے گا

نہ سرمایہ داروں کی نخوت رہیگی — نہ حکام کا جورِ بے جا رہے گا

زمانہ وہ جلد آنیوالا ہے جس میں (ق) — کسی کا نہ محنت پہ دعویٰ رہے گا

یہ سب لیکے مال و دل و جان و ایماں — ترا پھر بھی ہم پہ تقاضا رہے گا

مرے شوق کا ہے جو مضطر ابھی سے — بھلا وصل میں کیا ٹھکانا رہے گا

دلِ زار اب اپنے پہلو میں ہرگز — نہ تھامے رہے گا نہ دابا رہے گا

جو مٹ جائے گا ہو کے خاک اس گلی میں — وہ اچھا رہا ہے وہ اچھا رہیگا

اسے کیا ہو پروائے محشر جو تیرا — بدستور محوِ تماشا رہے گا

وہ حسن و محبت ہیں یکساں کامل — وہ دونوں کی آنکھوں کا تارا رہے گا

ترے عشق میں دعوئ صبر حسرت — ابھی تک بھلا کیا رہا کیا رہے گا

صوفی، پنجاب — فروری ۲۶ء

۵ فروری ۲۶ء

کوچہ اس فتنۂ دوراں کا دکھا کر چھوڑا
دل نے آخر ہمیں دیوانہ بنا کر چھوڑا

پردہ ہم سے وہ جو کرتے تھے نہ کرنے پائے
شوق بیباک نے اس کو بھی اٹھا کر چھوڑا

بزم اغیار میں ہر چند وہ بیگانہ رہے
ہاتھ آہستہ مرا پھر بھی دبا کر چھوڑا

تجھ سے ملنے پہ کسی کی ہمیں پروا نہ رہی
سب کو دنیا میں تری یاد لگا کر چھوڑا

ان کے آنے کی خبر سن کے تمنا نے مری
دل میں شوق کا طوفان بپا کر چھوڑا

لطف ماضی کی جو کچھ یاد تھی باقی دل میں
اس کو بھی تیرے تغافل نے مٹا کر چھوڑا

مجھ کو معلوم ہے پیمانہ مے میں ساقی
تو نے جو کچھ کہ مری آنکھ بچا کر چھوڑا

دامنِ حسن ترا خونِ شہادت نے مرے
عطر خوشبوئے محبت میں بسا کر چھوڑا

[illegible]

مرگ حسرت کا بہت رنج کیا آخر کار
اثرِ عشق نے ان کو بھی رلا کر چھوڑا

"ہزار داستان" لاہور — مارچ ۴۲ء

مستزاد ہندی دو قافیتین

کاہے کبھی نہیں چین ہماری بنا — روئے کٹے ساری رین مراری بنا
کوؤ جتن جیا دھڑکے نہ دھائے
نیند نہ آوے نین لگ دھاری بنا
دیکھ سکھی کوؤ چلت ناہیں — اس حسرت ہی گیں بہاری بنا

انکی محفل میں پا کے جام شراب
کام اپنا ہوا بنام شراب

ہو رہے ہیں مرے لئے کیا کیا
بزم ساقی میں اہتمام شراب

میکدے سے گیا نہ کوئی بیہوش — اے خوشا حسنِ انتظامِ شراب
محتسب سے بھی فصلِ گل میں لیا — ہم نے لڑ بھڑ کے اذنِ عامِ شراب
بڑھ گئی سبزیٔ چمن میں کچھ اور — رونقِ حسنِ لالہ فامِ شراب
روک دیں گے عبادتِ شبِ شیخ — رندیوں لیں گے انتقامِ شراب
خوب غفلت میں ہو رہے ہیں بسر — دن صبحِ طعام و شامِ شراب
دین و دنیا کو بھول بھال کے ہم — ہو گئے فائز المرامِ شراب

میکدوں سے پہنچ گئے حسرت
خانقاہوں میں بھی پیامِ شراب

۵ دسمبر ۳۲ء — "اودھ اخبار" لکھنؤ — ۲۴ فروری ۳۳ء

خود بینیٔ تو بسکہ بہ تمکیں برابر است — فریادِ من بہ شکوۂ رنگیں برابر است
آئندہ وعدہ ہائے وصالِ تو شوق را — در تازگی بہ لطفِ تحسیں برابر است
کفر گرت خوش آید از ایمان شدم نفور — پیشِ من ارمغانِ دل و دیں برابر است
اظہارِ امتنانِ تو بہ ترکِ عشقِ من — در پردہ با نہایتِ نفریں برابر است
پائینِ بزمِ عیشِ توام گوشۂ بہ خاک — با صد ہزار بستر و بالیں برابر است
تاریک بختِ من کہ مرا ناز ہا بر دست — با گیسوِ سیاہ خودت بیں برابر است

حسرت برائے بلبلِ ناکام در چمن
شکرِ بہار و شکوۂ گلچیں برابر است

۵ دسمبر ۳۲ء — مشرق گورکھپور — ۲۳ فروری ۳۴ء

دل از صدمۂ ہجر پر خوں نماید — سرشکِ غم از طرفہ گلگوں نماید
بچشمِ تمنا ایم آں شوخِ رعنا — نماید بہ حسنِ دگر چوں نماید
بہ بزمِ تو ہر دو دو ساغر بہ رنداں — بہ تاثیر یک دو دگر گوں نماید

عجب چیست گر مثل خود حسنِ زدت | مرا شوق ہم روز افزوں نماید
کلامت کہ سرتا سر اعجاز باشد | بہ اہل ہوس نیز افسوں نماید
جمالے کہ از عشقِ تو دام گیرد | سخن صرفِ نزئین مضموں نماید
زہے حسن و تصویرِ خویش کہ حسرتؔ
ہمایوں لاہور — مارچ ۴۲ء
زلیلیٰ رباید بہ مجنوں نماید

بیانِ لطف و عہدِ وفا را نگاہدار | جاں ہا کہ رامِ تست خدا را نگاہدار
پنہاں بگو سے حرفِ محبت باطل شوق | غمازیِ نسیم و صبا را نگاہدار
اظہارِ لطف تو بہ ہوس پیشگاں خوش است | حسرت پسندیِ دلِ ما را نگاہدار
از آہِ بیقرارِ دل آرزو گماں جرس | تاثیرِ اضطرابِ دعا را نگاہدار
در خوردِ سرزنش بتو دجرمِ عاشقی | عذرِ وفا پذیر و سزا را نگاہدار
در پیش تست مرحلۂ خونِ عاشقاں | شمشیرِ ناز و تیغِ ادا را نگاہدار
چوں بندۂ غم تو بہر حال خوش دل است | از دردِ او مپرس دوا را نگاہدار
دشنام ناز خویش با غیار صرف ساز | تکریم اہلِ صدق و صفا را نگاہدار
زنہار اگر زحسنِ بخواہی مرادِ عشق
سلطان الاخبار — ۱۹ مئی ۴۲ء
حسرت اصولِ فقر و فنا را نگاہدار

میہمان اور میہمان عزیز | کون رکھے گا تم سے جان عزیز
دل ہے مانوسِ درد، ہے گویا | قیدیوں کو نگاہبان عزیز
عاشقوں کی خبر اب حالی کو | دکھ نہ ظالم خدا کو مان عزیز
ہم بھی گرویدۂ شہادت ہیں | آپ کو ہے جو امتحان عزیز

رہ کے انسے درد و لطف زیست کیساں
جان کے ساتھ ہے جان عزیز

اک ملا ہیں اپنے سر سے ہیں بیزار
ورنہ کس کو نہ ہو گی جان عزیز

مشرق گورکھپور
کس قدر گوش یار کو حسرت
۱۱ مارچ ۱۹۴۳ء
ہے ترے غم کی داستان عزیز

دشمن ہر عاقل و فرزانہ باش
اے دل اندر عاشقی دیوانہ باش

ہم نشیں، بازم حدیث لطفِ یار
گو مے و بہر مرا آں افسانہ باش

دردِ عشق اے میہمانِ جانِ من
باش و وجہ رونقِ ایں خانہ باش

التفات از من مجو در بزم غیر
بیرخی ورزو تو ہم بیگانہ باش

الاسلام لاہور
ساقیا جامے بہ حسرت نیز ہم
مارچ ۱۹۴۳ء
کامرانِ شیشہ و پیمانہ باش

جیتے ہیں درد محبت کے سہارے عاشق
عاشق عشق بھی ہیں حسن کے مارے عاشق

آ گئی کس کے جمالِ عرق آلود کی یاد
رات بھر گنتے رہے ہجر میں تارے عاشق

تمہیں انصاف کرو تم سے جدا رہ کے بھلا
عمر آرام سے کس طرح گزارے عاشق

آزمایا ہے کبھو تم نے کسے میرے سوا
نام ہی نام کے ہیں اور یہ سارے عاشق

اس نے دیکھا بھی نہ محفل میں بلانا تو کجا
رہ گئے دور کر کے اشارے عاشق

اب اٹھاؤ بھی کہیں پردہ بہت آج تلک
کر چکے چشم تصور سے نظارے عاشق

انقلاب لکھنؤ
قدرِ حسرت انہیں کب جا کے ہوئی ہے کہ ہوئے
۱۶ مئی ۱۹۴۳ء
وہ بھی اک شوخ جفا کار پہ بارے عاشق

رنج بیجا یہ کیا ہم نے جو اظہار ملال
ان کے چتون سے عیاں پھر ہوگئے آثار ملال

حال اس خوف سے ہم کہہ نہیں سکتے اپنا | کہ مبادا ہو ترا دل بھی گرانبارِ ملال
وہ جو بگڑے تو بنی حسن کی تصویرِ غضب | گلِ تازہ ان کے ہوئے طرۂ دستارِ ملال
اپنی محفل میں علی الرغم عدو کرکے طلب | مجھ کو ناحق وہ بناتے ہیں گنہگارِ ملال
تارکِ عشق ہوئے پھر بھی نہ چھوٹا غمِ عشق | عمر بھر دل میں کھٹکتا ہی رہا خارِ ملال
چھپ سکے گا نہ چھپائے سے کبھی دل کا غبار | کب تلک آپ کیے جائیں گے انکارِ ملال

روٹھ کر مِن بھی کہیں جلد وہ جائیں حسرتؔ
کہ سنائیں انہیں ہم جا کے یہ اشعارِ ملال

شوکت بمبئی — ۱۲ر فروری ۴۲ء

پیشِ او سجدہ عاشقانہ کنیم | کثرتِ شوق را بہانہ کنیم
شرحِ جور و جفائے یار و سپہر | پردۂ شکوۂ زمانہ کنیم
دست بردار از دعا شدہ ایم | کہ غمت را نہ زاں نشانہ کنیم
گلہ و شکوہ ہائے ما چہ کنی | لطف را خوئے گیر تا نہ کنیم

حسرت از گمرہاں شویم اگر
فرق بیگانہ و یگانہ کنیم

دین دنیا کلکتہ — ۲۲ مئی ۴۲ء

لطف و کرم کی راہ ہے اے جانِ عاشقاں | رہ جا کبھی تو آن کے مہمانِ عاشقاں
ہر ہر قدم پہ راہِ وفا میں ہے خوفِ جاں | گر ہو نہ لطفِ یار نگہبانِ عاشقاں
سچ پوچھیے تو حسن سے کچھ کم نہیں ہے عشق | یہ جانِ عاشقاں ہے وہ جانانِ عاشقاں
رنگینیٔ سرشکِ محبت کے حسن سے | داماںِ عاشقاں ہے گلستانِ عاشقاں
خلقِ خدا ہے گوش بر آوازۂ جمال | مانیں گے اب بھی آپ نہ احسانِ عاشقاں
ہم کو گمانہ جان کہ اے سرفرازِ ناز | افتادگی ہے شیوۂ شایانِ عاشقاں

نورِ خیالِ یار سے روشن ہی سر بسر — یا وصفِ ظلم ہجر شبستانِ عاشقاں

لیتے ہیں آرزو کا یہیں آ کے سب سبق — گویا ہے بزم یار دبستانِ عاشقاں

لکھتا ہوں مرثیہ نہ قصیدہ نہ مثنوی

زمانہ کانپور — مئی ۱۹۰۴

حسرت غزل ہے صرف مری جانِ عاشقاں

یک رہ بہ دیارِ غم گذر کن — بر خانۂ خرابیم نظر کن

از فتنۂ آہ دردمنداں — ایمن چہ نشستہ خطر کن

گاہے بہ مزارِ من گر آئی — پوشیدہ ز خلق چشم تر کن

فریاد مکن ز دست جورش — یا اے دلِ زار بے اثر کن

گاہے شبِ غم بہ یادِ لطفش — گاہے با میداں سحر کن

خاکِ درش از رہِ عقیدت — بر داشتہ سرمۂ نظر کن

حسرت نہ لباس عقل بہ گذر

"نظارہ" لاہور — مئی ۱۹۲۲

رہ کسوتِ عاشقی بہ بر کن

آرزو لازم ہے وجہ آرزو ہو یا نہ ہو — التفات اس کافر خود بیں کی خو ہو یا نہ ہو

دیکھنا ہے حضرتِ دل ہم سے انکے روبرو — آپ کے بارے میں بھی کچھ گفتگو ہو یا نہ ہو

چاہتے ہیں وہ چمن میں کثرتِ حسنِ گلاب — موتیا، بیلا، چنبیلی تازہ بو ہو یا نہ ہو

ہم سے کہتے ہیں، کریں گے آج اظہارِ کرم — اس سے کچھ مطلب نہیں محفل میں تو ہو یا نہ ہو

اب کسی کو اور چاہیں گے نہ ہم تیرے سوا — حسن کی دنیا میں تجھ سا خوبرو ہو یا نہ ہو

کوئے جاناں میں صلوٰۃ عشق پڑھنے کیلئے — دیکھئے اب شہادت سے وضو ہو یا نہ ہو

ان سے نوبت لڑ کے پھر ملنے کی آ نہ آ رہے — چاک دامانِ تمنا اب رفو ہو یا نہ ہو

بیشِ حسنِ یار بے پروا زبانِ شوق ہو　　شرحِ احوالِ محبت مو بہ مو ہو یا نہ ہو

شغلِ مے حسرتؔ ہے روزِ ابر و باراں میں ضرور
صحنِ گلزار و کنارِ آب جو ہو یا نہ ہو

نذرِ چھپی نظرِ لکھنؤ
اپریل ۱۹۴۲ء

جس فتنۂ دوراں کو ابھی آئے تھے کل دیکھ　　چلتے ہیں لیے پھر تجھے اے دل وہیں چل دیکھ
یہ بھی ہے کوئی بات کہ وعدے ہی کیے جا (ق)　　اور حال مرا آن کے دیکھ آج نہ کل دیکھ
برگشتہ مرے بخت پہ کر طعن ہزار دل　　اور زلف کا اپنی نہ تو خم دیکھ نہ بل دیکھ
کیا کیا شبِ غم دل ہمیں دیتا ہے تسلی　　اب جلد ہی آنے کو ہے پیغام اجل دیکھ
دیکھیے ہیں کب اے شوخ ترے ناز کے انداز　　تیور نہ یہ بدلے ہیں نہ بدلیں گے بدل دیکھ
دل کو مرے قابو میں دبا کر وہ بصد ناز　　بولے کہ نہ دیوانہ بن اتنا بھی سنبھل دیکھ
کاکل میں کبھی اب سیر کریں شامِ ابد کی　　عارض میں ترے خوب رہے صبحِ ازل دیکھ

اے وہ کہ تجھے شوق ہے تحسینِ سخن کا
میرا جو کہا مان تو حسرتؔ کی غزل دیکھ

معیارِ سخن مالیگاؤں
مئی ۱۹۴۲ء

خبر کیا تھی ترے عزمِ سفر کی　　روانی رک بہ چکی اب چشمِ تر کی
وہ عاشق تجھ سے پہلے تھے کہ ان کو　　خبر تھی میرے شوقِ بے خبر کی
مری محرومیوں کا حال سن کر　　انہیں اب فکر ہے رد اثر کی
رہے وہ محفلِ افروزِ رقیباں　　شبِ غم ہم نے رو رو کر بسر کی
نظیر اس کوے دلکش کا نہ پایا　　بہت کچھ سیر دیکھی بحر و بر کی
ہوس ہیں بہت نازانِ اکسیر　　کہاں ہے خاک ان کے رہ گزر کی
بھلا حوروں کی زینت میں یہ مستی　　کہاں سے آئے گی حسنِ بشر کی

وہ ہیں مجبور نازِ دل ربائی — کہے دیتی ہے بے باکی نظر کی
دلِ آگاہ کو اے حسنِ رسوا — تری خواہش نہ کرنی تھی مگر کی
سکونِ یادِ جاناں میں شبِ ہجر — عجب آرام سے ہم نے بسر کی

چلو سوئے عدم تک تم بھی کہ حسرتؔ
وہیں کچھ قدر ہے اہلِ ہنر کی

"حور" کلکتہ — ۲۳ر مئی ۲۴ء

صحیفہ انقلاب ۲۳ر ستمبر ۲۸ء

گلشن میں نہ دل بلبلِ ناکام لگائے — پنہاں یہیں صیاد بھی ہے دام لگائے
یہ بات عجیب عادتِ انساں میں ہے داخل — تقدیر کا خود کر کے خطا، نام لگائے
اک سمت کہیں بزمِ طرب میں کوئی مسرور — ہونٹوں سے ہے جامِ مئے گلفام لگائے
اور ایک طرف بسترِ غم پر کوئی مہجور (ق) — چھاتی سے پڑا ہے دلِ ناکام لگائے
مسجد میں کہیں محوِ عبادت ہیں زاہد — جنت کی دلوں کو طمعِ خام لگائے
بیٹھا ہے کہیں راہ خراباتِ مغاں میں (ق) — دکانِ ہوس کوئی مئے آشام لگائے

ہر حال میں راضی بہ رضا ہم ہیں کہ حسرتؔ
کیا دخل جو ان پر کوئی الزام لگائے

سیاست لاہور — ۱۹ر مئی ۲۴ء

کوششِ وصالِ یار کی معذور ہو چکی — اب ہم سے خدمتِ دلِ رنجور ہو چکی
عرضی جنابِ حسن میں بھجوا کے شوق کو — ہر دم ہے اب یہ سوچ کہ منظور ہو چکی
لے کر چلی ہے مغفرتِ حق ہمیں کہاں — جنت میں ہم سے عاشقیٔ حور ہو چکی
تاریکیٔ لحد میں ہے درکار نورِ عشق — کافی فقط سپیدیٔ کافور ہو چکی
دستور کے اصول مسلّم ٹھہر چکے — شاہی بھی رامِ غلبۂ جمہور ہو چکی
سرمایہ دار خوف سے لرزاں ہیں کیوں نہ ہو — معلوم سب کو قوتِ مزدور ہو چکی

رباعی در وصف توفیق الٰہی

ہو کر ہی رہا ہمیشہ میرا چاہا
جب، جو مرے دل نے اس سے چاہا چاہا
توفیق اسے کہتے ہیں کہ چاہا بھی وہی
میں نے جو کچھ اس نے مجھ کو دینا چاہا

"زمیندار" لاہور ۵ ؍ مئی ۲۴ء

اور آپ اس سے چاہتے کیا ہیں سولے سوز

ذوصوفی، پنجاب — فروری ۴۲ء

حسرت یہ تاز عشق ہے، یہ نور ہو چکی

منحصر وقت مقرر یہ ملاقات ہوئی — آج یہ آپ کی جانب سے نئی بات ہوئی

ان کا دیدار ہے مشکل سی بھی کچھ بڑھ کے محال — آرزو مفت میں کیوں مورد آفات ہوئی

دل مشتاق میں اک شوق کا طوفان اٹھا — وعدۂ وصل کا دن ختم ہوا رات ہوئی

مذہب عشق میں ناکامی جاوید کی خو — فرض منجملہ احکام عبادات ہوئی

آج تک مثل عدد حق میں ہمارے بھی کبھی — نہ محبت ہوئی ان سے نہ مراعات ہوئی

حسن کی زنگاہی بھی تمنا کے لئے — موجب ناز ہوئی وجہ مباہات ہوئی

دم آخر وہ ملے بھی تو ملے کیا حسرت

شوکت بمبئی — ۱۸ مارچ ۴۲ء

کھیت جب سوکھ چلے اپنے تو برسات ہوئی

شوق کہاں آرزدے شوق ہے — جس سے جہاں مست مے ذوق ہے

وجہ ترے عشق فسوں کار کا — حسن کے رتبے سے بھی مافوق ہے

گردن حسرت میں پئے امتیاز

خوب غلامی کا ترے طوق ہے

کہاں گئے موہے باوری بنائے کے — باوری بنائے کے چھلکیا دکھائے کے

انسون نے بھیج بھئی ہے سگری

رت رنگ بھبھور کا چہری

حسرت کون ہتا سب ہری — آئے منے کہے سے جائے کے

دیوان حسرت

موہانی

حصہ دہم

جس میں حسرت موہانی کی کل غزلیں درج ہیں جو بمقام یرودا جیل
تکمیل حصہ نہم کے بعد آخر مارچ ۱۹۲۴ء تک لکھی گئیں۔

مرتبہ

مرحومہ بیگم حسرت موہانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

دعا میں ذکر کیوں ہو مدعا کا ‏— کہ یہ شیوہ نہیں اہل رضا کا
طلب میری بہت کچھ ہے، مگر کیا ‏— کرم تیرا ہے اک دریا عطا کا
کہاں تک ناز اٹھائے آخر اے حسن ‏— ہوس تیرے مزاجِ خودستا کا
نہیں معلوم کیا اے شاہِ خوباں ‏— تجھے کچھ حال اپنے مبتلا کا
بجا ہے اسم اعظم آپ کا نام ‏— وظیفہ ہے مرا صبح و مسا کا
غضب کا سامنا ہے عاشقوں کو ‏— دیارِ حق میں افواجِ بلا کا
نثار ان پہ ہوئے اچھے رہے ہم ‏— تقاضہ تھا یہی خوئے وفا کا
گنہ گارو چلو عفو الٰہی ‏— بہت مشتاق ہے عرض خطا کا
تری محفل میں اہل دل کو جلوہ ‏— نظر آ جائے گا شانِ خدا کا
اٹھایا ہے مزا دل نے بہت کچھ ‏— محبت کے غم راحت فزا کا

۱۱ - جون - ۸۳

شوکت بمبئی — ۱۵ جنوری ۲۲ء

جفا کو بھی وفا سمجھو کہ حسرت
تمہیں حق ان سے کیا چون و چرا کا

(حاشیہ: جنوری ۲۲ء)

کچھ خوف خدا کا ہے نہ ڈر خلقِ خدا کا
کیا آئے خیال ان کو شہیدانِ وفا کا

خوشبو ترے ملبوس کی لائی ہے کہاں سے
تجھ تک نہ ہوا تھا جو گزر بادِ صبا کا

طولِ شبِ ہجراں میں پریشانیٔ دل پر
طرہ ہے خیال اور بھی اس زلفِ دوتا کا

خطرہ بھی تری خو سے ہے امید کرم کو
عالم ہے شبِ وصل عجب بیم و رجا کا

آکر ترے دربار میں سب ہو گئے یکساں
جھگڑا نہ رہا مرتبۂ شاہ و گدا کا

نکلا نہ کہ وہ خود پئے تعزیر کہ لپکا
پڑ جائے گا عصیانِ محبت کو سزا کا

ہیں ان کے رضا کار بری نوٹ طلب سے
کوئی بھی ہو جو ان میں گنہگار دعا کا

آسان ہے مشکل بھی ترے شوق کی منزل
اس راہ میں کچھ کام نہیں راہنما کا

سر ہے انہیں مطلوب تو دو شوق سے حسرت
اس امر میں کچھ دخل نہیں چون و چرا کا

معارف اعظم گڈھ — جولائی ۲۲ء

جرم کو دید کا سبب نہ کیا
تم نے یوں بھی ہمیں طلب نہ کیا

پابوسی کی دھن میں وصل کے دن
شوق سے انتظارِ شب نہ کیا

شکرِ غم نے کبھی ہمیں صد شکر
گردِ بادۂ عنب نہ کیا

ہم نے کیا جانے اسکو سجدہ کہ شوق
کب کیا بیخودی میں کب نہ کیا

رحم آیا انہیں بھی آخر کار
سن کے ہم نے بھی کچھ عجب نہ کیا

تو نے خم سے ہمیں کبھی ساقی
سینہ بر سینہ لب بہ لب نہ کیا

شکوہ سنجِ الم ہوئے حسرت
ستمِ یار کا ادب نہ کیا

(حسن و عشق ... فیض آباد)

قدموں پہ انکے رکھ کے سر رفعِ ملال کر دیا ۔۔۔ ہمتِ عذر خواہ نے آج کمال کر دیا

دور ہم ان کی بزم سے جیتے رہے تو کیا رہے ۔۔۔ آہ وہ زندگی جسے غم نے وبال کر دیا

مجمع اہل شوق کا عذر بھی تم نے کچھ سنا ۔۔۔ یا یونہی از رہِ جفا حکمِ قتال کر دیا

چاہو اگر تو دیکھ تو حق کو انہیں میں دوستو ۔۔۔ جس نے کہ عشق و حسن کو اپنی مثال کر دیا

دل سے کبھی جو سرسری آہ وہ پر اثر ہوئی ۔۔۔ شوق سے جب خبر ہوئی سقال کو حال کر دیا

گنجفہ کھیلتے ہوئے آپ سے ہار ہم گئے ۔۔۔ اور انہیں کیا خیال ہے! ہم نے قلال دیا

کرنے لگے نہ پا کے خوار حسرتؔ انہیں بھی ہم سے عار
جن پہ کہ ہم نے شب نثار مال و منال کر دیا

[illegible]

شکوہ اس دلستاں سے کچھ نہ ہوا ۔۔۔ ہمتِ عاشقاں سے کچھ نہ ہوا

یارشِ لطف و رحم حق کے بغیر ۔۔۔ کوششِ مرزباں سے کچھ نہ ہوا

مار ڈالا شکستہ حالوں کو ۔۔۔ یہ تو اس جانِ جاں سے کچھ نہ ہوا

عاشقی میں پئے حصول مراد ۔۔۔ دانشِ کارواں سے کچھ نہ ہوا

نہ کرم یار پر نہ ہم پہ ستم ۔۔۔ اس تغافل نشاں سے کچھ نہ ہوا

لو وہ دامن چھڑا کے چل بھی دیئے ۔۔۔ عاشقِ ناتواں سے کچھ نہ ہوا

عشق نے کی گدازِ دل کی سبیل ۔۔۔ جب غم دوجہاں سے کچھ نہ ہوا

تم جو اپنے شریکِ حال رہے ۔۔۔ گردشِ آسماں سے کچھ نہ ہوا

ان کو جی بھر کے دیکھ بھی نہ سکا
حسرتِ بدگماں سے کچھ نہ ہوا

سلطان الاخبار بمبئی ۔۔۔ ۲۵ جون ۴۳ء

بنہاں شدنت دو گونہ شد خوب ۔۔۔ اے روئے تو بے نقاب محجوب

بلبشت چہ سود، گرم شمارند | در زمرۂ بندگانِ معتوب
[illegible]
ما گام زنِ صراطِ عشقِ مستقیم | دور از رہ ضالّین و مغضوب

یا بے خبرانِ ہوشیاریم اق، | منجملہ سالکانِ مجذوب

منتِ کش دیگراں مخواہش | آنرا کہ بتو شدہ است منسوب

بوسیدہ کفِ تو گشتِ لرزاں | از من بہو لے شوقِ مکتوب

حسرتؔ یہ غزل جو شمس تبریز

معارف اعظم گڑھ — فروری ۱۹۲۱ء

با شد سخن تو نغز و مرغوب

کیا کیا ہوئی ان کے غم رسوا سے ندامت | رکھنے جو لگے سر پہ مرے تاجِ کرامت

جلوہ ہے نظر سوز ترا سب کو خبر ہے | دیکھوں تری جانب کو مری آئے جو شامت

ہر شے کی ہے دنیا ہے تمنا میں گرانی | ہاں ایک جوار زاں ہے تو کالائے ملامت

کوشش تو بہت کی مگر اس شاہِ ادب سے | دل کو نہ ملی صوبۂ تمکیں کی نظامت

ہے کفرِ محبت کا یہی حال تو شاید | بڑھ جائے گی سب سے مرے نامے کی ضخامت

تجھ کو بھی خبر کچھ ہے کہ اے فتنۂ دوراں | کیا کیا ترے قامت نے بپا کی ہے قیامت

حسرتؔ ہی پہ موقوف نہیں کوئے بتاں سے

لے جا نہ سکا کوئی بھی ایماں سلامت

لطفِ تو گر اختیارِ ما نیست | سرمایۂ اعتبارِ ما نیست

نازم چو بہ عشق حسنِ گوید | آں کیست کہ جاں نثارِ ما نیست

از درد و الم کجاست چیز ے | کاندر دل و جاں رازِ ما نیست

اے بادۂ نابِ عشق بوئے | جز بوئے تو خوشگوارِ ما نیست

پیوستہ پیام سوز حیاں را | از کیست اگر ز یار ما نیست
نوعے ز کمال عشق بیروں | از حیطۂ اقتدار ما نیست

حسرت بدرش رسیدہ تازہ!
کایں شانِ خدا ست کار ما نیست

السلام اے شہ بشیر و نذیر | داعی و شاہد و سراج منیر
آرزو ہے کہ نام پاک حضور | کاش ہو درد زباں ہو وقت اخیر
بہ طفیل صغیر ذرۂ عشق | محو سارے ہو گئے گناہ کبیر
تم نے کیوں کر کیا دلوں کو شکار | ہے بہ ظاہر کمان پاس نہ تیر
اب نہیں حسن کو لگاوٹ سے لاگ | کر گئی کام شوق کی تاثیر
کوچۂ یار میں ہیں سب یکساں | بادشاہ و گدا امیر و فقیر
نالۂ دل میں تھا غضب کا اثر | مل گئی جس سے عرش کی زنجیر
دلِ عاشق ہے سوز جاں کا ہلاک | جانِ عاشق ہے درد دل کی اسیر

روٹھ کر اب وہ من چکے حسرت
بن چکی تم سے وصل کی تدبیر

ہم کہیں تاکجا حدیث نیاز | جب سنیں بھی کہیں وہ دلبر ناز
عشق طاقت گذار ہو کہ نہ ہو | حسن ہر حال میں ہے بندہ نواز
رہ گئے ذات حق میں ہو کے فنا | اب نہ ہم ہیں نہ دل نہ سوز نہ ساز
دولتِ آرزو سے مالا مال | دلِ عاشق ہے اک دفینۂ راز
خونِ دل سے وضو کریں تو کہیں | ہیں پڑھے عاشقوں کی جا نماز

ہند و ایراں ہیں خاص مسکنِ عشق — ماورائے عراق و شام و حجاز

دیکھئے دل پہ کیا بنے حسرتؔ
عشوہ گر حسن عشق ہے جانباز

ے سکر گل رہے دلِ بلبل کہاں تلک — اے ساقی بہار تغافل کہاں تلک

ہم سے گناہ گار بھی جنت میں جائینگے — کام آئے گا نہ ان کا توسل کہاں تلک

دبیر نغمہ سنج ترقی ہے۔ غافلو ہاں — تقدیر نوحہ خواں تنزل کہاں تلک

ے دل کر اختصار کہیں داستانِ عشق — ان کو رہے گی یاد بھلا کل کہاں تلک

آخر مزید رنج شمیمؔ و عزیزؔ پر
حسرتؔ خیال برقؔ و تجملؔ کہاں تلک

حسن کے ہم ہلاک دید بھی ہیں — یعنی شاہد بھی ہیں شہید بھی ہیں

خانہ زادِ جفائے مختص دوست — طالبِ شدتِ مزید بھی ہیں

باوجودِ علائق کثرت — عصر توحید کے وحید بھی ہیں

ہوش گم کردہ سبیل رشاد — عقل کے پیر و مرشد بھی ہیں

کامیاب مرادِ غم حسرتؔ
شادی شوق کے مرید بھی ہیں

حال کیا ان سے بار بار کہیں — نہ سنیں گے وہ ہم ہزار کہیں

١؎ عبداللہ خاں شمیم باندوی، عزیز اللہ گورکھپوری، عظمت اللہ برق کانپوری
تجمل حسین گورکھپوری مرحوم احباب فقیر حسرت موہانی

دل کے زخموں کا جب حساب نہ ہو — کیا کہیں گر نہ بے شمار کہیں
مر مٹے ہیں اسی لئے کہ ہمیں — شاید اپنا وہ جاں نثار کہیں
مایۂ عیش بھی ہے غم کی خلش — اب اسے گل کہیں کہ خار کہیں
شلۂ خوباں کو وزدِ رہزنِ دل — کیا تجھے اے نقاب دار کہیں
تا کجا یادِ یار سے شبِ غم — قصۂ دردِ انتظار کہیں
روئے جاناں کے عاشقوں کو نہ کیوں — لوگ دیوانہ بہار کہیں
ان کی آنکھیں اگر کہیں، تو غضب — دل کا افسانہ شکار کہیں

۱۳ جنوری ۱۴۲ء

نامرادی مراد ہے حسرت
جب تمہیں خود وہ خامکار کہیں

علیگڑھ میگزین علیگڑھ — جولائی ۱۴۲ء

مجھ کو دنیا سے خوف کید نہیں — میں کہ پابند عمرو زید نہیں
معتبر ہیں دیارِ عشق میں سب — کچھ یہاں نیک و بد کی قید نہیں
منکرِ عشق ہے تو واعظِ شہر — لاکھ عابد بنے عبیث ہے نہیں
سر بسر ہے مری کتاب سیاہ — کوئی گوشہ کہیں سفید نہیں

۱۱ فروری ۱۴۲ء

زید صیاد کے سوا حسرت
اور کچھ آرزوئے صید نہیں

علیگڑھ میگزین علیگڑھ — ۲۳ مئی ۱۴۲ء

لے اردو زبان میں اس لفظ کا تلفظ بائے مفتوح کے ساتھ بھی صحیح سمجھا جاتا ہے
لہذا اگر کسی اور لفظ کے ساتھ یہ ترکیب فارسی مرکب نہ ہو تو راقم کے نزدیک
اس کا قافیہ کید کے ساتھ جائز ہے۔ حسرت۔

ہم حال انہیں یوں دل کا سنانے میں لگے ہیں — کچھ کہتے نہیں پاؤں دبانے میں لگے ہیں

لاکھوں ہیں تری دید کے مشتاق مگر ہم — محروم تجھے دل سے بھلانے میں لگے ہیں

اور ایسے کہاں حیرت و حسرت کے مرقع — اے دل جو ترے آئینہ خانے میں لگے ہیں

کہتا ہے انہیں یہ کہ نہ ہم ہوں گے مخاطب — پر کہتے نہیں زلف بنانے میں لگے ہیں

کچھ ہوس سرو پا کا نہیں، رند خرابات — اٹھی ہے گھٹا دھوم مچانے میں لگے ہیں

قاتل ترے دامن پہ مرے خون کے دھبے — کچھ اور بھی خنجر سے چھپانے میں لگے ہیں

۱۳ / جنوری ۱۹۲۲ء

ہر دم ہے یہ ڈر پھر نہ بگڑ جائیں وہ حسرت

پہروں جنھیں رو رو کے ہنسانے میں لگے ہیں

"عالمگیر" لاہور — جولائی ۱۹۲۲ء

آنکھ تیری بھی تا سحر نہ لگے — عاشقوں کی کہیں نظر نہ لگے

وہ بھی کورنش ہے کوئی جس کیلئے — ان کے قدموں سے جھک کے سر نہ لگے

دیکھیں دل کیا کرے، پتا ان کا — بے نشاں ہو کے بھی اگر نہ لگے

یہ بھی ہے ماننے کی بات کوئی — مر میں ہم تمہیں خبر نہ لگے

کور ہے چشم جاں کو ہاتھ اگر — آپ کی خاکِ رہ گزر نہ لگے

ہمت اتنی دل ہوس میں کہاں — کہ اسے تیری ضد سے ڈر نہ لگے

۱۹ / جولائی ۱۹۲۲ء

شجر شوق ہے تر و تازہ شجر

جس میں حسرت کبھی ثمر نہ لگے

زمیندار لاہور — ۱۱ / جولائی ۱۹۲۲ء

ہر دم رضائے یار سے نزدیک ہم رہے — امیدوار وعدۂ تعطیک ہم رہے

تحریک حریت کو جو پایا قرین حق — ہر عہد میں معاون تحریک ہم رہے

خلق خدا کو مان کے شرکت کا مستحق (ق) — در بابِ ملک منکر تملیک ہم رہے

دشوار تھا بغیرِ یقیں روح کا سکون   اچھا ہوا کہ دشمنِ تشکیک ہم رہے

ہر حال ہر خیال میں ہر اعتبار سے

"الناظر" لکھنؤ   جنوری ۲۴ء

حسرتؔ مطیعِ عشق رہے ٹھیک ہم رہے

آشنا ہو کر نظر نا آشنا کرنے لگے   ہم سے کیا دیکھا کہ تم پاسِ حیا کرنے لگے

رشک آیا ہے مجھے کیا کیا جب ان کے روبرو   مدعیٔ بیباک عرضِ مدعا کرنے لگے

حلقۂ اغیار میں بھی پا کے ان کو گرم لطف   ہم لبِ حسرت سے شورِ مرحبا کرنے لگے

اور تو کچھ بھی نہ ہم سے اس کے آگے بن پڑا   حسنِ خلقِ یار کی مدح و ثنا کرنے لگے

دلربائی کا بھی کچھ کچھ مدعا نہیں آئیگا   بات مطلب کی اشاروں میں ادا کرنے لگے

کون کہتا ہے کہ ہم ہیں مائلِ ترکِ وفا   آپ ناحق اپنے دل کو بد مزا کرنے لگے

۱۲ فروری ۲۴ء

بھول کر حکمِ خدا یادِ بتاں رہنے لگی!

زمیندار لاہور   ۱۱ جولائی ۲۴ء

کیا تمہیں کرنا تھا حسرتؔ آہ کیا کرنے لگے

ترے در کی خاک ہو کر دو جہاں میں نام کرتے   ابھی اور بھی وہیں ہم کوئی دن مقام کرتے

بکمالِ سرفرازی میں شہیدِ ناز ہوتا   جو وہ خنجرِ جفا سے مجھے خود تمام کرتے

نہ کسی نے یہ سمجھایا نہ خود ان کے جی میں آیا   کہ مزارِ عاشقاں تک وہ کبھی خرام کرتے

تجھے دیکھتے ہی بولے کہ یہ کون بے ادب ہے   وہ بھلا سلام لیتے وہ بھلا کلام کرتے

ہمیں کیا ٹھکاتی رہِ شوق کی درازی   کہ تمہیں اگر نہ پاتے سفرِ دوام کرتے

جسے کہتے ہیں اہمسا اک اصولِ خود کشی تھا   عمل اس پہ کوئی کہتا نہ کبھی عوام کرتے

۱۲، ۱۳ فروری ۲۴ء

چلو جان دے کے حسرتؔ ہوئی خوب غم سے فرصت

شوکت بمبئی   ۲ فروری ۲۴ء

وہ کبھی نہ تم سے ملتے یونہیں صبح و شام کرتے

نہ صورت کہیں شادمانی کی دیکھی — بہت سیر دنیائے فانی کی دیکھی
مری چشمِ خونبار میں خوب رہ کر — بہار آپ نے گلفشانی کی دیکھی
تمنا نے اس روئے زیبا کو دیکھا — کہ تصویر حسنِ جوانی کی دیکھی
عجب شوق ہے دستِ ساقی میں ہم نے — صراحی مئے ارغوانی کی دیکھی
نہ ہے رعبِ حسن، ان کے در پہ کسی نے — ضرورت نہ کچھ پاسبانی کی دیکھی
نہ تم سا خوش اخلاق پایا نہ ہم نے — کہیں شانِ یہ دل ستانی کی دیکھی

مجھے کر کے مایوس بولے وہ حسرت
مسرتِ غم جاودانی کی دیکھی

"سیاست" لاہور
جولائی ۲۴ء

درد دل کی انہیں خبر نہ ہوئی — کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی
کوششیں ہم نے کیں ہزار مگر — عشق میں ایک معتبر نہ ہوئی
کر چکے ہم کو بے گناہ شہید — آپ کی آنکھ پھر بھی تر نہ ہوئی
نارسا آہ عاشقاں وہ کہاں — دور ان سے جو بے اثر نہ ہوئی
آئی بجھنے کو اپنی شمع حیات — شبِ غم کی مگر سحر نہ ہوئی
شب تھے ہم گرم نالہائے فراق — صبح اک آہ سرد سر نہ ہوئی

تم سے کیونکر وہ چھپ سکے حسرت
نگہِ شوق پردہ در نہ ہوئی

۱۳ مئی ۲۴ء

محی الدین خاں جعفری بھوپال

باقی ہے جو کچھ کچھ خلشِ درد کبھو کی — اب تک یہ مرے دل میں نشانی ہے کسو کی
ارزانی مے سن کے ترے دور میں ساقی — ہر دل میں ہوس عام ہوئی جام و سبو کی
تڑپاتی ہے کیا کیا مجھے یاد آتی ہے جس دم — غیروں پہ نوازش وہ تری تند خو کی

مقصد ہے جلانا کبھی اس کو کبھی مجھ کو　　　خاطر تجھے منظور ہے میری نہ عدو کی

آلائشِ ظاہر سے بری ہیں ترے درویش　　　کہتا ہے انہیں کون ضرورت ہے وضو کی

قائم ہے بیک حال مرے دردِ جگر میں　　　قدرت نہ فنا کی ہے نہ قدرت ہے نمو کی

بیزار ہوں میں زخمِ دلِ زار سے حسرتؔ

اب تک اسے کیوں یعنی تمنا ہے رفو کی

گلزار سخن پوتا　　　جولائی ۱۹۲۴ء

ہولی

مو پہ رنگ نہ ڈار مراری　　　منتی کرت ہوں تہاری

پنیا بھرن کا ہ جائے نہ دیہیں

شیام بھرے پچکاری

تھر تھر کانپت لاجن حسرتؔ　　　دیکھت ہیں نر ناری

۱۳ / مارچ ۱۹۲۴ء

ٹھمری

کہاں چھپائے رہے گردھاری　　　اودن بل سدھ بھول ہماری

روورت دھووت تلپھت بلکت

برہ کی رین گئی کٹ ساری

دیا جات بر کھات حسرتؔ　　　دیکھ دیکھ بدریا کاری

۲۷ ، ۲۸ جنوری ۱۹۲۴ء

ترجمہ قول حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ

ز ابرِ سفید آب رحمت چکد　　ز سبز اہل دل را محبت چکد
سفید ابر پاکانِ دنیا بود　　چو سبز آید از ذکر مولا بود

۳۱ مارچ ۲۳ء

تخمیس مطلع عراقیؒ

نہ کسی سے دشمنی ہے نہ کسی سے آشنائی　　دو جہاں سے منہ کو موڑا تری یاد کیا لگائی
مجھے صوم سے ملا کچھ نہ نماز راس آئی　　صنمارہِ قلندر سزدار بمن نمائی
کہ دراز دور دیدیم رہ و رسم پارسائی

22

دیوان حسرت

موہانی

حصۂ یازدہم

جس میں حسرت موہانی کی وہ کل غزلیں درج ہیں جو باوقات

مختلف تکمیل حصہ دہم کے بعد

جنوری ۱۹۲۵ء سے دسمبر ۱۹۳۲ء تک

لکھی گئیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؎

یوں نہیں مائل ہے سر اس کی جبیں سائی کا — شوق محتاج نہیں حوصلہ افزائی کا
آج کل حسنِ رخِ یار کی بے تابی کو — ضد یہ ہے نام نہ لے کوئی شکیبائی کا
یہ بھی احسان ہے ان کا مجھے کر کے تباہ — دیکھنے آئے تماشا مری رسوائی کا
رنج دوری سے ہوا عیش تصور جو بہم — ہو گیا اور ہی عالم شب تنہائی کا

ان سے ارباب نظر کی ہے یہ خواہش حسرت
اٹھ رہے کوئی دقیقہ نہ خود آرائی کا

"زمانہ کانپور دسمبر ۲۲ء"

عرفانِ عشق نام ہے میرے مقام کا — حامل ہوں کس کے نغمۂ نے کے پیغام کا
متھرا سے اہل دل کو وہ آتی ہے بوئے انس — دنیائے جاں میں شور ہے جس کے دوام کا
مخلوق اک نگاہِ کرم کی امید وار — مستانہ کر رہی ہے بھجن رادھے شیام کا

محبوب کی تلاش ہوئی ہے بسبب محبت — برسانے سے جو قصد کیا نندگام کا

گوکل کی سرزمین میں بھی عزت جہاں بنی — کلمہ پڑھا جو ان کی محبت کے نام کا

برندابن بھی رشکِ جنت بنا، کہ تھا — پامالِ ناز انہیں کی بہارِ خرام کا

لبریزِ نور ہے دلِ حسرت نہ ہے نصیب — اک حسنِ مشک فام کے شوقِ تمام کا

مقام برسانہ — ۲۸ اگست ۴۷ء

غزل مسلسل

وہ کہتے ہیں تجھ کو آنا پڑے گا — ہمیں کو پھر الٹے منانا پڑے گا

نہ جب تجھ سے مطلب رہا کچھ تو دل سے — تری یاد کو بھی بھلانا پڑے گا

تری یاد بھی چھوڑ جائے گی لیکن — بہت دل کو صدمہ اٹھانا پڑے گا

کہاں جائے گی عشق بازی کی عادت — کہیں اور دل کو لگانا پڑے گا

تجھے بزمِ خوباں میں در خور کا اپنے — بلا کر نمونہ دکھانا پڑے گا

دکھا کر تماشائے واسوخت آخر — تجھے پھر سے اپنا بنانا پڑے گا

ارادے غرض ہیں بہت کچھ پہ حسرت — وہ کہتے ہیں پھر تجھ کو آنا پڑے گا

"اردوئے معلی" کانپور — دسمبر ۳ء

وہ بھی کیا دن تھے کہ تو جلوہ فراموش نہ تھا — دین و دنیا کا مجھے تیرے سوا ہوش نہ تھا

کس قدر عام تھی ارزانیٔ مے کی شہرت — عہدِ ساقی میں نہ تھا کوئی جو مے نوش نہ تھا

اور بھی سب کو دکھاتی تھی صباحت کی بہار — بعد میرے وہ مرے غم میں سیہ پوش نہ تھا

شامِ گیسو بھی تری تھی سببِ غفلتِ دل — میں فقط بے خبرِ صبح بناگوش نہ تھا

پیرہن کوئی اتارا نہ انہوں نے حسرت — وہ کہ خوشبوئے محبت سے ہم آغوش نہ تھا

اردوئے معلی کانپور — جنوری ۲۷ء

نغمہ کہ نغمہ ہے عاشقی کا — دم بھرتی ہے آرزو اسی کا
ہر ذرہ سرزمین گوکل، — دارا ہے جمال دلبری کا
برسانہ و نند گاؤں میں بھی — دیکھ آئے ہیں ہم جلوہ کسی کا
پیغام حیات جاوداں تھا — ہر نغمہ کرشن بانسری کا
وہ نور سیاہ تھا کہ حسرت
سرچشمہ فروغ آگہی کا

اردوئے معلی کانپور — نومبر ۲۳ء

کرنے کو تو میں عہد کروں ترک ہوس کا — پر دل سے کہوں کیا جو نہیں مرے بس کا
بے تجھ سے ملے گھر میں وہی حال ہے میرا — ہو صحن چمن میں جو گرفتار قفس کا
پھر لے کے چلا دل ہمیں تا کوئے ملامت — خطرہ نظر آیا کچھ اسے پیش نہ پس کا
کیا جلد ہوا خاتمہ دور تمنا — وقفہ نہ ملا شوق کو دو چار برس کا
بیگانۂ آئین محبت میں وہ حسرت
رکھتے ہیں جو عشاق پہ الزام ہوس کا

"عارف" کانپور — دسمبر ۲۳ء

نہ لے کر دل کرو انکار دل کا — کہ چھپنا ہے بہت دشوار دل کا
پھر ان سے بعد مدت کیوں ملے ہم — جنوں پھر ہو گیا بیدار دل کا
یونہیں دیتے رہو تم داغ پر داغ — پھلا پھولا رہے گلزار دل کا
ندامت کیوں نہ ہوتی ان سے ہر بار — کہا ہم نے کیا ہر بار دل کا
ہوئے ہیں جب سے ممنوں ان کے حسرت
نہ دل میرا نہ میں ہوں یار دل کا

انہیں شوق خودآرائی نہ ہوتا — تو اتنا دل بھی سودائی نہ ہوتا

تغافل مجھ سے کیوں کرتے ہیں خوبانِ جہاں — اگر دعوائے زیبائی نہ ہوتا
تری بدنامیوں کا ڈر رہے ورنہ — ہمیں کچھ خوفِ رسوائی نہ ہوتا
نہ ہوتے ان کے ہم عاشق تو شاید — انہیں بھی نازِ یکتائی نہ ہوتا

جفا بیشک وہ کم کرتے جو حسرت
ستم جنسِ دلارائی نہ ہوتا

شوق پہنچا حد جنوں کے قریب — بڑھ ہوا ادارئ دیارِ حبیب
لے چلا پھر کشاں کشاں مجھ کو — دل اسی عرضِ محترم کے قریب
ان کی اس بندہ پروری پر نثار — ہم کہاں ورنہ اور کہاں یہ نصیب
خلد ہے کوئے یار ورنہ کہاں — یہ سکون بخشیاں یہ کیف یہ طیب

لو مدینے کو پھر چلے حسرت
دیدنی ہے یہ ماجرائے غریب

اردوئے معلیٰ کانپور ۱۹۳۰ء

ترے کشتے اے جانِ جانِ محبت — حقیقت میں ہیں کامرانِ محبت
کرم کبھی ترا یادگارِ وفا تھا — ترا جور بھی ہے نشانِ محبت
جناں آفریں تم بہارِ تمنا — بہار آفریں ہے خزانِ محبت
جو سرگشتۂ یاس و حیرانِ غم ہو — وہی عقل ہے کامرانِ محبت

زہے قبلۂ دین و ایمانِ حسرت
خوشا رتبۂ آسمانِ محبت

"اردوئے معلیٰ" کانپور نومبر ۲۹ء

مظہرِ شانِ کبریا صلی علیٰ محمد — آئینہ خدا نما صلی علیٰ محمد

موجبِ نازِ عارفاں باعثِ فخرِ صادقاں — سرورِ و خیرالوریٰ صلِّ علیٰ محمدٍ
مرکزِ عشق دلکشا مصدرِ حسنِ جاں فزا — صورت و سیرت خدا صلِّ علیٰ محمدٍ
مونسِ دل شکستگاں ایشفِ پناہِ خستگاں — شافعِ عرصۂ جزا صلِّ علیٰ محمدٍ

حسرتؔ اگر رکھے ہے تو بخششِ حق کی آرزو
وردِ زباں رہے صدا صلِّ علیٰ محمدٍ

مستقل کانپور ۱۹۲۸ء

اب کہاں صبر و قرار کا ہوش — مطربِ عشق ہے ترانہ فروش
ہو رہی ہے صباحِ عشق طلوع — ہو چلے ہیں چراغِ عقل خموش
حلقۂ زاہداں کی ہو حق پر — طعنہ زن ہے ترے جنوں کا خروش
شوقِ فردائے وصلِ یار ہیں اب — فکرِ امروز ہے نہ شکوۂ دوش

دعویٰ ترکِ مے نہ کر حسرتؔ
حکمِ ساقی اگر ہو اکہ بنوش

اردوئے معلیٰ کانپور دسمبر ۱۹۳۳ء

آشنا ہو کے یوں ہی یار سے ہم — سخت بیزار ہیں قرار سے ہم
سرمہ لائیں گے بہر دیدۂ عشق — کوچۂ حسن کے غبار سے ہم
کام رکھتے ہو جبر و قہر سے تم — جانِ زار و دلِ فگار سے ہم
ابھی یہ سادگی کہ دادِ وفا — پائیں گے اس جفا شعار سے ہم
کر چلیں پھر کہیں نہ کسبِ جنوں — سایۂ ابرِ نو بہار سے ہم
از رہِ بیدلی بہ صحنِ چمن — خوش ہیں گل سے خفا خار سے ہم

عاشقی ہو کہ شاعری حسرتؔ
فرد نکلے ہر اعتبار سے ہم

وفا تجھ سے اے بیوفا چاہتا ہوں
مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

تری آرزو ہے اگر جرم کوئی
تو اس جرم کی میں سزا چاہتا ہوں

وہ مجھ کو برا جانتے ہیں تو جانیں
میں اس پر بھی ان کا بھلا چاہتا ہوں

تجھے خیلِ خوباں سے ایجانِ خوبی
چلا جانتا ۔ مانتا ۔ چاہتا ہوں

میں بیمارِ غم ہوں، مداوائے غمکو
ترے در کی خاکِ شفا چاہتا ہوں

نصیحت گروں کی ملامت سے یعنی
میں اس شوخ کو برملا چاہتا ہوں

اسے بے بتائے وہ خود جانتے ہیں
جو میں اپنے حق میں دعا چاہتا ہوں

نہ نے زلف و رخ کے تصور کی نعمت
شب و روز صبح مسا چاہتا ہوں

میں اس طرۂ زلف مشکیں کو حسرت
پئے غارتِ جاں دوتا چاہتا ہوں

(اردوئے معلیٰ علی گڑھ ... ۱۹۰۹)

شکرِ الطاف نہیں شکوۂ بیداد نہیں
کچھ مجھے تیری تمنا کے سوا یاد نہیں

گیسوئے دوست کی خوشبو ہے دو عالم کی مراد
آہ وہ نکہتِ برباد کہ برباد نہیں

محوِ گل ہیں یہ عنادل کہ چمن میں گویا
خوفِ گلچیں کا نہیں خطرۂ صیاد نہیں

جان کردی تھی کسی نے ترے قدموں پہ نثار
یہ بھی تو بھول گیا یہ بھی تجھے یاد نہیں

تجھ سے یا تیری محبت سے اسے کیا سروکار
دل جو ناکام نہیں روح جو ناشاد نہیں

شکوۂ جورِ جفا جو سے گزر کر جو کہے
کچھ تجھے بھی، یہ مجالِ لبِ فریاد نہیں

قیدِ مذہب سے بھی کچھ بڑھ کے ہے قیدِ غمِ عشق
حسرت آزاد ہے کہنے ہی کو آزاد نہیں

([illegible] ۹)

تجھ کو اے محوِ تغافل میری پروا ہی نہیں
حالِ دل کس سے کہتا تو نے پوچھا ہی نہیں

اہلِ دل کے دل میں اے جانِ منؔ جانِ جہاں — آرزو بھی ہے نری اک سر میں سودا ہی نہیں

میری بیتابی کا سن کر ہمدموں سے ماجرا — ہنس کے وہ کہنے لگے ہم نے تو دیکھا ہی نہیں

خوب ہو گر دیکھنے آئیں وہ میرا حالِ زار — درسِ عبرت بھی تو ہے خالی تماشہ ہی نہیں

مر مٹے ان پر تو حسرتؔ اس قدر نازاں ہو کیوں

اس گلی میں اب کچھ تمہیں کوئی سمجھتا ہی نہیں

اردوئے معلی — جنوری ۳۰ء

وہ دن اب یاد آتے ہیں کہ رہتے تھے ہم دونوں — نہ تھے آگاہ و آزادِ غمِ فرقت سے ہم دونوں

نہ کر سکتا تھا باہم فرقِ محبوب و محب کوئی — جدا ہونے لگے تھے جس گھڑی باچشمِ نم دونوں

نہ ہم پر ہے نہ دشمن پر کرم اس شوخِ پرفن کا — بہم ہے رشک دونوں کو مگر ہیں وقفِ غم دونوں

جمالِ یار ہے روشن بہر شان و بہر صورت — مرے پیشِ نظر ہیں جلوۂ دیر و حرم دونوں

دل و جانِ حزیں پر ہے یکساں لطفِ عام اس کا

نگاہِ یار کے حسرتؔ ہیں ممنونِ کرم دونوں

"سروش" لاہور — ۳۱ء

ہم کو ہوش و خرد سے کام نہیں — عشق پابندِ انتظام نہیں

حیف اس دل کی بے ملالی پر — جو ترے غم سے شادکام نہیں

عالمِ جاں میں نورِ غم کی ضیا — صبح گویا ہے جس کی شام نہیں

کہتے ہو تم بھی سزا ہے تری — ہم کو اس میں بھی کچھ کلام نہیں

جام جب تھا تو مے نہ تھی حسرتؔ

اب جو مینا ملا تو جام نہیں

سلام علیک اے جوارِ مدینہ — جوار سراپا بہارِ مدینہ

رہے راحتِ یقظہ و نوم اینجا — خوشا لطفِ لیل و نہارِ مدینہ

سویدائے دل ہے دل حسنِ حق کا　　نہیں یہ شب نور بار مدینہ

مشامِ تمنا میں خوشبوئے جنت　　بھرے ہے کہ ہم یادگار مدینہ

مدینے چلو کیوں نہ ہر سال حسرتؔ

بلائیں جو خود تاجدارِ مدینہ

(مدینہ منورہ ۲۵ فروری الحجہ ۵۰ء)

یادِ شہر کوئے یار آنے لگی　　آرزو کو بوئے یار آنے لگی

زلفِ یار اندر ہوائے حسن یار　　تا رخِ نیکوئے یار آنے لگی

شوقِ مخمورِ ہوس ہو نے لگا　　نکہت گیسوئے یار آنے لگی

حسن کو نذرِ عقیدت بے شمار　　ہر طرف سے سوئے یار آنے لگی

زخم دل دیکھا تو حسرتؔ ہم کو یاد

قوتِ بازوئے یار آنے لگی

اردوئے معلیٰ　　نومبر ۲۵ء

تحسین ہے لب پر ترے دشنام نہیں ہے　　الزامِ تمنا کوئی الزام نہیں ہے

خوبی تری بے قید ہے خواہش مری بیحد　　ان دونوں کے آغاز کا انجام نہیں ہے

ایسا کوئی دنیا میں نہیں عشق نظر باز　　لے حسن دلارا جو ترا رام نہیں ہے

بیٹھے ہیں تری یاد میں کونین سے فارغ　　اب ہم کو کسی چیز سے کچھ کام نہیں ہے

پر نورئ عشق، دل روشن عرفاں　　آئینۂ عالم ہے مرا جام نہیں ہے

برپا ہیں بہر سمت حوادث کے طلاطم　　دریا مری تقدیر کا آرام نہیں ہے

لہ آرام نہیں ہے یعنی ساکن نہیں ہے پرشور ہے۔ محاورہ فارسی میں "دریا ساکن تھا" کو "دریا آرام بود" لکھتے ہیں۔ (حسرتؔ)

دیوانہ ہوں ساقی کی نظر کا مری مستی

حسرت گردِ بادۂ گلفام نہیں ہے

(بہ طرح مشاعرہ لکھنؤ)

مرے بعد گزرے وہ مشقِ ستم سے ندامت کے پہلو نمایاں ہیں غم سے

نکلنا ہے مشکل دلِ مبتلا کا ترے طرۂ زلف کے پیچ و خم سے

بھلا دے پہ بھی قصۂ ربطِ ماضی بھلایا نہ جائے گا تم سے نہ ہم سے

خموش ان کو دیکھا کئے وقتِ رخصت بہے اشکِ غم بھی نہ فرطِ الم سے

تصوف نے حسرت سنا خوب نغمہ

بیانِ عرب کا زبانِ عجم سے

(اثنائے سفر شملہ ۲۳ جون ۱۹۳۱ء)

ترے غم سے مدد جب دل نے چاہی مٹی سب ظلمتِ عصیاں کی سیاہی

ہوئی ہے رہنمائے منزلِ حق جنونِ شوق کی گم کردہ راہی

ترے مستوں کی اے سلطانِ مستاں گنہگاری ہے عینِ بے گناہی

متاعِ عقل ہے مشتاقِ غارت ادھر بھی ایک ایمائے تباہی

غلامِ خواجۂ اجمیر حسرت

بجا ہے گر کریں دعوائے شاہی

(اجمیر شریف ۸ رجب ۵۰ ھ)

طلب عادت نہیں اہلِ رضا کی یہ لغزش تھی زبانِ مدعا کی

عبادت ہے مرے ذوقِ فنا سے اشارت اس نگاہِ آشنا کی

کرم اس جانِ اربابِ وفا کا — مرے حق میں ہے پیغام ہلا کی
بقدرِ شوق اربابِ نظر ہے — ترقی ان کے حسن خود نما کی
عبادت بن گئی ہے عاشقوں کو — حکایت اس جمالِ دلربا کی
اب ان آنکھوں میں ہے صبحِ شبِ وصل — نہ شوخی کی نہ گنجائش حیا کی

سبب حسرت ہوئی فیضانِ حق کا
نظر لطفِ کبیر الاولیا[1] کی

(مقام پانی پت ۱۲ ر رمضان ۵۰ھ)

ترا حق ہے بحکمِ خود نمائی — شہنشاہی بملکِ دلربائی
ہوئی اب تک نہ ہوتی ہے ہو گی — وفا تم سے نہ ہم سے بے وفائی
دماغِ عشق عالی تھا جبھی تو — نہ کھینچی حسن کی بھی میرزائی
تصنع تھا تری بیگانگی میں — قیامت ہے یہ طرزِ آشنائی

ملے ان سے تو اب حسرت کسے یاد
بسر کیوں کر ہوا عہدِ جدائی

اردوئے معلیٰ
دسمبر ۳۲ء

فراقِ یار میں حیرت کا طرفہ عالم ہے — کہ اس کے جوش میں گم فرقِ شادی غم ہے
جفا شعاری اربابِ حسن کی خاطر — سرِ ارادتِ احباب خود بخود خم ہے
بہارِ باغ کو ہے رنج بے ثباتی کا — کہ چشمِ گل میں نمودار اشکِ شبنم ہے
میں خوش نہیں اثرِ جذبِ دل سے اور کیوں ہوں — کہ پاس آپ کی تکلیف کا مقدم ہے

۱؎ حضرت مخدوم جلال الدین کبیر الاولیا پانی پتی رح

بگڑ کے غیر سے حسرتؔ وہ پھر ملے بھی تو کیا

اردوئے معلیٰ دسمبر ۳۲ء

جو پہلے شہد مرے حق میں تھا وہ اب سم ہے

پھر اک شوقِ بسیار کی آرزو ہے — طوافِ در یار کی آرزو ہے

جو لبریز ہو بادۂ عشق حق سے — پھر اس جام سرشار کی آرزو ہے

دو عالم کے افکار سے ہو کے فارغ — روانِ سبکسار کی آرزو ہے

نہ ہو کم ترے درد کی جاں نوازی — یہ تھی اور دل زار کی آرزو ہے

گناہ محبت کا بندہ ہوں مجھ کو — جنونِ خطا کار کی آرزو ہے

تن آسانیاں دوسروں کو مبارک — یہاں امر دشوار کی آرزو ہے

متاعِ دل و جاں کو ہم لے کے حسرتؔ

چلے ہیں خریدار کی آرزو ہے

(اردوئے معلیٰ، جون ۳۳ء)

دیدۂ دل سے بہار حسنِ خوباں دیکھئے — صورتِ انساں میں بھی اک عالم جاں دیکھئے

ندرتِ حسن و بشر کو قدرتِ حق جانیے — شعلۂ عشق بتاں میں نور ایماں دیکھئے

شوق کے اصرار نے حسرتؔ الٰہ آباد میں[1]

اردوئے معلیٰ جنوری ۳۲ء

آج پھر ہم کو بنایا ہے غزل خواں دیکھئے

بنے وہ رونقِ محفل جس انجمن میں رہے — بہ ہے بہار چمن ہو کے جس چمن میں رہے

قریب ہے کہ ترے سوزِ غم سے میرے لئے — بوجہ نور نہ کچھ فرق جان و تن میں رہے

---

[1] پنڈت جگموہن ناتھ رینا بانی مشاعرہ الٰہ آباد

زہے نصیب جو ہو میرے حال کو بھی نصیب
وہ ابتری جو تری زلف پر شکن میں رہے

ادب کا ہے یہ تقاضہ کہ تیرے شوق کی بات
سنے نہ کوئی مرے دل میں یا دہن میں رہے

جو فیضِ عشق یہی ہے تو کیا عجب حسرتؔ
کہ امتیاز نہ کچھ شیخ و برہمن میں رہے

"الیوان" گورکھپور جولائی ۴۳ء

دل کو غم کونین سے بیگانہ بنا دے
اے جلوۂ جاناں مجھے دیوانہ بنا دے

بدمستِ سیہ کار کو مخمورِ حق آگاہ
دیکھیں ہمیں کیا ساقیِ میخانہ بنا دے

حالت ہے فقیرانہ مری، وہ شہ خوباں
چاہے تو فقیرانہ سے شاہانہ بنا دے

دینار کے لئے ہو سبق رشد و ہدایت
گر عشق مرے حال کا افسانہ بنا دے

فرزانگی ہوش سے بیزار ہے حسرتؔ
حیرت اسے دیوانۂ فرزانہ بنا دے

"الناظر" لکھنؤ ستمبر ۴۳ء

محبوب ہیں محبوب کی ہر بات بجا ہے!
اب مجھ سے تغافل بھی وہ فرمائیں تو کیا ہے

پھر شکوۂ غم کا مجھے کیوں شوق ہوا ہے
پھر ہنس کے وہ کہہ دیں گے یہی تیری سزا ہے

ہم خوش ہیں بہر حال جفا ہو کہ وفا ہو
وہ یوں کہ محبت کی سزا میں بھی مزا ہے

سونگھی تھی جو اکبار وہ خوشبوئے گریباں
اب تک یہ اسی بوئے گریباں کا نشا ہے

کہنے کو تو ظاہر میں خفا ہم بھی ہیں لیکن
کچھ دل کا عجب حال ہے جب سے وہ خفا ہے

ہم چھلیں کے لے بھی گئے پان آپکے منہ کا
کہتے ہی رہے آپ کہ دیں گے نہ دیا ہے

شرما کے وہ بولے کبھی تو کیا ہم سے دبو لو

اُردو لاہور — اکتوبر ۴۳ء

کیا خوب تری چھیڑ کا حسرت یہ صلا ہے

مجھ سے اے دل انہیں گلا نہ رہے
تو رہے بیقرار یا نہ رہے

شوق کو دل میں ابر بنائے ہجوم
ڈر یہی ہے کہ راستہ نہ رہے

آپ ہی کو کرم کی خو نہ رہی
یا ہمیں درخور خطا نہ رہے

وصل میں بوئے جسم یار کو آج
شوق سے پردہ قبا نہ رہے

ان سے کیا تم نے کہدیا حسرت
کہ وہ اب کامل جفا نہ رہے

۸ / دسمبر ۴۳ء

دیوانِ حسرت

موہانی

حصۂ دوازدہم

جس میں

حسرت موہانی کی وہ کل غزلیں درج ہیں جو باوقات مختلف

تکمیل حصہ یازدہم کے بعد

از جنوری ۱۹۳۵ء تا جون ۱۹۴۰ء

لکھی گئیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

ترانۂ حج

مایوس نہ کر کہ میں خدا یا — جب تو نے طلب کیا تو آیا

فالحمد کہ آج بعد یکسال — پھر شوق ترے حضور لایا

والشکر کہ بعد سعی بسیار — پھر حاصل دست بوس[1] پایا

یعنی بصد اہتمام تقبیل ! — سر تری جناب میں جھکایا

پھر مسجد خیف میں پہنچ کر — خط کیف صلواۃ کا اٹھایا

مژدۂ عرفات نے پھر اک بار — غفران ذنوب کا سنایا

مزدلفہ کی راہ سے منا تک — پھر شوق طواف کھینچ لایا

دسویں ذی الحجہ کو عصر کے وقت — پیغام قبول حج کا آیا

---

[1] دست بوس یعنی تقبیل حجر اسود

مومن کی زمین میں تو نے حسرتؔ
حج کا یہ ترانہ خوب گایا

پسند شوق ہے آب و ہوا مدینے کی — عجب بہار ہے صلِ علیٰ مدینے کی
باامتیاز بہ تخصیص خوابگاہِ رسول — قلوبِ اہلِ دلا میں ہے جا مدینے کی
صعوبتوں میں بھی اک راحتِ سفر کی ہے شان — جو یاد رہتی ہے صبح و مسا مدینے کی
علاجِ علتِ عصیاں کی فکر کیا ہو اسے — جسے نصیب ہو خاکِ شفا مدینے کی

سکونِ خاطرِ حسرتؔ بنی وہ سا لغ میں
خبر جو لائی تھی بادِ صبا مدینے کی

جوشِ غم کو موجبِ عیشِ فراواں کیجیے — جی میں ہے اب یوں علاجِ دردِ ہجراں کیجیے
گریۂ رنگیں کو وجہِ زیبِ داماں کیجیے — آہِ سوزاں کو چراغِ خانۂ جاں کیجیے
شکوۂ جور و جفا کو چھوڑ کر، شکرِ ستم — کیجیے اور خوب سا ان کو پشیماں کیجیے
غم نہ ہو ممکن تو چار آنسو ندامت کے سہی — کچھ تو آخر حرمتِ خونِ شہیداں کیجیے

آپ ہی کے عشق کا حسرتؔ ہے اس پر بھی اثر
آپ ہی اب حسن کی مشکل کو آساں کیجیے

(برائے مشاعرہ کانپور)

کوئی ان کی بزمِ جمال سے کب اٹھا خوشی سے کہاں اٹھا
جو کبھی اٹھا بھی اٹھائے سے تو اسی طرف نگراں اٹھا

اثرِ تغافلِ یار سے شبِ تار، ہجر میں دفعتاً
ہوئیں سوزِ غم کی یہ کثرتیں کہ دل و جگر سے دھواں اٹھا

ہے عجیب دل کش و جاں فزا ترے کوئے حسن کا ماجرا
کہ اثر سے قوتِ عشق کے میں گرا تھا پیرِ جواں اٹھا
یہ خلوص غم کی نہ تھی کمی تو پھر اور کیا تھا کہے کوئی
کہ نہ دانشِ دہرِ دل ہوئی نہ ہنوز پردۂ جاں اٹھا
میں وہ رند بادہ پرست ہوں کہ ہوا جو میکدے میں گزر
پئے خیر مقدم ادھر سے میں تو ادھر سے پیر مغاں اٹھا
کوئی عشق بازی کا مشغلہ نہیں کھیل اے دلِ مبتلا
مگر اب کیا ہے یہ حوصلہ تو خوشی سے نازِ بتاں اٹھا
یہ سزا کہاں یہ جزا ہوئی بہ خلاف خواہش مدعی،
پئے قتلِ حسرتِ ملتجی خود اگر وہ جانِ جہاں اٹھا
(بہ طرحِ مشاعرہ بریلی یکم جنوری ۳۵ء)

گاہے یکسر لطف گاہے سر بسر بیداد ہیں
دلربائی کے انہیں کیا کیا طریقے یاد ہیں
مرحبا اے حسنِ غم اے یادگارِ عشقِ دوست
جان و دل تیری بدولت شاد ہیں آباد ہیں
کچھ تو یارے وہ تغافل میں کمی کرنے لگے
جب سے جاں کہ ہم آمادۂ فریاد ہیں
حسنِ صورت میں ترے شامل ہے حسنِ التفات
ہم انہیں یا نتوں کے تو گردیدہ ہیں برباد ہیں

چھیڑ سے بولے وہ حسرت کیوں ملیں چاہو کہ ہم
بے مروت ہیں، جفاجو ہیں، ستم ایجاد ہیں

مدنی صبح کا عجیب ہے ظہور — قابلِ دید ہے یہ بارشِ نور
نظر آتا ہے پیشِ روئے حضور — اہلِ بینش کو نورِ جلوۂ طور
آپ کا غم ہے عاشقوں کیلئے — فی المثل اک شرابِ ناب سرور
وائے یہ حالِ عاشقِ محروم — پاس ہو کر کبھی ہو جیسے یار سے دور
مستیزانِ حُبِّ آلِ رسول — اس سے انکارِ دین کا ہے فتور

طعنِ اغیار پہ ہے ناز مجھے
کہ میں حسرت ہوں مستفیضِ قبور

محبت نے اثر پیدا کیا یہ دل نشیں ہو کر — کہ لب تک شکوہ ہائے حسن کبھی آئے حسیں ہو کر
ہدایت کا زمانہ تشنہ تھا، اہلِ سویت نے — دکھائی سب کو راہِ حریت بےخوف دیں ہو کر

عروجِ ماہ دشمن ہے سکونِ بحر کا حسرت
وہ لیکن باعثِ تسکینِ دل ہیں مہر جبیں ہو کر

آرزوئے حسرت

(رجب ۱۹۳۶ء سلمہ ء)

یعنی حسرت موہانی کی تازہ نظم جو براہِ عراق حاضری مدینہ منورہ کے موقع پر لکھی گئی۔

اے شہہ شاہادِ رسل السلام — حاضرِ دربار ہے پھر یہ غلام

بحر کی آسانی نہ چھوڑ کر — خواہشِ آرام سے منہ موڑ کر
بصرہ و بغداد سے تا کاظمین — ہو کے چلا سوئے مزار حسین رضؓ
خوبیٔ قسمت جو ہوئی رہنما — بندہ مولائے نجف بھی بنا
آکے نجف سے بدیارِ عرب — کھینچے رہ دشت و جبل کے تعب
پہونچے تو سب ہو گئے پیشِ حضور — رنج مبدل بہ سکون و سرور

حاصلِ حسرت بہ سفر ہو مدام
بیت نبی سوئے بیت الحرام

(جو مقطع طواف الوداع کے وقت)

تری یاد بے اختیار آرہی ہے — تمنا کی فصلِ بہار آرہی ہے
حرم سے ہوا خوشگوار آرہی ہے — دوائے دلِ بیقرار آرہی ہے
ترے کہنہ ملبوس کی دھجی دھجی — پئے راحتِ جاں بکار آرہی ہے
ہکوں حال کیا اس کی جاں پروری کا — جو کعبے سے خوشبوئے یار آرہی ہے

ہوس دل کی ان سے جدا ہو کے حسرت
سراسیمۂ اشکبار آرہی ہے،

(بوقت حاضری روضہ)

میسر ہے شاہِ نجف کی غلامی — زہے کامرانی رہے شادکامی
ملے مجھ کو بھی مثلِ سلمان و بوذر — وہی خواجہ تاشی وہی نیک نامی
وہ بیخوف و غم کیوں نہ ہوں بن گئے ہوں — حقیقت میں شیرِ خدا جسکے حامی
پہونچکر درِ شاہ مرداں پہ اکثر — خصوصی شرف پا گئے ہم سے عامی

نظر آئے مولا کے روضے پہ حسرت
عقیدت کو انوارِ حق مثلِ جامی[1]

[1] اشارہ بجانب مطلع جامی

قد بدا مشہد مولائی انیخوا اجملی　　　که مشاہد شدازیں مشہدم انواجلی
ہو گئی بارگہہ رب میں وہ یکسر منظور　　　ہم نے کی تھی جو دعا موسیٰ کاظم کے حضور

پھر حالِ دل قرار سے بیزار ہو چکا　　　جینا فراق یار میں دشوار ہو چکا
واں تک پہنچ پہنچ کر پھر آیا میں بے مراد　　　ایسا تو اس گلی میں کئی بار ہو چکا
اس شوخ بادہ خوار کو در باب میکشی　　　اصرار ہے تو ہم سے بھی انکار ہو چکا
رنگینیٔ سرشکِ محبت سے بارہا　　　دامانِ آرزو گل و گلزار ہو چکا
اب حسن و عشق سادہ کی وہ پاکیاں کہاں　　　تم شوخ ہو چکے میں ہوس کار ہو چکا
اہل نظر کو دیکھ کے مجبورِ اشتیاق　　　وہ حسن بے خبر بھی خبردار ہو چکا

حسرت بنازِ عشق پا یمارے نازِ حسن
راہِ آشنائے لذتِ آزار ہو چکا

اس کا جلوہ ہر جانب عیاں ہے　　　نمودِ حسن بے صورت کہاں ہے
ملی دل کو مرادِ نامرادی　　　ترے غم کی بدولت شادماں ہے
فقیر بے نوائے درگہہ عشق!　　　امیر بے نیازِ دو جہاں ہے
نکلنے پائے کیوں کر یاد ان کی　　　درِ دل پر محبت پاسباں ہے

نہ چھوڑی تم نے حسرت عشق بازی
تمنا پیر ہو کر بھی جواں ہے

(کراچی فروری ۱۹۳۶ء)

خود ہم بلانے لگے دے دے کے وہ قسمیں　　　باقی نہ کوئی فرق رہا عشق و ہوس بیں

موقع ہے عجب کش مکش لطف و ستم کا
قابو میں ہیں وہ ناز کے ہم شوق کے بس میں
نسبت ہے وہی عاشقی حسن میں باہم
فی الجملہ ہوا کرتی ہے جو شعلہ و خس میں
لازم ہے یہاں غلبۂ آئین سویت
دو ایک برس میں ہو کہ دس بیس برس میں

یادان کی ہوئی وجہ سکوں ہجر میں حسرت
بلبل کے لئے باد بہار آئی قفس میں

(کان پور ۱۴ ستمبر ۳۶ء)

تیر ناز آرے تو ان کا آزمانے کے لئے
پیش کرتے ہیں دل اپنا ہم نشانے کے لئے
میں بھی خوش میرا خدا بھی خوش ہے تیرے درد سے
درد گو وجہ مصیبت ہے زمانے کے لئے
چھیڑ اگر منظور ہے ان کو تو باوصف حجاب
پھر وہ دیکھیں گے مجھے پھر مسکرانے کے لئے
چھوڑ کر وہ چل نہ دیں آخر زراہ انتقام
مجھ کو تنہا رات دن آنسو بہانے کے لئے
وہ کہیں پوچھیں تو حسرت کس پہ مرتے ہو کہ ہم
نام تک تیار ہیں اس کو بتانے کے لئے

(اثنائے راہ اجمیر تا کان پور ۲۴ ستمبر ۳۶ء)

قسمت شوق آزما نہ سکے
ان سے ہم آنکھ بھی ملا نہ سکے
ہم سے یاں رنج ہجر اٹھ نہ سکا
واں وہ مجبور تھے وہ آ نہ سکے

اثنائے راہ کاٹھگودام تا مظفرنگر ۱۴ ستمبر ۳۶ء

تحیر تھا ورنہ دیں کہیں وہ انہیں
ہم ہنسی میں بھی گدگدا نہ سکے

ہم سے دل آپ نے اٹھا تو لیا
پر کہیں اور بھی لگا نہ سکے

اب کہاں تم کہاں وہ ربطِ وفا
یاد بھی جس کی ہم دلا نہ سکے

دل میں کیا کیا تھے عرض حال کے شوق
اس نے پوچھا تو کچھ بتا نہ سکے!

ہم تو کیا بھولتے انہیں حسرتؔ
دل سے وہ بھی ہمیں بھلا نہ سکے

یہ جو آویزہ تیرے کان میں ہے
جانِ خوبی مرے گمان میں ہے

وہ جو ہیں جانِ عشق وجانِ جمال
ہاں یہ مطلع انہیں کی شان میں ہے

اس نے ہم سے سنی نہ شوق کی بات
ہنس کے پوچھا کس زبان میں ہے

خود وہ آغازِ عشق میں بھی نہ تھا
لطف جو اس کی داستان میں ہے

شیب میں اب کہاں وہ لطفِ شباب
کچھ اگر ہے تو ان کے پان میں ہے

طرفہ حسرتؔ یہ شوخیٔ اشعار
رنگِ جرأت مرے بیان میں ہے

اثنائے راہ شملہ تا سہارنپور ۲۸ ستمبر ۳۶ء

ہم عاشق فاسق تھے ہم صوفی وصافی ہیں
پی لیں جو کہیں اب بھی در خوردِ معافی ہیں

بیکار تھی ململ بھی گرمی میں شبِ فرقت
کام آئے گی جاڑے میں فردیں جو لحافی ہیں

عقلوں کو بنا دے گا دیوانہ جمال ان کا
چھا جائیگی ہوشوں پر آنکھیں وہ غلافی ہیں

ہم شکر ستم کرتے کیوں شکوہ کیا ان سے
آئین محبت کے شیوے یہ منافی ہیں

چھوٹی بھی گوارا تھی باقی بھی غنیمت ہے
دو گھونٹ بھی ساقی سے مل جائیں تو کافی ہیں

ہم ان کی جفا سے بھی راضی تھے مگر ناحق
اب ہو کے وہ خود نادم سرگرم تلافی ہیں

جدت میں ہے لاثانی حسرتؔ کی غزل خوانی
کیا طرفہ مطالب ہیں کیا تازہ قوافی ہے

(اثنائے راہ بہاران پور تا کان پور ۲۸ ستمبر)

وجہ کیا خواب میں نہ آنے کی
شرم انہیں ہو نا روٹھ جانے کی

رشک باقی ہے اب نہ کوئی رقیب
نہ ضرورت کسی بہانے کی

غیر ممکن ہے تیرے بعد ہوس
دل کسی اور سے لگانے کی

سرمہ چشم و علش تھی بخدا
خاک تیرے غریب خانے کی

مٹ گئیں آپ بھی مٹا کے مجھے
سختیاں خوذ نخوذ زمانے کی

اب نہ دل ہے نہ وہ ذخیرہ شوق
توڑ دوں کنجیاں خزانے کی

یعنی کہنے کی ہے غرض نہ ہوس
اب کسی کو غزل سنانے کی

ان کے بعد اب وہ کیا ہوئی حسرتؔ
دلفریبی ترے فسانے کی!

اثنائے راہ جہاز بہ جہاز جہاں گیر بعد وفات بیگم حسرتؔ ۸ مئی ۳۷ء

غیر دیکھی ہو غم ہجر سے حالت میری
خواب میں آئے مٹانے وہ شکایت میری

کیسے بھولوں میں خطا کار یہ کہنا ان کا
یاد آئے گی مرے بعد نصیحت میری

دے کے جاں اپنی کیا تائبِ عصیاں مجھ کو
رنج کیا کیا نہ سہے اس نے بدولت میری

خدمتِ شاہِ شہید اں میں سفارش کر کے
اب وہ بے لوث بنا دیں گے ریاضت میری

فکر اور میرے خورد و نوش کی اب تک حسرت
ان سے چھوٹی نہ چھوٹے کی رقابت میری

بمقام مکلا - ۱۱ رمئی ۷ ۳ ء

عاشقی کا حوصلہ بیکار ہے تیرے بغیر
آرزو کی زندگی دشوار ہے تیرے بغیر

کاروبارِ شوق کی اب وہ تن آسانی کہاں
دل پہ ذوقِ شاعری اک بار ہے تیرے بغیر

شرکتِ بزمِ سخن سے بھی ہمیں ، باوصف عزم
بر بنائے بے دلی انکار ہے تیرے بغیر

جس فراغت کا تمنائی تھا میں تیرے لئے
اب وہ حاصل ہے تو اک آزار ہے تیرے بغیر

دردِ دل جو تھا کبھی وجہ مباہات و شرف
بہر حسرت موجبِ صد عار ہے تیرے بغیر ، ۱۱ مئی ۲۷ ،

ہوس اچھی ہے اپنے سر کی ہوس
غوث الاعظمؓ کے سنگ در کی ہوس
جلوہ دیکھا تھا جو حرم میں کہیں
پھر بھی دیکھے یہ ہے نظر کی ہوس
لے چلی پھر کہاں بسوئے عراق
خبر یار بے خبر کی ہوس
مانگ بہر مریض دل سے دعا
گر ہے درمانِ کارگر کی ہوس
شاہِ جیلاں کی ہے طلب حسرتؔ
ورنہ کب تھی مجھے سفر کی ہوس

عجب انداز ہے فضلِ خدا کا — مدینے کی ہوائے جانفزا کا
نگاہِ لطف ادھر ہم سے سیہ کار — کرم دیکھو حبیبِ کبریا کا
پڑھے اس روئے روشن سے تمنا — سبق بدر الدجیٰ شمس الضحیٰ کا
شہنشاہوں سے بھی ہے بڑھ کے رتبہ — ترے کوچے کے ہر ادنیٰ گدا کا
بفرطِ بارشِ انوار حسرتؔ،
نہیں کچھ فرق یاں صبح و مسا کا

اثنائے سفر بیرون از جدہ۔ تاریخ ۱۵ فروری ۳۹ء مقام طور سینا

دل بھی پابند تمنا ہے اسی دیدار کا — طور پہ جو نور جلوہ گر تھا جمالِ یار کا
عین دانائی ہے نادانی دیار عشق میں — کام ہر دیوانہ کرتا ہے یہاں ہشیار کا

طالب جنت ہوں کیوں افتادگانِ کوئے حسن | تجربہ ہے جن کو تیرے سایہ دیوار کا
بندۂ فرمانِ ساقی ہوں مجھے اے شیخ وقت | کس لیے ہو پاس تیری لایعد وزنہار کا
مذہبِ عشاق ہے بیگانۂ قیدِ رسوم | یاں نہیں حسرتؔ بکھیڑا سبحہ وزنار کا

اثنائے سفر بیروت شام از جدہ تاریخ ۵ا فروری ۳۹ء درمیان بحرمتوسط۔

سامناان کے حسنِ طلعت کا | سبب اچھا ہے میری حیرت کا
ختم کرتے ہو کیوں عطا پہ جفا | کچھ تو موقع رہے شکایت کا
یاد اس بے خبر کی پھر آئی | پھر اٹھا دل میں درد شدت کا
ہو نہ جائے ہجوم شوق میں گم | خوف ناصح تری ملامت کا
ہو جو حاصل تری محبت کا | نام راحت ہے اس مصیبت کا
کیا کریں خلافِ رسمِ وفا | شکوہ اس یار بے مروت کا

جانِ حسنِ کلام ہے لاریب
سخن دل شکار حسرتؔ کا

اثنائے راہ جدہ از سوئز تاریخ ۲۵ فروری ۳۹ء باخرہ زمزم

آپ کے حسنِ جہاں سوز کا جلوہ دیکھا | ہم نے گھر پھونک کے خوب آج تماشہ دیکھا
کیا بتائیں دمِ نظارہ بفرطِ حیرت | کیا نہ دیکھا رخِ زیبا میں ترے کیا دیکھا
دلربائی میں ترے حسن کو پایا بے مثل | جاں نوازی میں ترے ناز کو یکتا دیکھا
کھنچ گئی نور علیٰ نور کی تصویر جمیل | بعد کعبے کے جو آنکھوں نے مدینا دیکھا

ہم نہ کہتے تھے یہ لپکا نہیں اچھا حسرتؔ
خاک میں مل کے محبت کا نتیجہ دیکھا

(ایضاً ۲۴ فروری)

آئی جو یادِ یار بصد شانِ اعتنا
محرومیوں سے دل میں اٹھا شورِ مرحبا
بیتاب آرزو ہو نہ کیوں جانِ پاکِ عشق
بکھرے جو دوشِ حسن پہ وہ گیسوئے دوتا
دیکھ اسے جفائے یار خدا کے غضب سے ڈر
بے جرم خون اہلِ تمنا نہیں روا
بیخود ہیں اہلِ شوق کہ اے نازنینِ حسن
خوشبوئے عاشقی میں بسی ہے تری ردا
اس حسن بے عدیل کی ہو کیا صفت بیاں
پیدا ہیں جس کے نور سے انوارِ کبریا

مجبورِ ہجر پا کے وہ مجھ کو دمِ فراق!
کہیں نہ چھیڑ سے کہہ جائیں بیوفا

(ایضاً)

سوزِ غم ہے یہ کچھ بخار نہیں
تم کو اس کا بھی اعتبار نہیں
کچھ بھی ہو تم سے، طعنِ یادشنام
ہم کو واللہ ناگوار نہیں
تھی کبھی یاد ان کی وجہ سکوں
اب کسی حال میں قرار نہیں
حیف اس دل کی بے ملالی پر
جو ترے درد کا شکار نہیں

سہل کہتا ہوں ممتنع حسرتؔ
نغز گوئی مرا شعار نہیں

تم کو اس بات کا خیال نہیں
ورنہ جینا مرا محال نہیں
حسن کو صبر پر ہے کیوں اصرار
عشق پابند اعتدال نہیں!
تم سے رکھتا ہے کون دل کو عزیز
تم نے یہ کیا کہا کہ مال نہیں
حالِ دل سن کے مجھ سے کیوں ہو خفا
ایلچی کو کہیں زوال نہیں

دامنِ شعرِ عشق پہ حسرتؔ
داغِ اہمال و ابتذال نہیں

اشعارِ راہ جدہ از سویز بحر احمر مورخہ ۲۶ فروری ۱۹۳۶ء ماخذہ زمزم

کیا ہو یہ آج پوچھیں گے اس ناز نیں سے ہم
تجھ سا جو کوئی ڈھونڈ نکالیں کہیں سے ہم

کہدے نہ ان کے منہ پہ کہیں شوقِ پا بوس
ڈرتے نہیں کچھ آپکی چینِ جبیں سے ہم

کیا بات ہے ترے کرمِ فتنۂ خیز کی
واقف ہیں اس خطاب عتاب آفریں سے ہم

تنہا نہ جاؤ چھوڑ کے ہم کو غمِ فراق
کیونکہ اُٹھے گا پوچھ رہے ہیں تمہیں سے ہم

حسنِ بتاں سراجِ طریقِ صفا بنا
حق الیقیں تک آرہے ہیں عین الیقیں سے ہم

ہمت کا سہ رچھکا ہے در غوثِ پاک پر
پانا جو کچھ ہے پائیں گے حسرتؔ یہیں سے ہم

عاشق وہی کامل ہے جو رسوائے جہاں ہو
شاہد وہی احسن ہے جو بے نام و نشاں ہو

مقصود ہے پابندیٔ آئینِ محبت
زنہار اگر ہم کو سر سود و زیاں ہو

ایذا طلب عشق ہے میں بیتاب کہ دیکھیں
کب طفل سے وہ شوخِ جفا کار جواں ہو

بیمارِ غم آئے ہیں شفا پائیں تو جائیں
کیا ورنہ ہمیں تم جو مسیحائے زماں ہو

عارف ہے جو نظارہ حق دلکو ہو منظور
کافر ہے اگر شیفتۂ حسنِ بتاں ہو

تم دشمنِ عشاق بہرحال ہو یعنی
آشوبِ نظر فتنۂ دل آفتِ جاں ہو

ہم کو تو بھی ملنا ہے وہیں، خاک میں حسرتؔ
معلوم نہیں منزلِ جاناں کہاں ہو

رو چھٹے پر بھی مجھے بھول نہ جانے والے
اے بدوران سفر خواب میں آنے والے

لے کے آغوشِ محبت میں باقرار خطا
ہم بھی ہیں آج انہیں رو رو کے رلانے والے

آج انھیں کے قدموں پہ ہے سر افرقِ نیاز
جیتے جی تھے جو مرے ناز اٹھانے والے

یہ بھی اک چھیڑ تھی شاید پئے تنبیہ وفا　　ورنہ تم یوں تو نہ تھے میرے ستانے والے

نگہ دوست ہے محجوب تو ہم بھی حسرت
لب تک اب شکوۂ حرماں لانے والے

دل کو زغمش نشاں ندارد　　مرغیست کہ آشیاں ندارد
نفعے است ہر آں ضرر کہ از تست　　جاں باختنم زیاں ندارد
حکم است بہ بزم من ہر ایاش　　گنجایش، این و آں ندارد
قول علما چو قول انگلیس　　نامعتبر است و جاں ندارد

قانع بہ غم تو جانِ حسرت
شاد است و سرِ فغاں ندارد

دن رات کی زق زق بق بق ہے دن رات کا رونا دھونا ہے　　کیا تم نے یہ دل میں ٹھانی ہے معلوم نہیں کیا ہونا ہے
تم اور جو چاہو کام کرو ناحق نہ ہمیں بدنام کرو　　ہم اور قصورِ ترکِ وفا ایسا تو ہوا نہ ہوتا ہے
کھیلے ہم کھیل محبت کا انجام سے ہو کر بے پروا　　معلوم نہیں کیا پانا ہے معلوم نہیں کیا کھونا ہے
تم ہم سے چھٹے کچھ ایسی گھڑی ملنے کی نہ پھر امید رہی　　اب یاس کی آہیں بھرنا ہیں اور خون کے آنسو رونا ہے

کیا کہتے تھے حسرت ان سے کبھی فرقت میں کسے نیند آئے گی
حالانکہ وہ اب دنیا میں نہیں پھر بھی تمہیں ہر شب سونا ہے

یادِ یارِ بے نشاں آنے لگی　　اور یہ پرسش ہیں کہاں آنے لگی
خلوت جنت سے باصد لطف و ناز　　کامران و شادماں آنے لگی
بھول بیٹھی تھی جو مدت سے مجھے　　آج وہ پھر ناگہاں آنے لگی
کھینچ کے مے خود بارگاہِ زہد سے　　تا درِ پیرِ مغاں آنے لگی

ناز کر حسرت کہ پھر بحث کرم
تیرے ان کے درمیان آنے لگی

بازار ہے گرم غرب میں خوبانِ جہاں کا
ہر گل کی طرح حسن بھی کم بو ہے یہاں کا

غمزے ہیں وہ فطرت سے مبرا نہ وہ ناز میں گرمی
گم بُردِ تصنع میں ہے سب جوش بیاں کا

عشاق کی جانب سے تقاضائے وفا پر
کہتے ہیں وہ جھگڑا یہ نکالا ہے کہاں کا

وہ گرم ہو یا سرد وہ خوشبو ہو کہ خوش رو
منظورِ نظر ہے دلِ بے تاب و تواں کا

کیا کہیے کہ رہتا ہے بہر حال تصور
حسرت ہمیں لندن کی اسی آفت جاں کا

تا بپایت رسیدنم ہوس است
مردن و آرمیدنم ہوس است

یا غم تو کہ جانِ اہلِ وفا ست
مے راحت کشیدنم ہوس است

بکمال قصور درک و نظر
حسنِ روئے تو دیدنم ہوس است

شخصت از خیلِ ماہوشانِ فرنگ
دیدن و برگزیدنم ہوس است

از ریاض جمال او حسرت
گل امید چیدنم ہوس است

بے مہری اہل دل سے اس بت کی دیدنی ہے
قصہ ہمارے غم کا یارو شنیدنی ہے

آنکھ اسکی غمزہ پرور بات اسکی نغمہ در بر
یہ لے شنیدنی تھی وہ مے کشیدنی ہے

کیا کیا مزے اٹھیں گے کاوش کے خار غم سے
یاد اس کے ابروؤں کی دل میں خلیدنی ہے

جوشِ جنوں کا ہر دم ہے مجھ سے یہ تقاضا
وہ جیب ہو کہ دامن قطعاً دریدنی ہے

قطع نظر نہ کرلو اس بیوفا سے از خود
آفت یہ اک نہ اک دن حسرت رسیدنی ہے

آنکھ اس کی جو فتنہ بار اٹھی
ہر نظر الاماں پکار اٹھی

لے کے ہر جان کا شکیب جھکی
کر کے ہر دل کو بیقرار اٹھی

خیلِ خوبانِ شام سے وہ حسیں
بن کے سلمائے روزگار اٹھی

دین و ایماں کی خیر کہاں
جس کی جانب نگاہِ یار اٹھی

کر کے آخر وہ فتنۂ پلتور
دل حسرت کا بھی شکار اٹھی

قصر ورت سے ستمبر ۹ ۳۹ء (uncertain reading)

عیش میری شکستہ حالی کا
عکس ہے ان کی بے ملالی کا

عہدِ عشرت بھی تیرے ساتھ وہ تھا
کیا زمانہ فراغ بالی کا

حسن تیرا بامتزاج وفا
اک نمونہ تھا بے مثالی کا

پھر وہ آمادہ خرابی سر
پھر ہے مشتاق پائمالی کا

ہر یاں ہو کے پاس کچھ تو کرو
لبِ حسرت کی بے سوالی کا

۱۰ ستمبر ۳۹ء

قلعہ ہرنکال ان (uncertain reading)

رعنائی میں حصہ ہے جو قبرص کی پری کا
نظارہ ہے مسحور اسی جلوہ گری کا

رفتارِ قیامت یونہیں کیا کم تھی پھر اس پر
اک طرہ ہے فتنہ تری نازک کمری کا

پوشاک میں کیا کیا شجری نقش ہیں دل کش
باعث نہ ہی شوق کی ہوں جا دری کا

لاریب کہ اس حسنِ دل افگار کی سرخی
موجب ہے مرے زہد کی عصیاں نظری کا

باوصفِ تلاش ان کی خبر کچھ بھی نہ پا کر
کیا کہیے جو ہے حال مری بے خبری کا

منجھانا سے پیر زادہ ذکر لا ہرمزی (uncertain reading)

جب سے یہ سنا ہے کہ وہ ساکن ہیں یہیں کے
عالم ہے عجب شوق کی آشفتہ سری کا

ساتھ ان کے جو ہم آئے بھٹے سے بیروت حسرتؔ
یہ روگ نتیجہ ہے اسی ہم سفری کا

۱۴ ستمبر ۱۹۳۹ء

یونان کو مدت سے تھی موہان سے نسبت
شاید ہے مجھے بھی اسی عنوان سے نسبت

مائل جو ہوئے اس بت کافر کے اب ان کو
کچھ دین سے رغبت ہے نہ ایمان سے نسبت

حاصل ہے وہی مجھ کو ترے ساتھ سفر میں
فی الجملہ جو آقا کو ہو دربان سے نسبت

از بسکہ یہی میری کلری کا ہے مسکن
مجھکو بھی ہے اس خطۂ یونان سے نسبت

پیر یو سے مجھے وہی گویا ہے تعلق
حسرتؔ جو کسی جسم کو ہو جان سے نسبت

اب وہ فرماتے ہیں کیا میں نے دکھائیں آنکھیں
آپ نے مفت میں رو رو کے گنوائیں آنکھیں

مضطرب ہم بھی رہے رات تڑپ کر کاٹی
دل بھی بے چین رہا ان کی جو آئیں آنکھیں

حسن مغرب میں ہمیں ساعد و گیسو کے سوا
اور بھی کچھ نظر آیا تو وہ بھائیں آنکھیں

رات مجھ ملزم پابوس کو از راہِ کرم
سرزنش کچھ بھی نہ کی خود وہ لجائیں آنکھیں

داغ لگ جائے گا دامانِ وفا میں حسرتؔ
تم نے دیکھو جو کہیں اور لگائیں آنکھیں

ما دائے دل دلوانہ کرتے
یہ کرتے ہم تو کچھ اچھا نہ کرتے

وفا صادق اگر ہوتی ہماری
وہ کرتے بھی تو جور اتنا نہ کرتے

ہم اچھا تھا جو بہر پردہ پوشی
محبت کا تری چرچا نہ کرتے

سفرِ دہلی (الٰہی) ۱۷/۱۸ مئی ۱۹۲۹ء

ہماری فتنہ پردازی کا شکوا
جو ہم کرتے تو کچھ بے جا نہ کرتے

نگاہیں عاشقوں کی تھیں ہوس کار
وہ کیا کرتے اگر پردا نہ کرتے

جو پھر ملنے کی ہوتی کچھ بھی امید
تو ہم اس کے لئے کیا کیا نہ کرتے

طلب کا حوصلہ ہوتا کہ تو اک دن
خطاب اس بت سے بیباکانہ کرتے

ہمارا پاس انھیں کچھ بھی جو ہوتا
کسی کی اور ہم پروا نہ کرتے

شکیبائی کا دم رکھتے تو حسرت
انہیں یوں شوق سے دیکھا نہ کرتے

چاہیں نہ کبھی دردِ محبت کی دوا ہم
کہتے ہیں جو پابندیٔ آئینِ وفا ہم

آزار ترے شوق کا ہے جانِ تمنا
کوئی کہے کچھ بھی اسے کہتے ہیں شفا ہم

آرائشِ گیسو میں ہے مشغول وہ بدخو
ایسے میں اسے چھیڑ کے دیکھیں تو بھلا ہم

کیا پائیں تہِ جلوۂ مخمور کی لذت
چکھ دیکھیں نہ جبتک یہ ہے ہوش ربا ہم

خواہش کی باصرار یہ پرسش ہے تو کیوں ہے
ہمسے کہ بہر حال ہیں راضی برضا ہم

کر لیجئے کرتا ہے جو کچھ لطف و مدارا
پھر گردشِ دوراں میں کہاں آپ کجا ہم

حریتِ کامل کی قسم کھا کے اٹھے ہیں
اب سایۂ برٹش کی طرف جائینگے کیا ہم

گاندھی کی طرح بیٹھ کے کیوں کاتیں گے چرخہ
لینن کی طرح دینگے نہ دنیا کو ہلا ہم

اعلان کی تصدیق پس پشت ہے حسرت
مسلم ہیں تو دیکر نہ رہیں گے بخدا ہم

ہم رات کو اٹلی کے حسینوں کی کہانی
سنتے رہے رنگینیٔ دنیا کی زبانی

آنکھوں کا تبسم تھا مرے شوق کا موجب
چتون کی شرارت ہے مری دشمنِ جانی

ہونٹوں کے قریب آگئی جو وہ زلفِ معنبر
جھٹ چوم لیا ہم نے طبیعت ہی نہ مانی

ہوتی جو خبر اس کی تو کیا کیا نہ بگڑتی ۔ ثر و پائے غنیمت ہے کہ یہ بات نہ جانی
اٹلی میں تو کیا میں تو یہ کہتا ہوں کہ حسرت
دنیا میں نہ ہو گا کوئی اس شکل کا ثانی

دل شکاری میں نہیں دخل سر مو تیرا ۔ کام کرتی ہے تری نرگس جادو تیرا
مشک و عنبر میں یہ تفریح کے سامان کہاں ۔ پیرہن ان سے بھی کچھ بڑھ کے ہے خوشبو تیرا
دل پذیری کے ہر انداز کی ہے تجھ سے نمود ۔ رخ بھی رنگیں ہے ترا قد بھی ہے دلجو تیرا
شکل زیبا ہے تری شہرہ دنیائے جمال ۔ کشور حسن میں چرچا ہے بہر سو تیرا
جان عاشق کے لئے نیش محبت بن کر ۔ پئے آزار ہوا عقرب گیسو تیرا
کج ادائی کا تری ہم بھی نہ دیدیں جو جواب ۔ تو نہ میرا ہے نہ ہیں اے بت بدخو تیرا
آہ وہ رات کہ اس رات کو باوصف حجاب
سر حسرت کے لئے وقف تھا زانو تیرا

تمہارا ناز فرمانا بُرا ہے ۔ ہمارا ہوش میں آنا بُرا ہے
ترا ہر بات پر اے حیلہ پرور ۔ مرے سر کی قسم کھانا برا ہے
تکلف سب سے کر اے جان محفل ۔ مجھی سے تیرا شرمانا برا ہے
یہی کہدو کہ اب ملنا نہ ہو گا ۔ یہ ترڑ پاتا یہ ترسانا بُرا ہے
مری ہر دم کی بے تابی سے جل کر ۔ وہ کہتے ہیں یہ دیوانا برا ہے
مرے دل سے ہے راضی غم تمہارا ۔ نہ کہنا اب یہ کاشانہ برا ہے
یہی کہدے نہ اک دن اے ستم گر ۔ تری حاجت کا بر لانا برا ہے
وہاں بھی کیا نہیں اصنام پندار ۔ تو کیوں مسجد سے بتخانہ برا ہے

ہرے ہو جائیں گے سب داغ دل کے تمنا حسرت ادھر جانا برا ہے

گو شکوہ او خطا نباشد این ہم ز منش روا نباشد
مے داند و خوب می شناسد آں کو بمن آشنا نباشد
ہیہات اگر فقیر خستہ مشمولۂ اغنیا نہ باشد
دریا نیز کہ پاکباز عشقست در زمرۂ اصفیا نباشد

بہ پاے مرحبا است حسرت
از وے چہ خوش دچہا تبا شد

بری ہو کے اندیشہ بیش و کم سے ہم آسان گزرے حد و دِ حرم سے
سماں مسجد خیف کی برکتوں کا بڑھا خوب نظارہ جام جم سے
کریں گے وہ کیا ہے کے عیش دوام جو عشاق گردیدہ ہیں ان کے غم سے
عطا پاش اندکہ تھی رحمت ان کی دلی بن کے چھپکے خطا کار ہم سے

ہمیں بھی ملے حسرت اے کاش حصہ
در حضرت حق کے فیض اتم سے

فنا ہے بقا مسلک عاشقی میں اگر رد تنا ہو دیار نبی میں
کبھی دیکھ لو گے خود اپنی گلی میں جو کچھ ہم ہیں نظلے ہوئے اپنی جی میں
خوشا ربط تازہ نیاز محبت کہ جنگ ہے نہ ہے آشتی میں
ہمیں بھی ہے ناز اپنی جانبازیوں پہ جو وہ فرد ہیں شیوۂ دلبری میں
سفر جب نہ ہو پھر مدینہ سے حسرت وہ کب آئیں گے دل تشنگی میں

یہ ملک تمنا بصد طرفہ کاری ترا شوق کرتا رہے شہر یاری
ترے در پہ عشاق اے شاہِ خوباں غلامانہ کرتے رہیں جاں نثاری
رضا تیری ثابت ہے اپنی خوشی سے مقدم بآئینِ خدمت گزاری
تری نذر کو لائے ہیں نقدِ جاں ہم بصد عذر خواہی بصد شرمساری

شرف رکھتی ہے پادشاہی پہ بیشک
مدینے کی حسرت غریب الدیاری!

کھلے جس سے گلہائے امید واری سواری تری ہے کہ بادِ بہاری
جز افزائشِ غم جدا ہو کے تم سے ہمیں کیا ملا حاصلِ اشکباری
ترے درد میں سخت مشکل ہے ساقی کہ باقی رہے رسم پرہیزگاری
خود ان پر نہیں روشن اے کاش ہوتی جو ہے ان کی فرقت میں حالت ہماری

وہ قائم ہیں خوئے تغافل پہ اب تک
نہ کام آئی حسرت مری بے قراری

مصیبت بھی راحت فزا ہو گئی ہے تری آرزو رہنما ہو گئی ہے
یہ وہ راستہ ہے دیارِ وفا کا جہاں بادِ صرصر صبا ہو گئی ہے
میں درماندہ اس بارگاہِ عطا کا گنہگار ہوں اک خطا ہو گئی ہے
ترے رتبہ دانِ محبت کی حالت ترے شوق میں کیا سے کیا ہو گئی ہے

پہنچ جائیں گے انتہا کو بھی حسرت
جب اس راہ کی ابتدا ہو گئی ہے

ترے غم کی ناشادیاں چاہتا ہوں!
محبت کی بربادیاں چاہتا ہوں
میں اس قید کی سرفرازی پہ نازاں
تمنا کی آزادیاں چاہتا ہوں
میں ویرانۂ دل میں اس نورِ جاں کے
تصور کی آبادیاں چاہتا ہوں

49

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضمیمۂ دیوانِ حسرت موہانی

جس میں

سید فضل الحسن حسرتؔ موہانی بی اے ایڈیٹر رسالہ اردوئے معلیٰ علیگڈھ

کی

چند ابتدائی غزلیں درج ہیں جو موہان فتحپند اور
علی گڑھ میں بزمانہ طالب علمی لکھی گئیں۔

از ۱۸۹۴ء تا ۱۹۰۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میں بھی امیدوار ہوں باغِ نعیم کا
آخر گناہگار ہوں کیسے کریم کا

وابستۂ حکیمِ ازل ہے مرا علاج
واقف نہیں کوئی مرے حالِ سقیم کا

آوارگی پسند ہے صحرائے شوق کی
طالب نہیں خدا سے میں عقلِ سلیم کا

حد سے نہ بڑھ چلیں تری غفلت شعاریاں
کر کچھ تو پاس میری وفائے قدیم کا

ہے بوئے شوق سے جو معطر مشامِ جاں
ارماں نہیں ہوائے جناں کی شمیم کا

حاجت نہیں کہ اس سے کروں عرضِ آرزو
بندہ ہوں میں خدائے کریم و علیم کا

حسرت مجھے پسند نہیں طرزِ لکھنؤ
پیرو ہوں شاعری میں جنابِ نسیم کا

خنجرش ماند از روانیہا
شکوہ دارم ز سخت جانیہا

منم دگر پئے نہانیہا!
رفت با دوست شادمانیہا

بدلش نالہ ام نہ کرد اثر
تا چہ آید ز بے زبانیہا

غیر د لطفِ نوازشش پیدا
منم و پرسشِ نہانیہا

بدلم دخلِ شادمانی نیست
می کند یاس پاسبانیہا

بخیالش دلم تسلی شد
میہماں کرد میزبانیہا

بکہ گویم فسانۂ حسرت
کہ کند آہ راز دنیا

(طرحِ غزلِ غالب مشاعرہ ۲۴ جولائی ۱۹۵۸ء)

مجھے ہو خواہشِ بالِ ہما کیا — نہیں میں ان کے کوچے کا گدا کیا
جو آنا ہے تو آئے بے تکلف — یہ عرضِ جلوۂ حیرت فزا کیا
نہیں ہے خاطرِ خرم کی پروا — مجھے کم ہے دلِ درد آشنا کیا
نبھی بیماریِ الفت سے برسوں — کریں اب ہم تمنائے شفا کیا
دلِ وقفِ الم ہاں پھر تو کہنا — وہ رنجِ ہجر کا ہے ماجرا کیا
نہ ہو مجھ سا کوئی محوِ تمنا — ہوا کرتی ہیں باتیں دل سے کیا کیا
گرا پائے ساقی پر نشے میں — ترا اسے لغزشِ پا پوچھنا کیا
یہ کہتا ہے مرا دستِ تمنا — حیا ان کی بنا لے گی مرا کیا

ہوا حسرت مجھے پھر ذوقِ صحرا
جنوں نے پھر مجھے سمجھا دیا کیا

(فانی) (طرح ۲۷ مئی ۱۹۲۵ء)

نہ ہوگی شفا چارہ گر دیکھ لینا — نہ جائے گا دردِ جگر دیکھ لینا
وہ شرمائے بیٹھے ہیں گردن جھکائے — غضب ہو گیا اک نظر دیکھ لینا
نہ بھولے گا وہ وقتِ رخصت کسی کا — مجھے مڑ کے پھر اک نظر دیکھ لینا
وہ شرمائی صورت وہ نیچی نگاہیں — وہ بھولے سے ان کا ادھر دیکھ لینا

کہاں ہم کہاں وصلِ جاناں کی حسرت
بہت ہے انہیں اک نظر دیکھ لینا

(ایضاً)

دردِ الفت کیا کہوں کیا ہو گیا — روحِ جسمِ جانِ شیدا ہو گیا

مانعِ فریاد اب کوئی نہیں ہا
مجھ کو سمجھے لوگ سودا ہو گیا
گریۂ بے تاب نے رسوا کیا
حالِ دل سب آشکارا ہو گیا
بار بار آتا ہے یہ کس کا خیال
بیخودی بتلا مجھے کیا ہو گیا
ان کی ہمنامی تو حاصل ہو گئی
غم نہیں حسرت جو رسوا ہو گیا

میری نگہِ شوق کا شکوا نہیں جاتا
سوتے میں بھی وہ پاس سے دیکھا نہیں جاتا
پاس ان کے تصور میں بھی جایا نہیں جاتا
سر سے قدمِ ناز لگایا نہیں جاتا
جا کر کوئی اس محوِ تغافل سے یہ کہدے
اب تو دلِ بیتاب سے تڑپا نہیں جاتا
کرتے تھے کبھی حوصلۂ ترکِ محبت
اب صدمۂ دوری بھی اٹھایا نہیں جاتا
اصرار نہ احباب کریں سیرِ چمن کا!
میں کشتۂ دوری نہیں جاتا نہیں جاتا
اب اس کو تغافل نہ کہوں میں تو کہوں کیا
کیا خواب میں بھی آپ سے آیا نہیں جاتا
امید نہیں ان سے ملاقات کی ہر چند
آنکھوں سے مگر شوقِ تماشا نہیں جاتا
گھبرا کے کہا صبر نے بیتابیٔ دل سے
اب مجھ سے دلِ زار میں ٹھہرا نہیں جاتا
واللہ تجھے چھوڑ کے اے کوچۂ جاناں
حسرت سے تو فردوس میں جایا نہیں جاتا

کیا کہوں تم سے مدعا کیا ہے؟
کاشش میں خود ہی جانتا کیا ہے
حالِ دلِ دردمند پھر تو ذرا
وہ تپِ غم کا ماجرا کیا ہے
حکم پر ان کے جان دیتا ہوں
میں نہیں جانتا قضا کیا ہے
میں تو رونے پہ خود ہوں آمادہ
اے غمِ یار چھیڑتا کیا ہے
زیرِ دیوارِ یار رہتا ہوں!
حاجتِ سایۂ ہما کیا ہے

مستِ صہبائے شوق ہوں حسرتؔ
ہوش جانے مری بلا کیا ہے

کیا تم کو علاجِ دلِ شیدا نہیں آتا
آتا ہے پر اس طرح کہ گویا نہیں آتا

ہو جاتی تھی تسکین سو اب فرطِ الم سے
اس بات کو روتے ہیں کہ رونا نہیں آتا

تم ہو کہ تمہیں وعدہ وفائی ہی نہیں خو
میں ہوں کہ مجھے تم سے تقاضا نہیں آتا

ہے پاس پہ کس کی نگہِ محوِ حیا کا
لب تک جو مرے حرفِ تمنا نہیں آتا

ان کی نگہِ مست کے جلوے ہیں نظر میں
بھولے سے بھی ذکرِ مے و مینا نہیں آتا

شوخی سے وہ معنائے ستم پوچھ رہے ہیں
اب لفظِ جفا بھی نہیں گویا نہیں آتا

میں درد کی لذت سے رضامند ہوں حسرتؔ
مجھکو ستمِ یار کا شکوا نہیں آتا

[illegible] علیگڑھ ۱۹۰۱ء

جوشِ ارماں میں خیالِ رخِ زیبا نہ رہا
کثرتِ شوق سے یارائے تماشا نہ رہا

پھیر لی پیرِ خرابات نے جب چشمِ کرم
ہمکو بھی حوصلۂ ساغر و مینا نہ رہا

کام بیمارِ محبت کا شفا سے گزرا
خواہشِ مرگ ہوئی شوقِ مسیحا نہ رہا

میرے اظہارِ وفا کی انھیں پروا نہ رہی
ان کی تخصیصِ جفا کا مجھے دعوی نہ رہا

اب تو ہیں وحشتِ حسرتؔ کے فسانے مشہور
زورِ دیوانگیِ قیس کا چرچا نہ رہا

[illegible] علیگڑھ ۱۹۰..

تصور میں بھی ان کے کچھ عجب عالم نکلتا ہے
اسی پر تو میری حیرانیوں کا دم نکلتا ہے

وہ ظاہر میں عبث دلدادۂ بیگانہ خوئی ہیں
کہیں دل سے خیالِ الفتِ باہم نکلتا ہے

دل مایوس میں ہوتا ہے خون آرزو حسرت
وہی آنکھوں سے بن کر اشک غم پیہم نکلتا ہے

۱۱ اگست ۱۹۰۱ء مشاعرہ علیگڑھ کالج

دل کہ فکرِ وصال کرتا ہے — شوقِ امرِ محال کرتا ہے
عشقِ رفتارِ یار کافی تھا — چرخ کیوں پائمال کرتا ہے
دلِ مضطر کی سادگی دیکھو — پھر انہیں سے سوال کرتا ہے
شرمِ عصیاں سے غرق کا ساماں — عرقِ انفعال کرتا ہے
دلِ مایوس بھی عجب شے ہے — پھر اسی کا خیال کرتا ہے

تو گرفتارِ عشق ہے حسرت
تجھ کو ناداں خیال کرتا ہے

مشاعرہ ۔۔۔ جون ۱۹۰۰ء

عشق میں ضبطِ غمِ شوق کا دعوی چھوٹا — ہاتھ سے دامنِ صبرِ دلِ شیدا چھوٹا
ہے اس شوخ سے اگلی سی محبت نہ رہی — گلۂ ترکِ ملاقات کا جھگڑا چھوٹا
اب نہیں کوئی بھی ارمان خوشا ناکامی — ایک آفت سے دلِ وقفِ تمنا چھوٹا
واقفِ بیخودیِ عشق سے پوچھے کوئی — قیس کے ہاتھ سے کیوں دامنِ لیلی چھوٹا

نہ رہی دشت نوردی کی ہمیں بھی حسرت
ہم سے جس روز سے وہ بادیہ پیما چھوٹا

مشاعرہ ۔۔۔ ۱۹۰۰ء

غم پر خوں سے بپا کرتا ہے اک نالا پڑا — آہ کس نا آشنا سے تھا ہمیں پالا پڑا
نا امید دل سے گیا تھا جانبِ ملکِ اثر — سو وہاں ناکام لوٹے ہے مرا نالا پڑا
ایک ٹھوکر سی ہی اے شوخ بے پروا خرام — رہگذر میں ہے تری اک آرزو والا پڑا
رہ چکا تھا میں بیان اس شعلہ رو کے حسن کا — سو لبِ تقریر میں گرمی سے چھالا پڑا

کرتی تھی لیلائے شب خدمتِ کامل نثار (ق) سو رہا تھا بام پر وہ گیسوؤں والا پڑا

اس شرابی کا وہ عالم آجتک نظروں میں ہے

حسرتِ دیوانہ دل پھرتا ہے متوالا پڑا!

بیتاب نظر آیا بدنام نظر آیا
عاشق جو نظر آیا ناکام نظر آیا

ناکامیِ ہجراں نے یہ رنگ جہاں بدلا
جو صبح کا جلوہ تھا سو شام نظر آیا

اے آہ دلِ عاشق دیکھیں تری تاثیریں
پہلے سے بھی وہ بڑھ کر خودکام نظر آیا

اللہ ری محرومی اللہ ری ناکامی
جو شوق کیا ہم نے سو خام نظر آیا

اس شغل سے آنکھوں کو دم بھر بھی نہیں فرصت
روتے ہیں وہ کیا ایسا آرام نظر آیا

ہم جس کو سمجھتے تھے سرمایۂ آزادی
وہ عشقِ بتاں آخر اک دام نظر آیا

رسوائی کی گلیوں میں پھرتا ہے پڑا حیراں

یہ عشق کا حسرت کے انجام نظر آیا!

موسمِ گل میں وہ چلنا بادِ عشرت خیز کا
یاد ہیں وہ مستیاں وہ توڑنا پرہیز کا

ہمنے دیکھا ہے جنوں شوریدگانِ شوق کا
مت سنا واعظ فسانہ شورِ رستاخیز کا

سیکڑوں کو کر دیا دل باختہ جاں باختہ
ہائے عالم اس کی رفتارِ قیامت خیز کا

وہ بگڑنا بھی کبھی مجھ سے تو ملنے کیلئے
یاد ہے انداز تیرے جورِ لطف آمیز کا

پیروِ تسلیم ہوں رشید ادائے انداز نسیم!

شوق ہے حسرت مجھے اشعار حسرت خیز کا

عاشقم با طرب چہ کار مرا
میکشد رنج انتظار مرا

چشمِ مستش بعشق داد سبق
بے خبر کرد و ہوشیار مرا

من حیراں کجا و عقل کجا! ناصحا با جنوں گذار مرا
یاد آں نازنین ہر حرام ہیچ نگذاشت از قرار مرا
دردِ دل را دوا نمی خواہم کاں ز یار است یادگار مرا
ہیچ ناید زنسبتش حسرت
از غم عشق ناگوار مرا

آج وہ شوخ جو نوشاہ بنا ملکِ خوبی کا شہنشاہ بنا
رخِ رنگیں پہ وہ رنگیں سہرا دلربائے دلِ آگاہ بنا
جلوۂ حسن نکھرے دل پر حشر بنا تھا سو ناگاہ بنا
جب ملی جذبۂ شادی سے حیا گاہ بگڑا وہ حسیں گاہ بنا
بے نقابی پہ جمالِ رخِ یار مظہرِ قدرتِ اللہ بنا
نگہِ ناز کی تمکیں بڑھی حسنِ ذیشان سے ذیجاہ بنا
دلِ حسرت بھی کہ تھا محوِ الم
آج شادی کا گزرگاہ بنا

کیا پوچھتے ہو عاشقِ بیمار کا مزاج آہ اس قدر ہے لذتِ آزار کا مزاج
شاید تم اپنے ہاتھ سے دوگے اسے سزا ہے عرش پر تمہارے گنہگار کا مزاج
عادت اسے بھی ہو گئی رونے کی بے سبب میرا سا ہو گیا مرے غمخوار کا مزاج
کس کس کا خون آج نہ جانے دیکھئے بگڑا ہوا ہے یار کی تلوار کا مزاج
میرا نشاں مٹا کے تامل ہے اسمیں کیوں اللہ رے ان کی شوخیِ رفتار کا مزاج
وہ اور دیکھے عاشقِ بیکس کے حال کو کس نے بدل دیا نگہِ یار کا مزاج

میں کیا کہوں کہ شرم سے کیسے جھکا کے سر
پوچھا انھوں نے حسرتؔ بیمار کا مزاج

عیدِ لکھنؤ ۱۹۱۰ع

بڑھ گئی ہے انکے آجانے سے شانِ روزِ عید
آسماں پہ ہے دماغِ رتبہ دانِ روزِ عید

ہو رہا ہے میزباں محوِ تماشائے جمال
میہمانِ بیخودی ہے میہمانِ روزِ عید

بیقراری اپنی کردوں اپنی شوخی پر نثار
اور آخر کیا انہیں دوں ارمغانِ روزِ عید

وہ حیا پرور ملا کس طرح مجھ سے کیا کہوں
بیخودی افزا ہے لیکن داستانِ روزِ عید

بے رخی ہے آج کی رسمِ مروت سے بعید
کچھ تو کر اے حیلہ جو پاسِ نشانِ روزِ عید

ہوں خیالِ خاطرِ احباب سے ظاہر میں خوش
ورنہ میں مجبور اور خوش ہوں میانِ روزِ عید

خاطرِ غم دیدۂ حسرتؔ ہے محوِ غم ہنوز
کر چکے ہیں بارہا ہم امتحانِ روزِ عید

گو گئی حد سے پائمالیٔ عتاب ترکِ کلام کب تک
رہیگی مسدود اے ستمگر رہِ پیام و سلام کب تک

بہت ستاتی ہے اسکی دوری تلافیٔ غم بھی ہے ضروری
ہو جلد صبحِ وصال یارب رہیگی فرقت کی شام کب تک

مریدِ پیرِ مغاں ہوں آخر مجھے خطر کیا ملامتوں کا
خیالِ ناموس و ننگ چھوڑوں رہیگی یہ پر دام کب تک

قفس میں صیاد بن کے ہمیں تو بیرحم چھوڑ رہا دے
میانِ امید و بیم آخر رہینگے ہم زیرِ دام کب تک

اگرچہ خود دلفگار بھی ہیں مگر تغافل شعار بھی ہیں
وہ کر چکے تجھ پہ لطف حسرتؔ آرزوئے ناتمام کب تک

جنوری ۱۹۱۲ع علیگڈھ

کچھ عرضِ حال کرنے نہ پائے کسی سے ہم
کس طرح شکوہ سنج نہ ہوں بیخودی سے ہم

دھومیں مچی ہیں آمدِ فصلِ بہار کی
مانوس دل کو پاتے ہیں دیوانگی سے ہم

واعظ بیان روضۂ رضواں سے فائدہ
آگاہ ہو چکے ہیں کسی کی گلی سے ہم

ناکامیوں پہ اپنی ہنسی آگئی تھی آج
سو کتنے شرمسار ہوئے بیکسی سے ہم

اللہ رے مزاج کی حسرت پرستیاں
ہمدردی الم سے بڑھا اور بھی الم

کیا پوچھنا ہے لطف الٰہیِ شوق کا
وہ بر سر جفا ہیں تو ہم مائل وفا

ابر بہار میں نہ ہوا کے جناں رہی
ملتا نہیں جو ہوش کا اپنے کہیں پتا

کس درجہ دل پذیر ہے حیرانی جنوں
حسرت ہیں وقف پیروی مومن و نسیم

جفا سے بعد مردن بھی ہمیں وہ شاد کرتے ہیں
فغاں لب تک نہیں لاتے کبھی ہم یادِ گلشن میں

کہیں کیا ہجر میں کیونکر دلِ مضطر بہلتا ہے
نہیں ہیں بے سبب اشکِ ندامت انکی آنکھوں میں

جفائے ناروائے یار کا شکوہ کر حسرت
ستائے نہ مجھے یوں ہی دلفگار ہوں میں

برا نہ مانیو اے کج ادائی جاناں
انہیں نے توڑ کے تو یہ شراب پلوائی

گئے وہ دن کہ تمنائے وصالِ یار کی تھی
ترا یہ رنگ کہ ہے بے سبب خفا مجھ سے

نہ دوں بہشت کے بدلے میں ایک جام غزل

[illegible]

گویا کہ آشنا ہی نہیں ہنسی سے ہم
باز آئے اے ہمنشیں تری اس دوستی سے ہم

ملتے ہیں ایسے رنج سے بھی کس خوشی سے ہم
تنگ آ گئے ہیں شوق کی دلبستگی سے ہم

یعنی نہ ہاتھ کھینچ سکے مے کشی سے ہم
اب اسکا حال پوچھیں گے وارفتگی سے ہم

فارغ ہیں شوقِ عزت فرزانگی سے ہم
کیوں سلسلہ ملائیں کسی لکھنوی سے ہم

لگا کر ٹھوکریں خاکِ لحد پر یاد کرتے ہیں
قفس میں بھی خیال خاطرِ صیاد کرتے ہیں

نہ پوچھو کیسے تسکین دل ناشاد کرتے ہیں
وہ میرا گریۂ ناکام شاید یاد کرتے ہیں

کہیں دلدادگانِ درد بھی فریاد کرتے ہیں
رلائیے نہ مجھے خود ہی بے قرار ہوں میں

بگڑ کے تجھ سے نہایت ہی شرمسار ہوں میں
رہیں ابر ہوں منت کش بہار ہوں میں

یہ حال اب ہے کہ ممنونِ ہجر یار ہوں میں
مرا یہ حال کہ بیوجہ بے قرار ہوں میں

نہ آفتاب سے بدلوں وہ بادہ خوار ہوں میں

وہ دردمند ہوں حسرتؔ کہ اب بجائے ستم ... کرے جو لطف بھی کوئی تو اشکبار ہوں میں

زہد و تمکیں ہو نہ رندوں میں نہ میخواروں میں لکھو ... بیخود ہر دو جہاں ہوں ترے سرشاروں میں ہوں

بیخودی ہائے محبت کا نہ پوچھو حال کچھ ... بیخبر ظاہر میں ہوں باطن میں ہشیاروں میں ہوں

درد الفت سے نہیں واقف مگر کیا کم ہے یہ ... عاشقانِ درد کے میں کفش برداروں میں ہوں

اے خوشا قسمت شرابِ بیخودی کا ہوں خراب ... اے زہے تقدیر ان آنکھوں کے بیماروں میں ہوں

بیوفائی تجھ کو کیا معلوم کہتے ہیں کسے ... وہ مری سرکار میں انکے وفاداروں میں ہوں

لے گئی ہے بیخودی کیا جانئے تجھ کو کہاں ... میں نہیں ہوں محفلِ یاراں میں گو یاروں میں ہوں

بیخودی میں کیا ہوا کرتا ہے کیا جانے کوئی ... سب سمجھتے ہیں یہی مجھ کو کہ بیکاروں میں ہوں

خفتہ بختانِ محبت کا یہ کہتا ہے نصیب ... ظاہرا سوتا ہوں میں باطن بیداروں میں ہوں

نامِ آزادی زباں پر پھر مری حسرتؔ آئے کیوں ... کس لئے آخر دامِ الفت کے گرفتاروں میں ہوں

لکھنؤ ۱۸۹۶ء

ہو چکا ہم پہ نہ ہم شکوۂ بیداد کریں ... تا کجا خاطرِ بے رحمیِ صیاد کریں!

طعن وہ لعد کو دیں مستِ محبت کا مجھے ... پہلے خود بیخودیِ عشق عدو یاد کریں

بسملِ شوق ہیں ملتا ہے تڑپنے میں مزا ... سخت جانی کا گماں ہم پہ نہ جلاد کریں!

کیا سمجھتا ہے اسیرانِ قفس کو صیاد ... دل ہلا دیں جو کبھی درد سے فریاد کریں

اور بھی جائے گی بیچین طبیعت حسرتؔ ... عیشِ ایامِ تمنا کو نہ ہم یاد کریں

علیگڑھ ۱۸۹۵ء

بسر کی عمر ساری کوئے جاناں کی گدائی میں ... بلا جانے مری کیا ہیں مزے فرمانروائی میں

نہیں معلوم یہ کس کعبۂ ارماں کی چوکھٹ ہے ... کہ سر اپنا جھکا جاتا ہے شوقِ جبہہ سائی میں

خیالِ یار سے تسکین خاطر ہو تو ہو شاید ... تسلی اور دیگا کون شبہائے جدائی میں

نہ ہے بیکس نوازی وہ دلِ بیمار پہ میرے ... نہیں کرتے ستم مشہور ہیں گو کج ادائی میں

جو اب نامہ بلائے شوق سے محروم ہیں حسرتؔ — جفائیں ہو رہی ہیں پر وہ صبر آزمائی میں

(انتخاب) ۱۹۰۰ء

ترکِ ہوسِ زلفِ چلیپا نہیں ممکن — اب جائے مرے سر سے یہ سودا نہیں ممکن

پھر اور تغافل کا سبب کیا ہے خدایا — میں یاد نہ آؤں انہیں ایسا نہیں ممکن

تسکین سے بڑھتی ہے جلن اور بھی دل کی — یعنی تپشِ دل کا مداوا نہیں ممکن

نقشِ قدمِ یار کو بھی پاسِ ادب سے — مثلِ کفِ پا سر سے لگانا نہیں ممکن

کب تک دلِ مضطر نہ کرے دردِ فریاد — اب اے ستمِ صبر تقاضا نہیں ممکن

اس بیخودیِ شوق کی ہو کس سے شکایت — وہ سامنے ہیں پھر بھی تقاضا نہیں ممکن

جنت کی تمنا ہو ترے کوچے کے ہوتے — حسرتؔ سے یہ اے حورِ سراپا نہیں ممکن

فروری ۱۹۰۱ء (نظم) فتحپور

جو اس دخترِ رز سے بہت دور ہوں میں — شرابِ محبت کا مخمور ہوں میں!

نہ در پئے لطفِ رندی و مستی — تماشائے عیش مو فور ہوں میں

لگی ہے مرے لب پہ مہرِ خموشی — مگر واقفِ سر مستور ہوں میں

دکھا دوں مزا ان کو ان کے ستم کا — مگر پاسِ الفت سے مجبور ہوں میں

خراباتیانِ محبت کا بندہ — وہی حسرتِؔ رندِ مشہور ہوں میں

اپریل ۱۹۱۱ء علیگڑھ

وہ کس کس شرم سے عذرِ جفا تقریر کرتے ہیں — مگر پاسِ وفائے عاشقِ دلگیر کرتے ہیں

بحسرت دیکھتے ہیں غیر پر لطف و کرم انکے — بہ ناکامی سپاس آہِ بے تاثیر کرتے ہیں

گرفتارانِ غم کو کیا ضرورت قیدِ ظاہر کی — ترے سودائیوں کو لوگ کیوں زنجیر کرتے ہیں

بھلا دیتی ہے مضمون یاد اس محوِ تغافل کی — بڑی مشکل سے مکتوبِ وفا تحریر کرتے ہیں

نہیں یارا رہے خاموشی کہاں تک ضبطِ غم حسرتؔ — فراقِ یار میں ہم نالہ شبگیر کرتے ہیں

ملتے ہیں اس ادا سے کہ گویا خفا نہیں — کیا آپ کی نگاہ سے میں آشنا نہیں

تسکین ہم نشیں سے بڑھا درد اور بھی — یعنی غم فراق کی کوئی دوا نہیں
شوق لقائے درد کی ہیں ساری خاطریں — ورنہ دعا سے اور کوئی مدعا نہیں
کب تک کسی کے ناز تغافل اٹھائے دل — کیا امتحانِ صبر کی کچھ انتہا نہیں
محرومیوں نے دل کا یہ کیا حال کر دیا — گویا امید وصل سے ہم آشنا نہیں
ارماں مرے وصال میں نکلیں تو کس طرح — جوشِ طرب سے دل میں کہیں راستا نہیں!
شوقِ جفا سے آج تلک انسے رسم ہے — کہتا ہے ان کو کون کہ وہ باوفا نہیں
آتا تو ہوں خیال میں ان کے کبھی کبھی — میں موردِ جفا ہوں تو یہ بھی برا نہیں!
خود اس کو میری عرضِ تمنا کا شوق ہے — کیوں ورنہ سنے ہے کہ گویا سنا نہیں
میری نگاہ شوق پہ اس درجہ خفگیاں — اور اپنی چشم شوخ کو مطلق سزا نہیں
حسرت مرے کلام میں مومن کے رنگ ہیں — ملکِ سخن میں مجھ سا کوئی دوسرا نہیں

فیض آباد ۔ جون ۱۹۰۲ء

کب یہ کہتے ہیں کہ ہم تیرے گنہگار نہیں — ہاں مگر اتنی جفا کے بھی سزاوار نہیں
میرے اظہار ندامت کو پشیمان کیا — اب نہ کہتا کہ ہمیں رحم سے انکار نہیں
عقل بھی اصل میں اک شعبۂ حیرانی ہے — ہوشیاری ہے یہی میری کہ ہشیار نہیں
نہیں آپ جفا سے جو نہیں باز آتے — جایئے جایئے اب ہمکو بھی اصرار نہیں
خرمی شوق شہادت کو مبارک حسرت — تجھ کو ابرام ہے اس شوخ کو انکار نہیں

آگرہ ۵ ستمبر ۱۹۱۰ء

محو حسرت ہوں وقفِ محنت ہوں — ہیں کہ دلدادہ محبت ہوں
لاابالی مزاج رکھتا ہوں — شاعر مبتلا طبیعت ہوں
عالم بیخودی میں ہے مشکن — مست ہوں ہوں ہوشیار حیرت ہوں
حکمرانِ دیار استغنا — صاحبِ دولتِ فراغت ہوں

جھانسی جولائی سنہ ۱۹۱۰ء

الغرض کیا بتاؤں کون ہوں میں ‌ ‌ حسرت ایک آشنائے حسرت ہوں

فصلِ بہار آئی ہے جوشِ گل چمن میں! ‌ ‌ اک دھوم سی مچی ہے مستانِ نعرہ زن میں

سیکھی تھی خود فروشی مکتب میں آرزو کے ‌ ‌ یا نے ہیں درس غیرتِ اس بت کی انجمن میں

تیری نزاکتوں کی اے نازکی سراپا ‌ ‌ تشبیہ گل میں پائی ہم نے نہ یاسمن میں

دیوانہ کر دیا ہے یہ کس کی آرزو نے ‌ ‌ چرچا ہے کس صنم کا ہر شیخ و برہمن میں

تو دے گی فصلِ گل کیا پیمانِ پارسائی ‌ ‌ جان آ چکی ہے پھر کچھ اک خواہش کہن میں

اس جانِ مضطرب کو نکھر قرار آئے ‌ ‌ آفت کی شوخیاں ہیں اس حسنِ سحر فن میں

واں غیرتِ محبت کچھ دیکھنے نہ دے گی ‌ ‌ جانے کو یوں تو حسرت جائے اس انجمن میں

۷/۱۱/اکتوبر ۱۹۰۰ء

میں ہوں اے زلفِ سیہ تیرے پریشانوں میں ‌ ‌ نام میرا بھی لکھا ہے ترے دیوانوں میں

دستِ نازک سے تو قاتل کے نہ اٹھی تلوار ‌ ‌ اور ہوا نام مرا مفت گرانجانوں میں

کوئی سرخوش ہے کوئی مست ہے کوئی بے خود ‌ ‌ میکشوں کے بھی عجب رنگ ہیں میخانوں میں

کر دیا جس نے مجھے دونوں جہاں سے غافل ‌ ‌ ایسی کیا شے تھی وہ ساقی ترے پیمانوں میں

گھر کیے ارمانوں میں کتنا وہ تصور کا ترے ‌ ‌ ہائے یہ مجھ کو کہاں لائے ہیں بیگانوں میں

یاد ایام کہ ہم جوشِ جنوں میں حسرت ‌ ‌ خوار پھرتے تھے پریشان بیابانوں میں

۱۸۹۹/۷/۱۹ء

در دامِ غمش عشق دل زار چہ گویم ‌ ‌ افسانہ آں مرغ گرفتار چہ گویم

اندازہ لطفِ سخن یار ندانم ‌ ‌ اے بے خبر از لذت آزار چگویم

یک جلوہ مستش ز جہاں بیخبرم کرد ‌ ‌ از حال تماشائے رخ یار چہ گویم

ہمہ احباب و جفائے ہجر ال ‌ ‌ کردند چہ با حسرت بیچارہ چہ گویم

میں تو سمجھا تھا قیامت ہو گی ‌ ‌ خبر پھر صاحب سلامت ہو گئی

۱۸۹۷ء

مسجد ویراں میں کون جائے واعظا
اب تو اک بت سے ارادت ہو گئی

جب میں جاتوں دل میں بھی آؤں آ یاد میں
گرچہ ظاہر میں عداوت ہو گئی

ان کو کب معلوم تھی طرز جفا
غیر کی صحبت قیامت ہو گئی

عشق نے ان کے سکھا دی شاعری
اب تو اچھی فکر حسرت ہو گئی!

[illegible]

ہائے رے بربادِ سامانی مری
بیکسی کرتی ہے دربانی مری

تجھ سا آوارہ نہ پایا مرے بعد
مدتوں روئی پریشانی مری

چوم کر ان کے قدم نادم ہوں میں
ہائے رے چھوٹی پشیمانی مری

ہو رہا ہے غیر مجھ سے بدگماں
ہنس رہی ہے پاک دامانی مری

واسطہ زلفِ پریشاں کا نہیں
نہ مجھ ہی جاوے پریشانی مری

ہو گئی ظاہر لباسِ شعر میں
وہ جو پنہاں تھی پریشانی مری

ہو جسے ہو خواہشِ عقلِ سلیم
مجھ کو تو اچھی ہے نادانی مری

[illegible]

کہا کیا ان کے درد دل نشیں سے
کوئی پوچھے دل اندوہگیں سے

حنا محسودِ چشمِ عاشقاں ہے!
لگی ہے ان کے پائے نازنیں سے

وہ اس انداز سے کرتے ہیں اظہار
کہ ہاں کا کام لیتے ہیں نہیں سے

تماشا ہے دلوں کی آگ ساقی
بجھا دیتا ہے آبِ آتشیں سے

ستم کرتے ہیں پردے میں حیا کے
غضب ڈھاتے ہیں چشمِ سرمگیں سے

نسیم کوئے جاناں ہے کہ حسرت
ہوا آتی ہے فردوسِ بریں سے

[illegible]

مضطرب ہے بہت میری طبیعت کئی دن سے
دیکھی جو نہیں آپ کی صورت کئی دن سے

میخانے سے محروم چلے آتے ہیں یونہی
ہوتی نہیں ساقی کی عنایت کئی دن سے

چھیڑے ہے مجھے پھر خلشِ خارِ محبت — بےچین ہے پھر میری طبیعت کئی دن سے
مجھ سا بھی نہ ہو محوِ تصور کوئی یعنی — ملتی نہیں رونے کی بھی فرصت کئی دن سے
کہتے ہیں جنوں بیخودیِ عشق کو احباب — سودا ہے کیا کیا مری حیرت کئی دن سے
کس فتنۂ محشر نے کیا وصل سے انکار — برپا ہے مرے دل میں قیامت کئی دن سے
ہے ناک میں دم اور بھی بیچین ہوں حسرتؔ — کرتے ہیں جو احباب نصیحت کئی دن سے

ہزاروں بار نکلے اشک لیکن پھر بھی کم نکلے — الٰہی اور کیسے آرزوئے چشمِ نم نکلے
خرامِ ناز سے مر کر ہزاروں ہو گئے زندہ — مسیحا سے بھی بڑھکر تیرے اندازِ قدم نکلے
ہزاروں بار چھیڑا جوشِ غمہائے فرقت نے — ہزاروں بار آنسو آپ کے سر کی قسم نکلے
کیا پھر جذبۂ بے اختیارِ شوق نے واپس — ابھی ہم کوچۂ جاناں سے تھے دو ہی قدم نکلے
رہے کوئی کہاں تک کشمکش ہائے محبت میں — نہ غم جائے نہ نکلیں حسرتیں دل کی نہ دم نکلے
جفا سے تارودے آیا ربھی اک لطفِ پنہائی — کہیں تجھ سے نہ اے دل دیکھنا ذوقِ ستم نکلے
خیالِ خاطرِ احباب سے رہتے تھے خوش حسرتؔ — حقیقت میں گرفتارِ غم و رنج و الم نکلے

۹۷/۹ء

وہ جو بیچین ہوئے دیکھ کے حالت میری — ہو گئی اور پریشان طبیعت میری
رات بھر انکے تصور سے ہوا کیں باتیں — کیا ہی آرام سے گذری شبِ فرقت میری
لذتِ دردِ جگر سے ہے یہی کچھ آگاہ — اللہ اللہ رے بیچینیِ طبیعت میری
مشغلہ ڈھونڈھ ہی لیتی ہے کوئی رونے کا — بیٹھنے دیتی نہیں چین سے حسرت میری
دیکھ لینا کہ وفا میری رلائیگی تمہیں — یاد آئے گی مرے بعد محبت میری
بیقراریِ شبِ ہجراں کی ہے مرغوب مجھے — کچھ عجب چیز ہے اے درد طبیعت میری
آہ وہ ذکر یہ حسرتؔ کے کسی کا کہنا — لوگ کہتے ہیں کہ ہے اس کو محبت میری

۹۵/۷/۶ء

فکر آزادی و آرام سے آزاد رہے
عمر بھر خوب ہوا قیدی صیاد رہے

منت لطف عزیزاں سے تو آزاد رہے
ہم سفر میں رہے ناشاد کبھی تو شاد رہے

صفت بیخودی شوق نہ پوچھو ہم سے
مست ہو کر غم کونین سے آزاد رہے

لطف اسمیں بھی ملا نسبت جاناں سے ہمیں
غم شبہائے جدائی سے کبھی ہم شاد رہے

رہ دے جاناں کو نہ حاجت کبھی نازش کی ہوئی
یعنے ہم حیرتی حسن خداداد رہے

ہم اسیران قفس حال کہیں کیا اپنا
عمر بھر مورد بے رحمی صیاد رہے

قصہ ترک محبت کی حقیقت معلوم
حسرت اور قید غم عشق سے آزاد رہے

۲۲ شوال ۱۳۱۵ از مرادآباد

کہاں شکوے تجھے جور ناروا کے
کہاں اب شوق ہیں انکی جفا کے

سناتے ہیں انہیں افسانہ کیسں
بہلنے ہیں یہ عرض مدعا کے

زباں کو وقف شکر جور کر کے
مزے کیا کیا لئے ان کی جفا کے

نگاہ شوق کو شکوے بہت ہیں
تمہارے جلوۂ حیرت فزا کے

کچھ ایسا لطف ہے ان کے ستم میں
وفا قربان ہوتی ہے جفا کے

مشام جاں معطر ہو رہا ہے
دکن سے آتے ہیں جھونکے صبا کے

نگاہوں میں بسے ہیں اپنی حسرت
وہ جلوے ان کے انداز حیا کے

۱۸۹۹ از علیگڑھ کالج

خدا جانے تجھے اے دل تمنائے شفا کیوں ہے
یہ انکے در سے بوجہ آخر تو خفا کیوں ہے

یہ کس کی شوخی رفتار نے فتنے اٹھائے ہیں
ابھی گزرا ادھر سے کون یہ آفت بپا کیوں ہے

مچی ہے حسرتوں میں دھوم کس کا تیر آیا ہے
دل پر آرزو میں آج شور مرحبا کیوں ہے

حسینان جہاں کو انکے ہوتے میں نہ چاہونگا
کوئی عیسی نفس کیوں ہے کوئی یوسف لقا کیوں ہے

وہ ہے قسمت سنا ہے نام کس کا آج کانوں نے
زباں پر میری حسرت کلمۂ صل علی کیوں ہے

۱۸۹۰ از الہ آباد

۱۸۹۹ء علی گڑھ

غمِ ہجراں کا یارب کس زباں سے ماجرا کہیے
نہ کہیے گر تو کیا کیجئے اگر کہیے تو کیا کہیے

شبِ غم جز خیالِ یار اپنا کون مونس ہے
اسی کو دوست کہیے، یار کہیے آشنا کہیے

سمجھئے قدرداں گر یہ حسرت کسے یارب
کسے اب محرمِ رازِ دلِ درد آشنا کہیے

سمجھئے دل کو ہمدم کس کے شوقِ بے نہایت کا
نگاہِ شوق کو کس کی نظر کا آشنا کہیے

اسی سے کچھ تسلی ہو دلِ ناشاد کی شاید
خیالِ یار سے دردِ جگر کا ماجرا کہیے

کہاں ہر لحظہ پیشِ دوست محوِ لطف رہتے تھے
کہاں یہ صدمہ ہائے غم اٹھاتے ہیں کہ کیا کہیے

نسیم صبح جاتی ہے سوئے ملکِ دکن حسرت
پیتمہائے جدائی کا اسی سے ماجرا کہیے

۱۸۹۹ء [illegible] مسودہ

وہی آرزوئیں ہیں حسرت وہی ہے
مجھے تم سے اب تک محبت وہی ہے

ہوئی گرچہ ترکِ محبت کو مدت
مگر مجھ کو رونے کی عادت وہی ہے

بظاہر وہ ہر چند مجھ سے خفا ہوں
مگر دل ہی دل میں محبت وہی ہے

جو کی ہے تو یہ بھی تو کیسی توبہ
ابھی ابر آئے تو عادت وہی ہے

بسر ہوگی کیوں کر شبِ ہجر حسرت
ابھی تک تپِ غم کی شدت وہی ہے

۱۸۹۸ء [illegible] مسودہ

جفا تیری بہت اے بے مروت بڑھتی جاتی ہے
مجھے بھی خواہشِ ترکِ محبت بڑھتی جاتی ہے

ادھر جرمِ محبت پر وہ برہم ہوتے جاتے ہیں
ادھر دل میں تمنائے شہادت بڑھتی جاتی ہے

وہ اظہارِ وفا پر بھی جفائیں کرتے جاتے ہیں
دلِ وقفِ ندامت کی ندامت بڑھتی جاتی ہے

بظاہر ان میں گو خوئے تغافل آتی جاتی ہے
مگر ہے یوں کہ ان کو مجھ سے الفت بڑھتی جاتی ہے

سکھا دی ہیں نرالی شوخیاں کچھ لطفِ جاناں نے
مرے دستِ تمنا کی شرارت بڑھتی جاتی ہے

جمالِ یار میں ہر دم ترقی ہوتی رہتی ہے
دلِ حیراں کی جب سے روز حیرت بڑھتی جاتی ہے

طبیعت خوگرِ دردِ محبت ہوتی جاتی ہے
تمہارے جورِ بے پایاں کی لذت بڑھتی جاتی ہے

ادھر شبکو وہ محوِ خوابِ راحت ہوتے جاتے ہیں ادھر آنکھوں نکو مایوسی کی حسرت بڑھتی جاتی ہے

شعبان ۱۳۵۸ھ

بہار آتی ہے ساقی بادۂ گلگوں پلانا بھی کہاں کی پارسائی کیسی توبہ جام لانا بھی
ہوا کیا فائدہ ناصح نصیحتہائے بیجا سے مرا سر کس لیے کھایا بھلا کچھ میں نے مانا بھی
ستم کیا کیا ہونگے پردہ مبرآزمائی میں انہیں جور و جفا کا مل گیا اب تو بہانا بھی
بدل دی انکی عادت صحبتِ اغیار نے کیسی کہ انکو آگیا نالہائے مضطر کا ستانا بھی
یہ حالت انتہائے ضعف نے کردی مری آخر کہ جوشِ غم سے اب ممکن نہیں آنسو بہانا بھی
وہ آغازِ محبت میں کرم ان کا وفا ان کی رہیگا یاد حسرت ہمکو برسوں وہ زمانہ بھی

شعبان ۱۳۵۸ھ

نہ ملے گر نہیں ملتا کوئی یاں بھی پروا نہیں کرتا کوئی
لطف پر ختم ستم کرتے ہیں کرنے پاتا نہیں شکوا کوئی
ناامیدی کا برا ہو آخر اب نہیں دل میں تمنا کوئی
یاد آئیں گی وفائیں میری تجھ سا شیدا نہ ملے گا کوئی
خود ہی بدنام جہاں ہوں حسرت کیا کرے گا مجھے رسوا کوئی

شعبان ۱۳۵۸ھ

از دلِ شد گاں حجاب تا کے یعنی ز من اجتناب تا کے!
اے آتشِ ہجرِ یار رحمے آخر ز تو دل کباب تا کے
مغرور مشو بہ دلپسندی ایں رونق و آب و تاب تا کے
تا کے بہوائے تو بسوزم بے عزت آفتاب تا کے
مستی بگزار حسرت آخر ایں چنگ و نے و رباب تا کے
ہم پہ طعنے ترکِ الفت کے یہ نئے ڈھنگ ہیں شرارت کے
موردِ لطفِ یار تھے جب ہم وہ بھی ایام تھے قیامت کے

بس ہے ناکامی و فنا کا خیال ۔۔۔ اب نہیں حوصلے محبت کے
گریۂ بے قراری محرومی ۔۔۔ ہم تو قائل ہیں تیری لذت کے
ظلم کر کے مری وفا سے یہ کیوں ۔۔۔ ہو رہے ہیں گلے شکایت کے
جان ناکامی محبت ہے ۔۔۔ مرتبے ہیں یہ اشک حسرت کے

مارچ ۱۹۰۰ء علیگڑھ کالج

فلک سے تو نہ ہوا وصل کا ساماں کوئی ۔۔۔ تو ہی تدبیر بتا اے دل ناداں کوئی
وصل میں بندہ نہیں درخور جاناں کوئی ۔۔۔ بیخود شوق سے ہوتا نہیں ساماں کوئی
ہم نے بھی شکوۂ بیداد کی کھائی ہے قسم ۔۔۔ دیکھیو جور کا رہ جائے نہ ارماں کوئی
موسم گل میں عجب رنگ میں دیوانوں کے ۔۔۔ پاک داماں ہے کوئی چاک گریباں کوئی
رہ نوردان جنوں سے آپ کو پوچھو حسرت ۔۔۔ جانتے کیا مرتبۂ خار مغیلاں کوئی

۱۸۹۹ء مشاعرہ علیگڑھ کالج

تاثیر صبر کی ہے نہ میری دعا کی ہے ۔۔۔ وہ مائل وفا ہیں یہ قدرت خدا کی ہے
دل میں بھی اپنے جور سے نادم نہیں ہو تم ۔۔۔ سچ سچ کہو قسم تمہیں مری وفا کی ہے
کب شب فراق سے دیتا نجات کون ۔۔۔ جان نزار پر یہ عنایت قضا کی ہے
سنتے ہیں آج کل ہیں وہ پھر مائل جفا ۔۔۔ تقدیر اوج پر دل درد آشنا کی ہے
حسرت غلام شافع روز شمار ہے ۔۔۔ کب اس کو فکر پرسش روز جزا کی ہے

۱۹۰۰ء مشاعرہ علیگڑھ کالج

چادر میں چھپے ہوئے حیا سے ۔۔۔ کیا کہئے وہ آئے کس ادا سے
مشتاقوں نے کر ہی لی زیارت ۔۔۔ تم کام نہ لے سکے حیا سے
وہ مجھ پر کرم کریں تو کیونکر ۔۔۔ مجبور ہیں عادت جفا سے
معلوم ہے ان کی کج ادائی ۔۔۔ کیا فائدہ عرض مدعا سے
ہم میں اثر وفا ہے نا حق ۔۔۔ شکوہ نہیں آپ کی جفا سے

۱۸۹۸ء جھانسی

کچھ عرض ہی کر سکے نہ حسرتؔ
نادم ہیں ہم اپنے مدعا سے

۱۹۰۵ء

بیکلی سے مجھے راحت ہو گی
چھیڑ دیں آپ عنایت ہو گی

وصل میں ان کے قدم چومیں گے
وہ بھی گر ان کی اجازت نہ ہو گی

بیقراری کے مزے لوٹیں گے
آج پھر درد کی شدت ہو گی

ایک دن کھول کے جی رولیں گے
ضبط غم کی جو اجازت ہو گی

قصۂ غم نہ کہوں گا حسرتؔ
جور کی ان کے پاس شکایت ہو گی

۱۹۰۶ء

رنجِ ہجراں میں قیامت کا مزا ہوتا ہے
دردِ الفت بھی غضب عیش فزا ہوتا ہے

جا چکا سر سے مرے عشق بتاں کا سودا
اب کوئی لاکھ بھی سمجھائے تو کیا ہوتا ہے

خو گرِ ہجر کو ہوتی ہے تڑپ سے تسکیں
دردِ خود دردِ محبت کی دوا ہوتا ہے

چشم جاناں کے ہیں دنیا سے نرالے انداز
جب نظر کرتی ہے اک لطف نیا ہوتا ہے

وہ خفا ہیں کہ دعا بھی تھی شکایت میری
میں ہوں محجوب کہ اب دیکھئے کیا ہوتا ہے

شکوۂ غم نہ کیا ہے نہ کروں گا حسرتؔ
اس میں بھی جاناں کا گلا ہوتا ہے

۱۹۱۰ء

حسرتِ زار کو یارانِ وطن بھول گئے
مرغِ پابند کو مرغانِ چمن بھول گئے

ہم نے تکلیف محبت میں وہ راحت پائی
کہ طریقِ گلۂ رنج و محن بھول گئے

خوبروئی تری مشہور رہی عالم میں
لوگ افسانۂ عذرا و ومن بھول گئے

نہ ملیں گے دل بیتاب کرے لاکھ اصرار
ہم بھی جاناں تجھے اے عہد شکن بھول گئے

غلبۂ درد سے ہیں درد سراپا اشعار
یعنی ہم پیرویِ اہلِ سخن بھول گئے

ایک ہمدردی رسوا تھی انیس حسرتؔ
وہ رسوا بھی اسے جا کے دکن بھول گئے

کرنے لگے کرم کے عوض کچھ ادائیاں
وہ وعدہائے لطفِ فراواں کدھر گئے

وہ بر سرِ کرم ہیں تو ہم ہوش میں نہیں
یارب ہمارے دل کے سب ارماں کدھر گئے

ابتک درِ قبول سے نالے پھرے نہیں
کیا جانئے کہ ہو کے پشیماں کدھر گئے

حسرت جفائے یار کی کیوں ہیں شکایتیں
پاسِ وفا کے وہ ترے پیماں کدھر گئے

جھوم جھوم کرنے لگا ابرِ بہاری دیکھئے
کب تلک باقی رہے پرہیزگاری دیکھئے

پھر ہے اس بیدادگر سے شوقِ عرضِ آرزو
خاطرِ ناکام کی بے اختیاری دیکھئے

ہے تمنا دل میں ابتک اک نگاہِ لطف کی
جور اپنا دیکھئے حسرت ہماری دیکھئے

جوشِ گل کے ساتھ پھر جوشِ جنون ~~لگا~~ بڑھنے لگا
اٹھ چلی دنیا سے رسمِ ہوشیاری دیکھئے

یار سے خط و کتابت تھی سو وہ بھی اب نہیں
بختِ ناہموار کی ناسازگاری دیکھئے

نازبردارِ الم لکھا ہے نامے میں مجھے
اس سراپا ناز کی مضموں نگاری دیکھئے

خاطرِ محروم کا اللہ رے پاسِ دنیا
ہے ابھی تک مائلِ امیدواری دیکھئے

حالِ دل پر آگئی تھی کچھ ہنسی سی ہجر میں
حسرتِ محوِ الم کی شرمساری دیکھئے!

۲۵ / نومبر سنہ ۱۹۱۵ء علیگڑھ

سروں کو ہوگیا ہے انس شوقِ پائمالی سے
نہ پوچھو اس شرابی کے خرامِ لاابالی سے

نظر میں پھر گئیں کیفیتیں سب عہدِ ساقی کی
بھر آئے اشکِ خوں نظارۂ میخانۂ خالی سے

پریشانی پہ گیسو کے ہزاروں ناز ہیں شاید
وہ بے پروا نہیں واقف مری آشفتہ حالی سے

انھیں دھوکے میں ڈالا ہے ہماری خونفشانی نے
نشاں دیتے ہیں اشکِ سرخ چہرے کی بحالی سے

وہ عرضِ رحم کو سمجھے شکایت جورِ بیجا کی
بہت بگڑے مرے افسانۂ آشفتہ حالی سے

یہ گل ہیں یا کھلے ہیں منہ حسینانِ گلستاں کے
مگر سب محوِ حیرت ہیں کسی کی خوش جمالی سے

ہماری قدردانی خوب کی شانِ نظر تم نے
ملا ہے خلعتِ حسرت اسی دربارِ عالی سے

خود بجاں آیا ہوں جورِ خاطرِ غمناک سے | میں نہیں ڈرتا تمہارے خنجرِ بیباک سے
اضطرابِ دل کی آخر تجھ سے ہیں کیوں پرسش | پوچھ لیں خود آپ اپنے غمزۂ چالاک سے
گردشِ پیمانۂ ساقی تری کیا بات ہے | کر دیا آزاد فکرِ گردشِ افلاک سے
دخترِ رز کی پارسائی تجھ سے واعظ کیا کہیں | ذوقِ صہبا دور ہے ظالم ترے ادراک سے
ہم اسیرانِ ستم پر قہر ہے منعِ فغاں | ہے سکوں دشوار صیدِ بستۂ فتراک سے
شوقِ جنت سے ہیں فارغ عاشقانِ کوئے یار | پوچھ دیکھے کوئی ہم افتادگانِ خاک سے
آہِ درد آلود میں حسرت نہ ہو کیونکر اثر | نکلی ہے آخر ہمارے سینۂ صد چاک سے

آشنا ہیں جلوہ ہائے ساقیٔ مخمور سے | کیا غرض ہم کو بیانِ ماجرائے طور سے
رات بھر ہوتی رہیں باتیں دلِ رنجور سے | کچھ نہ پوچھو شغلِ ناکامِ شبِ دیجور سے
واقفِ دیوانگی ہیں مائلِ جوشِ جنوں | شوقِ سودا جا چکا اپنے سرِ پرشور سے
ہمنشیں وہ کیا ہوئے آغازِ الفت کے مزے | پھر رلا دے اس زمانِ عیش کی مذکور سے
پرسشِ عشاق کو سمجھے جو نقصِ دلبری | کام مجھ کو آ پڑا ہے اس بتِ مغرور سے
وہ سراپا لطف مفتونِ تغافل ہو گیا | اور ہم رہنے لگے محروم سے مجبور سے
شکوۂ غم کی اجازت ہو سو یاں وہ بھی نہیں | ناک میں دم ہے دیارِ شوق کی دستور سے
اب کہاں وہ دن ہوے سیرِ چمن کے اے بہار | اس قدر اصرار کیوں ہے عاشقِ مجبور سے
ترکِ الفت پر بھی دل کی کچھ عجب حالت ہوئی | دیکھ کر اس کافرِ نا آشنا کو دور سے
کیوں نہ دادِ درد میں حسرتؔ ہم نظیریؔ کی نظر | ہے تعلق ہم کو آخر خاکِ نیشاپور سے

عذرِ گناہ پہ بھی اس دلربا کی کج ادائی | اللہ ری کم نگاہی اللہ ری بے وفائی
دل کی ہجومِ غم سے حالت بدل گئی ہے | اے کاش کہ نہ ہوتی اس شوخ سے لڑائی

بجلیاں کر رہی ہے سحر دمی تمنا — بیتاب کر رہا ہے رنجِ شبِ جدائی

کچھ بھی اثر نہیں ہے اس پُر جفا کے دل پر — اس رنجِ بے اثر کی دیکھی شکستہ پائی

تیرا فسوں کہاں ہے اے گریۂ ندامت — کر آہِ نارسا کی کچھ تو ہی رہنمائی

عفوِ خطا کی حسرت بیکار ہیں امیدیں — اُس دشمنِ وفا سے اب ہو چکی صفائی

علی گڑھ ۱۹۰۰ء

شرمِ جفا سے لطفِ سراپا بنے ہوئے — وہ آج کل ہیں جانِ تمنا بنے ہوئے

شاہِ جنوں نے خلعتِ آزادگی دیا — زنداں میں ہیں خیال کے صحرا بنے ہوئے

حسرت کہ تھے فدائے تماشائے روئے یار — سو خود ہی پھر رہے ہیں تماشا بنے ہوئے

رنگِ حرماں وہ کہاں زمزمۂ شادی میں — قید کا لطف نہیں راحتِ آزادی میں

رنگ لایا اثرِ سوزِ دروں کا شکوہ — پڑ گئے آبلے آخر لبِ فریادی میں

حسرت اک ریگِ رواں ایک ہے دریائے رواں

فرق یہ ناسخ و آتش کی ہے استادی میں

جیل الہ آباد ۱۹۰۸ء

رُباعی

جاناں کہ ہزار جاں فدایش بادا

صد چوں منِ زار در ہوایش بادا

ایں رتبہ کجا کہ جاں فدایش گویم

البتہ فدائے کفِ پایش بادا

عبارت خاتمۂ دیوانِ حسرت موہانی حصہ اول (طبع ثانی)
متعلق بہ ضمیمہ الف

طبع اول کے دیباچہ میں بیان ہو چکا ہے کہ ۱۸۹۳ء سے ۱۹۰۲ء تک کی شاعری کا ایک بڑا مجموعہ نظموں قصیدوں قطعوں غزلوں اور نظم انگریزی کے ترجموں کی شکل میں راقم حروف کے پاس موجود ہے جس کی نسبت گمان یہ تھا کہ نظرِ ثانی کے بعد قابلِ اشاعت ہو جائیگا۔ لیکن بعد میں کچھ تو اس خیال سے کہ ابتدائی کلام کی اصلاح و ترقی کی یہ کوشش کوہ کندن کاہ برآوردن کی مصداق قرار پائے گی اور کچھ اس لحاظ سے کہ رفتہ رفتہ راقم حروف کی طبیعت نے اپنے لئے اصناف سخن میں سے غزل کو اپنے حسبِ حال پاکر منتخب کر لیا ہے۔ اس کل مجموعۂ خرافات کو یک قلم نظر انداز کر دیا۔ البتہ چند غزلیں ضرور رہنے دیں لیکن ان کو بھی اپنے ابتدائی لباس میں بلا اصلاح چھوڑ دیا تاکہ اہل نظر کو ان کے مطالعہ سے راقم حروف کے مذاقِ سخن کی تدریجی ترقی کا اندازہ ہو سکے۔ ان غزلوں کی کمزوری اور بے رنگی کے متعلق نقادان کلام سے عفو اور درگزر کی امید ہے۔

فقط

بندۂ محبت فقیر حسرت موہانی علی گڑھ

۴ / اپریل سنہ ۱۹۱۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

ضمیمہ "ب" کلیات حسرت موہانی مشتمل بر نظم الحج و غزلیات

بابتہ ۱۲ء و ۲ھ

نظم الحج

حج کو ہوا حکم رسول کریم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جنوری تا سلسلۂ پرواز کا
مسئلۂ سامان خدا ساز کا

بحر عرب میں بسکون تمام
مرکب الیاس ہوا خوش خرام

راہ طلب کٹنے لگی بے خطر
غلبۂ صفرا تھا نہ دوران سر

رحمت حق سب کی ہوئی دستگیر
کچھ نہ رہا فرق امیر و فقیر

جدہ میں اگر رہے پا در رکاب
شام سے تا صبح بصد اضطراب

جذب کی تاثیر دکھانے لگا
ہر سفری دھوم مچانے لگا

گریۂ بیتاب کی شدت ہوئی
دل کی عجب شوق سے حالت ہوئی

رو بہ حرم کن کہ دران خوش حریم
ہست سیہ پوش نگارے مقیم

گنگ ہوئی بسکہ زبان مقال
طوف حرم کا نہ کھلا کچھ بھی حال

دید کے قابل ہے وہ دوران عشق
طوف میں ہوں جبکہ غلامان عشق

قافلہ والوں نے بصد امتیاز
خیف کی مسجد میں ادا کی نماز

جوش میں تھی رحمت پروردگار — سننے کو ہر ایک دکھی کی پکار
صبح کو مزدلفہ میں پڑھ کر نماز — آ کے منا میں ہوئے پھر محو راز
پھر بھی بلا حجت و چون و چرا — دل سے سب احکام یہ لائے بجا
راہنما جب کشش دل ہوئی — سخت جو تھی نرم وہ منزل ہوئی
ختم ہوئی قلتِ زادِ سفر — چلنے لگی یادِ مرادِ سفر
سطح فلک صاف ہوا معتدل — بادِ بہاری بھی ہو جس سے خجل
وقت یلملم میں ہوا شام کا — شور مچا پوشش احرام کا
تلبیہ پر لب ہوئے دیوانہ وار — عاشق سرگشتہ رواں سوئے یار
پہنچے جو موٹر پہ حدود حرم — گریۂ شوق آہ سے ہو کر بہم
قبلۂ مقصود پہ کی جب نظر — رہ نہ سکی کچھ سر و پا کی خبر
کعبہ کی خوبی بزبانِ عجم — دیکھئے کیا خوب ہوئی ہے رقم
قبلۂ خوباں عرب روئے او — سجدہ سوئے خال عجم سوئے او
کچھ نظر آیا تو یہ آیا کہ یاں — اک کرم حق کا ہے دریا رواں
آٹھویں ذی الحجہ کو بعد از شام — جبکہ ہوا جا کے منا میں قیام
چل کے منا سے عرفات آئے سب — دل میں لئے شوق نجات آئے سب
موردِ اکرامِ الٰہی ہوئے — شام سے مزدلفہ کو راہی ہوئے
رمی جمرو ذبح بدن و حلق سر — مرحلت ان کی نہ کچھ آئی نظر
طوف زیارت پہ ہوا حج تمام — نظم بھی یہ ختم ہوئی السلام

نوٹ:- یہ نظم ماہ ذیقعدہ سنہ ھ میں فقیر کے پہلے سفر حج کے دوران میں جہاز رحمانی پہ شروع کی گئی بعد میں حج مکہ میں ختم ہوئی۔

لے چلی ہے پھر آرزوئے حرم
عاشقانِ حرم کو سوئے حرم

ملتی جلتی ہے چال نوازی میں
بوئے باغِ جناں سے بوئے حرم

دیکھ لیتے ہیں صاف اہلِ نظر
جلوۂ حق کو روبروئے حرم

شانِ ربّ العلا نظر آئی
چشمِ دل کو زہے علوئے حرم

منہ دو عالم سے موڑ کر حسرتؔ
بیٹھ رہنے کو بس ہے کوئے حرم

[illegible]

پھر آنے لگیں شہرِ محبت کی ہوائیں
پھر پیشِ نظر ہو گئیں جنت کی فضائیں

لے قافلے والو، کہیں وہ گنبدِ خضرا
پھر آئے نظر ہم کو کہ تم کو بھی دکھائیں

ہاتھ آئے اگر خاکِ ترے نقشِ قدم کی
سر پر کبھی رکھیں کبھی آنکھوں سے لگائیں

نظارہ فروزی کی عجب شان ہے پیدا
یہ شکل و شمائل یہ عبائیں یہ قبائیں

کرتے ہیں عزیزانِ مدینہ کی جو خدمت
حسرتؔ انھیں دیتے ہیں وہ سب دل سے دعائیں

[illegible]

دل ہے نازاں کہ تری صورتِ زیبا دیکھی
آنکھ حیراں کہ اک حسن کی دنیا دیکھی

پہلے آنکھیں ہوئیں گرویدہ پھر آنکھوں کی طرح
چاہنے دل بھی لگا آپ کو دیکھا دیکھی

بدگماں تجھ سے کبھی کیوں غیر کے مانند ہوئے
تجھ کو دیکھا نہ مرے دل کی تمنا دیکھی

فطرتِ حسن ہے بیباک مگر ہم یہاں
تیری شوخی میں بھی اک شانِ حیا دیکھی

[illegible]

لے صغار مدینہ کی شان میں

۲۔ اس سال احباب و اعزائے کانپور و لکھنؤ نے پندرہ سو روپے سے زیادہ کی رقم فقیر کے ذریعہ سے عزیزانِ مدینہ کی خدمت میں پیش کی۔ یہ اشارہ اسی جانب ہے۔

زلفِ شبرنگ پہ گلنار لباسی کی بہار
آج حسرتؔ نے رُخِ یار میں کیا کیا دیکھی

گر حسن دولت است بہ گنجش امید نہ — ورناز خاتمے است بہ زیبش نگینہ
شبہا بسے بہ عیش بسر بردی ہنوز — مخمور آں خمار لطیف و شبینہ
حسرتؔ بہ عرضِ حال نکو شد کہ فی المثل
شایانِ سنگ ہر زہ نبود آبگینہ

(برجھار جیل ۲ فروری ۱۹۱۶ء)

عجب ہم کو آیا نظر ایک آج — طرحدار معشوق عاشق مزاج
دل اس کا محبت کے غم سے قریں — نظر اس کی سوز دروں کی امیں
توجہ کا لے جو تغافل سے کام — کرم جس کی بے اعتنائی کا نام
بچے اس سے کیونکر دلِ عاشقاں — جسے خود ہو سودائے حسنِ بتاں
وہ حسرتؔ نہ کیوں دل نوازی کرے
جو چھپ چھپ کے خود عشق بازی کرے

(ایضاً ۴ فروری)

کس درجہ دل پسند ہے پوشش یہ خواب کی — آئینہ دار آپ کے حسنِ شباب کی
کرتی ہے دل کو اور بھی آمادۂ ہوس — تیری یہ بے رخی یہ ادا اجتناب کی
اہلِ نظر سے آپ کو لازم نہ تھا حذر — ہوتی ہے اہلِ فسق سے حاجت حجاب کی
کچھ ان کو قدرِ شوق نہیں، ورنہ آرزو — امیدوار تھی کرمِ بے حساب کی
حسرتؔ وہ بے نیازِ محبت ہیں، کچھ انھیں
اب تک خبر نہیں ترے حالِ خراب کی

ہم نے ہر بات اپنے حق میں جانی آپ کی — مہربانی ہو کہ ہو نامہربانی آپ کی

ہے نرالی سبز کی بھی رُت رے روشن نہار (ایضاً ۵ فروری) اور وہ بھی بہتر تھی لیکن ارغوانی آپکی
خود غرض ہم کو بھی ٹھہرایا جو غیروں کی طرح ‌ دیکھئے اچھی نہیں یہ بدگمانی آپ کی
آپ کے معشوق ہو کر عاشقی کی داستان ‌ کاش ہم بھی ایک دن سنتے زبانی آپکی

اس گلِ رعنا کا حسرت یونہی کیا کم تھا جمال
ہو گئی ہے طرّہ جس پر خوش بیانی آپ کی

پھر کہاں دل رہے کہاں نہ رہے (ایضاً) جب تمہیں اس پر مہرباں نہ رہے
خود غرض عشق، خوفِ حسن کو بھی (ایضاً) چاہتا ہے کہ درمیاں نہ رہے
دلِ شکن کیوں بنو ہمارے لئے ‌ تم یہ مانا کہ دلستاں نہ رہے
یاس بہتر ہے، دیکھ او بے مہر ‌ آرزو کوئی نیم جاں نہ رہے

مان لیں پیر ہم کو بھی حسرت
عشقِ حسرت اگر جواں نہ رہے

نہ پوچھو خاطرِ بسمل میں کیا ہے (ایضاً) یہ خود سوچو تمہارے دل میں کیا ہے
بہ نارہ جہدِ پیہم ہو تو خطرہ (ایضاً) فریبِ دوریٔ منزل میں کیا ہے
ہوس مجرم ہے، پر لذتِ گنہ کے ‌ تمہارے دعوئ باطل میں کیا ہے
سزا دو گے ہمیں کب تک کہاں تک ‌ خدا جانے تمہارے دل میں کیا ہے

دعا کر دہ میں خود ورنہ حسرت
تری اس سعئ بے حاصل میں کیا ہے

ہر دم انہیں یاد ہے کسی کی ‌ چھپتی نہیں بات عاشقی کی
دلِ شاہدِ حسن کا طلب گار ‌ آنکھیں غمِ آرزو سے خونبار
اثنائے راہِ کراچی تا دہلی ۸ر فروری ۱۴۸ء

شوق اس کا بری خود التجا سے
بیگانہ ہے عرضِ مدعا سے

کردار میں ہیں سب اسکے مستور
معشوقی و عاشقی کے دستور

حسرتؔ السیوں کی پائے بوسی
کچھ عیب نہیں قسم خدا کی

(اقتضائے حالات دیکھئے مشاعرہ اقرودی)

ہر سمت مری چشم تمنا نگراں ہے
معلوم نہیں جلوۂ جانانہ کہاں ہے

شاید یہ وہی ہے جو مرے شوق نظر کے
باطن میں تو موجود ہے ظاہر میں نہاں ہے

عاشق جسے کہتا ہے محبت کا فریضہ
بدعت کا اسی چیز پہ زاہد کا گماں ہے

کونین کی راحت سے بھی بہتر جو بدلے
دل درد محبت کا ترے مرتبہ داں ہے

حسرتؔ کا دل آئینہ ہے اک صورت حق کا
گو اس کی نظر شیفتۂ حسن بتاں ہے

(۱۳۳۳ھ اقرودی اسلام پور طرح مشاعرہ)

طالب ہوں فیض غم کا اک حسن بے نشاں سے
دست سوال میرا اونچا ہے آسماں سے

اظہار آرزو کی آئی نہ ان سے نوبت
دل نے دریغ رکھا اس راز کو زباں سے

اک طرفہ ماجرا ہے یادِ وصف خود نمائی
قصدِ عذر کسی کا بنو وہ عاشقاں سے

عشق بتاں ہے بیشک تمہید حق پرستی
رقبہ ہے ملکِ دل کا ملحقِ دریار جاں سے

حسرتؔ کو عاشقی میں تھا زعم پختہ کاری
پھر بھی شکست کھائی اس شوخ نکتہ داں سے

جب سوا میرے نہ تھا کوئی نشانہ تیرا
یاد ہے مجھ کو ابھی تک وہ زمانہ تیرا

پاکے وہ گرم نظر مجھ کو سرِ عرشۂ جہاز[1]
کبھی چھپنا تو کبھی پھر نظر آنا تیرا

---

[1] جہاز رحمانی کا اپر ڈک (UPPER DECK)

میرے اصرار پہ وہ ہاتھ چھڑا کر آخر — دستخط آپ سے اردو میں بنانا تیرا

کج ادائی کے لئے شوق کو ٹھہرانا ہوس — تجھ سے کچھ خوب نہیں ہے یہ بہانا تیرا

کانپور

رام اخلاص نہ ہو جن کی مروت حسرت — ۱۹ ر ستمبر ۱۹۴۱ء

کیا قیامت ہے دلِ ایسوں سے لگانا تیرا

آپ کیوں ہم کو نامراد کریں — اپنے عہد وفا کو یاد کریں

حسن کا حق ہے صاحبا ہم اسے — ہدیۂ بندگی سے شاد کریں

کیوں نہ ہو ہم کو ناز جب وہ بھی — دعوئ عاشقی پہ صاد کریں

خود بخود ہو رہے گی فکر معاش — پھر نہ ہم کیوں سرِ معاد کریں

اثنائے راہ میں تا کافہ

سوئے منزل بڑھے چلیں حسرت

کچھ نہ پروائے ابر و باد کریں — ۳۰ ر نومبر ۱۹۴۱ء

قیمتِ مے کہ بہ پیمانۂ جاں ہے ساقی — کون کہتا ہے کہ نرخِ گراں ہے ساقی

للہ الحمد کہ رندوں میں علی الرغم حسود — سکۂ فیض ترا اب بھی رواں ہے ساقی

تشنہ کامانِ مئے ناب ہیں بہ لب شوق — کرم اب بھی نہیں دشوار کہاں ہے ساقی

تو نے رکھ دی تھی جہاں چھین کے ہم سے بوتل — روحِ مستی اسی جانب نگراں ہے ساقی

دل ہے کس شے کا طلبگار خدا ہی جانے — کیا یہیں سے ہے کہ بے نام و نشاں ہے ساقی

تو ہے فیاض تو پھر فیض میں کیوں دیر اتنی — دے کہیں جلد کہ مجھ کو خفقاں ہے ساقی

۲۲ ر نومبر ۱۹۴۱ء

محتسب کی نہ سنی ہے نہ سنے گا حسرت

کہ وہ میخوار ترا مرتبہ داں ہے ساقی

نظرِ حسن کی ہے بینائی — آپ کی شانِ جلوہ فرمائی

پھر قریب آگیا دیارِ حبیب — پھر بڑھی دل کی ناشکیبائی
پھر وہی سر، وہی ہے شوقِ سجود — پھر وہی در، وہی جبیں سائی
تا بہ دہلی ہیں یہ جرمِ حبِ رسول — دور پہنچی ہے میری رسوائی

بے نیازِ دو کون ہے حسرتؔ
ان کے اکرام کا تمنائی

جسمِ سنگِ کعبہ میں کیفیتِ جاں دیکھئے — پوششِ اسود سے پیدا عشقِ ایماں دیکھئے
سایۂ میزابِ رحمت میں بہ ایقانِ تمام — جذبۂ عشقِ حقیقی کو نمایاں دیکھئے
مادۂ زمزم سے ہوئی پالیدہ روحِ آتوا — صاف اس آئینے میں شکلِ آبِ حیواں دیکھئے
ملتزم کو جانیے گرمیِ اصلِ آغوشِ حق — سنگِ اسود کو بہ شانِ دستِ یزداں دیکھئے

ذوقِ عرفاں ہو تو حسرتؔ بیتِ حق میں ہر گھڑی
دیدۂ دل سے بہ ہر سو روئے جاناں دیکھئے

حُبِ حق ہے برابرِ حاصلِ دنیا و دیں — حُبِ آلِ مصطفےٰ او حبِ خیر المرسلیں
من و سلویٰ سے بھی ہے بہتر اگر ملتی رہے — یارسول اللہ ترے در پر ہمیں نانِ جویں

حاضرِ دربار ہے حسرتؔ بہ امیدِ قبول
یا شفیع المذنبیں رحمۃ اللعٰلمین

سرزنش کے واسطے اس شوخ کی چیں جبیں — سم کسی کے حق میں ہو میرے لئے ہے انگبیں
ہیں نہاں جورِ جلی میں بھی ترے لطفِ خفی — ہاں یہی کچھ پڑ گئے ہوں لے جانِ جاں مری نہیں
کیوں نہ ہو تیرا تغافل بھی مثیلِ التفات — ہر اشارہ دلربا ہے ہر کنایہ دلنشیں

۱؎ دروزہ کعبہ کے دائیں جانب کی دیوار کے حدیث "ید اللہ" کی طرف اشارہ

توبہ پھر ٹوٹی میں ٹھہرا پھر گنہگار ہوس
فلتہٗ اکبر پس حج پھر ہے اک ذات حسیں

کیوں نہ دردِ دل طعنِ ملامت گر سے حسرت کہہ دوں
میں بھی مثلِ مولوی "ہذا جنونُ العاشقیں"

معجزہ دیکھا سرِ شام آپ کا
مطلعِ خورشید ہے بام آپکا

یاد ہے اب تک وہ زراہِ کرم
وعدے پہ آنا سرِ شام آپ کا

میرا وہ اصرارِ تشبیہ غزل
عذر میں وہ نرم کلام آپ کا

رات کی تنہائی میں آخر وہ خود
نغمۂ آہستہ خرام آپ کا

مٹ کے رہے دو نوبت تقریبِ وصل
دردِ مرے دل کا زکام آپ کا

ہار ہوئی آخر کار آپ کی
بازی گیا جیت غلام آپ کا

دعوئے میخواری حسرت غلط
آپ کی بوتل ہے نہ جام آپکا

پنہاں کرم نمود و بظاہر وفا نہ کرد
نازش چہ لطفہاست کہ بر شوق ما کرد

جانم نیاں عشق ترا سودِ خود شمرد
دل نیز ایں معاملہ کرد و خطا نہ کرد

حسرت اگر بسوخت بہ حرص وصالِ دوست
ترسم کہ او فریضہ عشقش ادا نہ کرد

گردیدہ اہل شوق جو حسنِ بتاں کے ہیں
شاید یہ سب نشانے اسی بے نشاں کے ہیں

سجدے جبیں اہلِ عقیدت کے فی المثل
سب سنگ نور ہیں جو ترے آستاں کے ہیں

اب دل میں ہے کہ صرف ترے ہو کے بیٹھ جائیں
قصے چکا کے سب جو زمین و زماں کے ہیں

اب یہ بھی ہے قریب کہ مٹ جائیں یک قلم
سینے میں داغ جتنے غمِ دلبراں کے ہیں

حسرت وہ سن رہے ہیں جو اہلِ وفا کا حال
اس میں بھی کچھ فریب تری داستاں کے ہیں

ہر لحظ وظیفہ ہے جان و دلِ آگہ کا
"الحسن ہو الحق" کا، "ذالعشق ہو اللہ" کا

ہم بادہ پرستی کے ہر حال میں ہیں قائل
وہ ابر کی ظلمت ہو یا نور شبِ مہ کا

کیونکر نہ کہے دنیا مقبولِ خدا اس کو
مطبوع رعایا ہو فرمان اگر شہ کا

بے عشق رہی آخر محروم حق آگاہی
انجام نظر آیا یہ دانشِ گمرہ کا

پرسش کو وہ آئے ہیں یا سرزنشِ غم کو
کیا عقدہ کھلے حسرت اس آمدِ ناگہ کا

قطعات تاریخ طبع کلیات حسرت موہانی

از محبِ باصفا حضرت صدق جائسی

پاک دل حسرت ادیبِ نامور
نیک خو، صوفی منش، رنگیں بیاں

چند دن کو حیدر آباد آرہے تھے
جب سے ہیں وجہِ نشاطِ دوستاں

گھیرے رہتے ہیں انہیں شام و سحر
شعر کے شیدا، برنگِ عاشقاں

رات اس محفل کی روشن شمع تھے
دن کو اس مجلس کی ہیں روحِ رواں

مجھ کو بھی ملتے ہیں رستے میں کبھی
جیسے نعمت کوئی بے وہم و گماں

جوہری اہلِ دکن کو جان کر
کھول بیٹھے ہیں جواہر کی دکاں

چرخ سے لائے ہیں تارے توڑ کر
ہر غزل ان کی ہے رشکِ کہکشاں

آب و تابِ شعر سے ان کے ہے ماند
آبروئے جلوۂ حسنِ بتاں

شعلہ طور اس کے آگے سرد و خشک　　طور کے شعلوں میں یہ گرمی کہاں

کوہ نور اغلب ہے، آتا سامنے　　کھو چکا اس کو، مگر ہندوستاں

منتظر آنکھیں ہیں، لکھ دے صدق سال　　کلیاتِ حسرت، الماس کلاں

ادیب رنگیں بیاں ہیں حسرت، شہیر ہندوستاں میں حسرت

دلِ و جگر کے لئے ہے نشتر، کلام حسرت زبان حسرت

یہ مصرعۂ صدق سال بھی ہے، شگون بھی نیک فال بھی ہے

جمیل سرمایۂ ادب ہے کلام عمدہ بیان حسرت

سن ۱۳۶۲ھ

78

دیوان حسرت

موہانی

حصہ سیزدہم

جس میں حسرت موہانی کی وہ کل غزلیں درج ہیں جو
باوقاتِ مختلف تکمیل کلیات حسرت کے بعد

جنوری سنہ ۱۹۴۳ء سے دسمبر سنہ ۱۹۵۰ء تک

لکھی گئیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

غزلیات بابت سنہ ۱۹۴۳ء

بر طرح مشاعرہ قلمی بازار کانپور مورخہ ۱۳ مارچ ۴۳ء

نہ مرنے کی باتیں نہ جینے کی باتیں
کرو ہم صفیرو مدینے کی باتیں

علیؑ باب علم اس سے بڑھ کر انکو
نبیؐ نے بتاتی تھیں سینے کی باتیں

شریعت ہوئی نردبانِ حقیقت
یہ ہیں بامِ عرفاں کے زینے کی باتیں

مٹا دیے محبت نے سب عیب یاں
نہ بغض و حسد ہے نہ کینے کی باتیں

بڑا چور ہے نفس امارہ حسرت
نہ سننا کبھی اس کمینہ کی باتیں

بر طرح مشاعرہ جاجمؤ تیزی مورخہ ۲ اپریل ۴۳ء

صلوٰۃ شوق بقدر جمالِ یار نہیں
چمن کا حسن باندازۂ بہار نہیں

ترے کرم کا سزاوار زنہار نہیں
وہ تن کہ خستہ نہیں ہے وہ دل کہ زار نہیں

ہر اس نفس کو ہم اپنے کہیں گے ننگِ وجود
جو ان کے انس کی خوشبو سے مشکبار نہیں

وہ عشق عشق نہیں ہے نہ ہو جو پوشیدہ
وہ حسن حسن نہیں جو نقاب دار نہیں

ہزار شکر کہ مستغنی شفا ہو کر
مری دعا بھی ترے غم سے شرمسار نہیں

ترے بغیر ترے عشقِ جانفزا کے بغیر
مری حیات ہے بے مدعا بکار نہیں!

بجا ہے گر تری نسبت سے جانِ حسرت
ترے فراق کا صدمہ بھی ناگوار نہیں

اثنائے راہ حیدرآباد دکن تاریخ ۳۱ مئی ۴۳ء ۱۹

جہاں تک ہم ان کو بھلاتے رہے ہیں
وہ کچھ اور بھی یاد آتے رہے ہیں

انھیں حال دل ہم سناتے رہے ہیں
وہ خاموش زلفیں بناتے رہے ہیں

محبت کی تاریکی یاس میں بھی
چراغ ہوس جھلملاتے رہے ہیں

جفاکار کتنے رہے ہیں جنہیں ہم
انھیں کی دلت کپھر بھی جاتے رہے ہیں

وہ سوتے رہے ہیں الگ ہم سے جب تک
مسلسل ہم آنسو بہاتے رہے ہیں

بگڑ کر جب آئے ہیں ان سے تو آخر
انھیں کو ہم الٹے مناتے رہے ہیں

وہ سنتے رہے مجھ سے افسانۂ غم
مگر یہ بھی ہے مسکراتے رہے ہیں

نہ ہم ہیں نہ ہم تھے ہوس کار حسرت
وہ ناحق ہمیں آزماتے رہے ہیں

مقام حیدرآباد دکن مورخہ ۸ جولائی ۴۳ء

جائز نہیں چاہ اس کی مصیبت یہ بڑی ہے
کس فتنہ ادا کہاں سے کہاں آنکھ لڑی ہے

ہر لحظہ ہے رسوائی کونین کا دھڑکا
ہر ساعت شوق اپنی قیامت کی گھڑی ہے

پہلے تو کرم خود ہی کیا تم نے پھر اب کیوں
آنکھوں سے لگی اشک ندامت کی جھڑی ہے

ہم کو یہ تری برہمی مرحمت آلود
کیونکر نہ گوارا ہو کہ پھولوں کی چھڑی ہے

کیا حسن پرستی بھی کوئی عیب ہے حسرت
ہونے دو جو اخلاق کی تنقید کڑی ہے

اثنائے راہ کانپور از حیدرآباد دکن ۹ جون ۴۳ء

چادر جو کہیں حسن رخ یار کی سرکی
قابو میں طبیعت نہ رہی ذوق نظر کی

سوتے میں جو دیکھا تھا رخِ یار کا عالم
آنکھوں میں یہ خنکی ہے اسی نورِ سحر کی

ہے شوق بھی دیوانہ ترے نقشِ قدم کا
مائل ہے عقیدت بھی ترے سجدۂ در کی

لغزش سی جو ہے اسکے قدم میں دمِ رفتار
یہ ناز کی مستی یہ نزاکت ہے کمر کی

چاہا تھا کہ پھر انکو نہ چھیڑیں گے پہ چھیڑا
خواہش کوئی بھی ان سے نہ کرنی تھی مگر کی

آجاتی ہے ناگاہ جدائی کی مصیبت
ہوتی ہے خبر کس کو ترے عزم سفر کی

یا حسن ہے یا عشق ہر اک نقش یہاں کا
کیا بات ہے اے شوخ تری راہگذر کی

کیا فائدہ حسرت نہ ہوا ضبط ہوس کا
پوشیدہ محبت نہ رہی "دش" یہ سر کی

---

۶ اگست ۴۳ء

کلفت پہ مری خوش تھے وہ ہر بات وہی تھی
ہونٹوں پہ جو دیکھا تو ہنسی کھیل رہی تھی

ایضاً

پھر ساعتیں تمام ہوئیں انتظار کی
تقریب پھر قریب ہوئی وصل یار کی

مقام کانپور ۲ دسمبر ۱۹۴۳ء

اس شوخ کو رسوا نہ کیا ہے نہ کریں گے
ہم نے کبھی ایسا نہ کیا ہے نہ کریں گے

محفوظ ہے یہ راز ترے لطف ستم کا
اغیار میں چرچا نہ کیا ہے نہ کریں گے

بولے تو یہ بولے وہ تقاضائے کرم پر
یوں ہی سہی اچھا نہ کیا ہے نہ کریں گے

نسبت رہے تعاون کی جو اپنے وہ رہ گئی
تخصیص کا دعویٰ نہ کیا ہے نہ کریں گے

اغیار کے قابو میں بھی یہ قول ہے ان کا
حسرت سے تو پردہ نہ کیا ہے نہ کریں گے

کانپور ۔ ۱۳/اکتوبر ۴۳ء مستزادِ حسرت زیرعنوان "یار اغیار"

آشنا جب سے وہ بدخو وہ ستمگار ہوا
فتنہ بیدار ہوا

جان دل سے ہوئی دل جان سے بیزار ہوا
صبر دشوار ہوا

اب نہ دنیا کی تمنا ہے نہ عقبیٰ کی ہوس
اک ترا شوق ہے بس

دل جو اے جانِ جہاں تیرا طلبگار ہوا
سب سے بیزار ہوا

دل کو حاصل ہوئی افکار دو عالم سے نجات
بن گئی خواب یہ بات

چھوٹ کر سب سے تری قید کا اقرار ہوا
اور با صبر ارہوا

بے وفائی کا جو خطرہ تھا وہ پیش آکے رہا
تجھ سے اے محوِ جفا

لطف کا شکوہ کہ غم پر بھی نہ اظہار ہوا
صاف انکار ہوا

ہم نے حسرت کی سفارش تو بہت کی تھی مگر
نہ ہوا کچھ بھی اثر

پہلے بیگانہ جو تھا اب وہ دل آزار ہوا
یار اغیار ہوا

غزلیات بابت ۴۴ ۱۹ ء

مقام ناندیر ریاست حضور نظام مورخہ ۷ جنوری ۱۹۴۴ء

کہیں کیا چپ ہیں نافہموں کے ڈر سے
انہیں ہم دیکھتے ہیں کس نظر سے

انہیں کو ہو نہ خط لکھنے سے انکار
یہ ہم بدظن ہیں ناحق نامہ بر سے

قیامت ہے، کہ ہو بے گانہ تم بھی
بظاہر امتیازِ خیر و شر سے

محبت خیرِ مطلق ہے بہر حال
وہ حق سے ہو کہ حسنِ بشر سے

وہ کیا واقف نہیں مجھ سے کہ ناحق
ڈریں میری فغانِ بے اثر سے

علاجِ رنجِ مہجوری کو حسرتؔ
وہ آئیں دیکھئے کب تک سفر سے

کانپور ۸ تا ۱۲ مارچ ۴۴ ۱۹ ء

ہر دل میں ہے خواہش تری سر میں ہے سودا ترا
آئینہ دار ہے ہے خود حسنِ بے ہمتا ترا!

معذور ہے تابِ نظر مجبور ہیں اہلِ بصر
مستور حق ہے سربسر اے نورِ جاں جلوا ترا

ہر ہر اشارت نازنیں ہر ہر کنایت دلنشیں
اے حسنِ یار مہ جبیں ہر نقش ہے زیبا ترا

گھٹتی رہی تیری خودی اے خاکسارِ عاشقی
یہ بات بھی اچھی رہی بڑھتا رہا دَرجا ترا

تیری جفا بھی ہے وفا۔ منظور ارباب صفا
یعنی بقول اے رضا جائز نہیں شکوا ترا

جو حسن دیکھا بے اماں اس کو بھی ہم سمجھے کہ ہاں
اے دل ربا اے دل بر اں اک نقش ہے گویا ترا

رہتا ہے ڈر ہر دم یہی۔ یہ گریہ بے چارگی
کر دے نہ رازِ عاشقی اے دل کہیں افشا ترا

محبوب ہر قلب و جگر۔ مطلوب ہر جن و بشر
ہے نور بخشِ ہر نظر اک جلوۂ یکتا ترا

ہر لحظہ تیری آرزو ہر دم ہے تیری جستجو
حسرتؔ بھی ہے اے ماہ رو مدت سے دیوانہ ترا

---

۲۲ مارچ ۴۴ ۱۹ ء در کانپور

اب تک ہے یاد اے تند خو مقتل میں وہ آنا ترا — وہ سر جھکا دینا مرا وہ حکم فرمانا ترا
پاکر مجھے گرمِ نظر اچھا نہیں اے فتنہ گر — چلمن کا پردہ چھوڑ کر دانستہ ترسانا ترا
رشکِ دل و جاں ہے بجا بہتر ہے اے دیر آشنا — تقدیر میں موزاترا قسمت میں دستانا ترا
جاں پرور و شوق آفریں راحت افزا خاطر نشیں — نعمے نے بھی اے نازنیں دستانا گانا ترا
دل عاشقو کیلئے لیے پہلے تو کس کس ناز سے — اب اے پری کیا قہر ہے صورت نہ دکھلانا ترا

اس شوخ کا شکوہ کیا حسرتؔ یہ تو نے کیا کیا
اس سے تو اے مرد خدا۔ بہتر تھا مر جانا ترا

کانپور ۷ فروری ۴۴ء بابت مشاعرۂ آل انڈیا ریڈیو یوم دہلی

محبت کے اثر کی طرز ساماں نہیں جاتی
جو انسے اپنی صورت اب تو پہچانی نہیں جاتی

غلط ہے دعوی عرفان حق ارباب حکمت کا
حقیقت انسے بوجھی جاتی ہے جانی نہیں جاتی

ہوس کے حوصلے ہیں پست دنیائے محبت میں
نگاہ آرزو کی پاک دامانی نہیں جاتی

یہ آخر کیا قیامت ہے کہ یا وصف خردمندی
ہوس کے معرکوں میں دل کی نادانی نہیں جاتی

مری مظلومیاں بھی ظلم ٹھہری یا ستم کیوں ٹھہریا
کہ اب اس جور نادم کی پشیمانی نہیں جاتی

طلبگار وفائے حسن ہے عشق ہوس پرور
یہ خو جاتی تو ہے لیکن بآسانی نہیں جاتی

وفا کی ہم نے حد کردی جو لاکھے جور پیہم پر
وہ حیران غم ہیں اب ان کی حیرانی نہیں جاتی

زوال نور لازم ہے مجازی حسن خوباں کو
وہ مطلق حسن ہے جس کی درخشانی نہیں جاتی

سویت آپ کا مقصد - بغاوت آپ کا مسلک
مگر اس پر بھی حسرت کی غزل خوانی نہیں جاتی

اثنائے راہ کان پور از حیدرآباد دکن ۱۴ جون ۴۴ء

وہ رخصت سب سے ہو کر جا رہے ہیں
قیامت کا سماں دکھلا رہے ہیں

احبا بھر رہے ہیں سرد آہیں!
اعزا اشک غم برسا رہے ہیں

مخاطب سب سے ہیں اک وہ مجھی سے
بظاہر بے رخی فرما رہے ہیں

اب آئیں گے کبھی کاہے کو یاں ہم
یہ دھمکی بھی وہ دیتے جا رہے ہیں

یہ خفگی ہی نہ نکلے جسکو حسرت
لگاوٹ اب بھی ہم ٹھہرا رہے ہیں

ایضاً مقام جھانسی

سمجھتے ہیں کہ دھوکا کھا رہے ہیں مگر پھر بھی وہیں ہم جا رہے ہیں
بغیر ان کے تسلی ہو چکا دل یہ ہم ناحق اسے بہلا رہے ہیں
وہ جو چاہیں کہیں۔ آج ان کو حسرتؔ
بہ منت پھر ہمیں بلوا رہے ہیں

کانپور ۴ ستمبر ۴۴ء

گفتار میں آئے جو وہ لعل گہر افشاں دنیا ہے سماعت ابھی ہو جائے زر افشاں
تزئین جمال اس کی ہے جس شان پہ نازاں اس ناز کی تائید میں ہے کس قدر افشاں
دل ہے نرے اس تیر محبت کا نشانہ نکلے بھی جو پہلو سے تو نکلے وہ پر افشاں
اس حسن دل افروز کی خوبی ہے مسلّم اور اس میں کرے کون اضافہ مگر افشاں
زخم دل حسرتؔ کے لئے تھے جو نمک پاش
اغیار کے حق میں وہی لب ہیں شکر افشاں

بہ طرح مشاعرہ جامعہ ادبیہ کانپور ۲۲ ستمبر ۴۴ء

شوق کے آنسو یہ میرے دامن جاں میں نہیں پھول وہ میں نے چنے ہیں جو گلستاں میں نہیں
میں بھلا کب چاہتا رنج مصیبت سے نجات باب آسائش مرے آئین حرماں میں نہیں!
کونسی دلداریاں ہیں جو بشکل التفات آج بھی پوشیدہ اس جور نمایاں میں نہیں
کونسے اقرار کے پہلو ہیں وہ لے حیلہ جو جو تری ہاں میں ترے اقرار آسا میں نہیں

بسکہ ہے اس زلفِ کافر کی غضب ہر ہر شکن
کون سے رخنے ہیں جو حسرت کے ایماں میں نہیں

کان پور - ۱۶ر اگست ۴۴ء

دل ان سے مل کے اب ان کو بھلا نہیں سکتا
مگر یہ کیوں ہے میں خود بھی بتا نہیں سکتا

بقدر حوصلۂ عاشقی ہے شوقِ وصال
مگر وہ شوق جو دل میں سما نہیں سکتا

ستم یہ کس کے تغافل کا ہے اب دل میں
میں بھر کے شوق کی دنیا بسا نہیں سکتا

یہ کس کے عجزِ تمنا کا پاس ہے کہ وہ شوخ
نشانِ ناز بھی دامن چھڑا نہیں سکتا

تری نظر کا ہے ناوک وہ ناوک دلدوز
نشانہ کوئی بھی جس کا بچا نہیں سکتا

انھیں یقینِ محبت نہیں غضب تو یہ ہے
کہ چیر کر میں دل اپنا دکھا نہیں سکتا

اگرچہ میں ہمہ تن درد ہوں مگر حسرت
جو کوئی پوچھے کہاں ہے بتا نہیں سکتا

غزلیات بابت ۴۵ء

کان پور - ۲ر جنوری ۴۵ء

پاس تو رہتے ہیں مگر دور رہیں
کھل کے وہ ملتے نہیں مجبور رہیں

طعنِ عزیزاں کا نہ ہو خوف اگر
میرے لیے اب بھی وہ رنجور رہیں

جان کے معذور تغافل نہیں
شوق کے سب طور بدستور رہیں

پردہ اقرار میں انکار کے
کتنے ہی پہلو ہیں کہ مستور رہیں

حسرت ان آنکھوں کی دلاتے ہیں شفا
حسن کے بیمار جو مشہور رہیں

لکھنؤ ۔ ۱ فروری ۴۵ء

شوق کو حد سے بڑھنے نہ دیا | تم نے کچھ پاس دلبری نہ کیا
خام تھی اپنی بندگی ۔ جو انھیں | مائل بندہ پروری نہ کیا
حسن سے عشق نے بوقت خطاب | خوف طعن سبک سری نہ کیا
زہد محروم ہے کہ حق نے اسے | سرفراز قلندری نہ کیا
عشق صادق نے حسن کامل سے | نہ سنا ذکر برتری نہ کیا
مرمٹے ہم کسی سے اتنا بھی | آپ نے ذکر سرسری نہ کیا

شکوہ سنج ان سے کیوں ہوئے حسرت
احترامِ ستمگری نہ کیا!

مسلکِ حسرت

برائے آل انڈیا مشاعرہ بمبئی مورخہ ۲۵ فروری ۴۵ء

تکمیلِ علاجِ دنیوی کو حسرت | ہے خواہش حسن عاقبت[۱] بھی لازم
درویشی و انقلاب مسلک ہے مرا | صوفی مومن ہوں اشتراکی مسلم
زاں روکہ بہ ہیچ بیت[۲] مالِ اسلام | فی الجملہ ہے آئین سویت[۳] قائم

---

۱ بمصداق ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ

۲ یعنی کل قومی دولت کا اجتماعی نظام تکمیل و تقسیم۔

۳ سویت ۔ (SOVIET)

بر طرح مشاعرۂ جامعۂ ادبیہ کان پور منعقدہ ۱۵ / مارچ ۴۵ء

اشارت دل ربا ہو گی کنایت دل نشیں ہو گی
تعلق حسن سے جس شے کا ہوگا نازنیں ہو گی
میسّر جس کو ہو گا فخر تیرے خیر مقدم کا
وہ دن راحت فزا ہو گا وہ شب عیش آفریں ہو گی
عنایت کی نظر کا جب تقاضا ان سے ہوتا ہے
وہ کہتے ہیں نہیں ہو گی۔ نہیں ہو گی۔ نہیں ہو گی
قسم کھانے کے قابل کیوں نہ ہو گی اس کی خوش بختی
محبت جس کے دل میں آپ کی خلوت گزیں ہو گی
نشان آستانِ حسن ہو گا جس طرف حسرتؔ
اسی جانب بکمال شوق کی مائل جبیں ہو گی

مقابل ہے بہ سعی کامرانی
تری ضد ہے ہماری جانفشانی
مرے دل کو ترے غم کی نشانی
مبارک ہو بہ شکل شادمانی
غم عشق آنکہ عیش است و فراغت
بہ ایں سوز و گدازہا جاودانی

کان پور ۱۹ / مارچ ۴۵ء برائے مشاعرۂ آل انڈیا
ریڈیو — ۲۶ / مارچ ۴۵ء

نہ وہ بولے نہ ہم روئے پھر آخر
اٹھے کیوں کر حجاب درمیانی

خطابِ حسن ادھر تھا بے خطا بی — زبانِ عشق ادھر تھی بے زبانی
وہ یک سر بے نیازِ عاشقاں ہیں — قیامت ہے یہ شانِ دل ستانی
پھرا قاصد مرا اس در سے ناکام — نہ خط آیا نہ پیغامِ زبانی
نہ فرق آیا تری بے مہریوں میں — نہ کام آئی مری آزردہ جانی
کفِ ساقی میں ہے نورِ علی نور — مےِ گلگوں بہ جامِ ارغوانی
نہ ان کی بے وفائی معتبر ہے — محبت میں نہ میری بدگمانی

جبینِ یار پر غصّے میں حسرتؔ
فروزاں ہے جمالِ سرگرانی

برائے آل انڈیا مشاعرہ راولپنڈی ۱۰ ؍ اپریل ۴۷ء

کان پور ـ ۲۸ تا ۳۱ ؍ مارچ ۴۵ء

حوصلہ ان کی شناسائی کا — سر پھرا ہے دل سودائی کا
پر بھی انکی بجا ہے کہ تجھے! — پھر ہوا زعمِ شکیبائی . . . کا
ملگجی ہے تری پوشاک تو کیا — یہ بھی اک رنگ ہے زیبائی کا
گردنِ دیدۂ یک بیں پہ رہا — حق ترے حسن کی یکتائی کا
شوقِ مایوس کے حق میں وہ نظر — کام کرتی ہے مسیحائی کا
میری رسوائی کی جانب تو نہیں — رُخ تری انجمن آرائی کا
آپ مجبور ہیں بے حوصلہ ہم — نام بدنام ہے یک جائی کا
خوب ہے تمکنتِ حسن جواب — شیوۂ عشق کی مرزائی کا

شعر حسرت میں ابھی تک ہے ہنر
عیب بھی قافیہ پیمائی کا

ایضاً

اعتراف آپ کی یکتائی کا — فرض ہے دیدۂ بینائی کا
اس لب لعل پر ہنگام خطاب — ختم ہے وصف شکر خدائی کا
کم نہیں فرق عقیدت کے لیے — فخر اس در کی جبیں سائی کا
کیا غضب ہے کہ رہے حسن حریف — وہ بھی ہر خواہش غوغائی کا
اور کیا جانے کوئی تیرے سوا — مرحلہ دل کی شکیبائی کا
حسن سے اپنے وہ غافل ہی نہیں — کیا سلیقہ ہو دل آرائی کا
خود ہے وہ جلوہ تماشا دشمن — کیا قصور اس میں تماشائی کا
جائے عبرت ہے یہ معشوقیِ عشق — قصہ یوسف کی زلیخائی کا

عشق حسرت کے سوا عکس کہاں
آپ کے حسن کی رعنائی کا

اثنائے راہ کانپور۔ از راہ راولپنڈی و لاہور

۳۰ اپریل ۱۹۴۵ء

کیسے روکیں چارہ سازی کیا کریں — خوئے دل ہے عشقبازی کیا کریں
خاکساری پیشہ ہیں ان کے فقیر — آرزوئے سرفرازی کیا کریں
غارت دل سہل ہے ان کے لیے — اہتمام ترکتازی کیا کریں

زاہدوں کی نیتیں ہیں بے نتور ادعائے پاکبازی کیا کریں
ہو چکے جو حسنِ مطلق کے مرید وہ سرِ عشق مجازی کیا کریں
رکھنی ہے اہلِ وفا کی شرم انہیں اعترافِ بے نیازی کیا کریں
دلبری حسرت ہے فطرت حسن کی
حسن والے دل نوازی کیا کریں

کانپور - ۱۷ اپریل ۵۴ء

رونقِ دل یوں بڑھائی جائیگی غم کی اک دنیا بسا لی جائے گی
آپڑا ہے عاشقی سے واسطہ اب طبیعت کیا سنبھالی جائے گی
میری جانب وہ توجہ کی نظر بزمِ دشمن میں چھپا لی جائے گی
ہوں گی پوری ان کی سب فرمائشیں ایک بھی ہم سے نہ ٹالی جائے گی
بے نیاز این و آں ہے انکا پیار آرزو کی بات خالی جائیگی

شوق کہتا ہے کہ خوبی حسن کی نور کے سانچے میں ڈھالی جائیگی
بےخودی میں پھر وہ تصویر جمال (ق) دل کی آنکھوں سے لگالی جائیگی

برائے مشاعرہ لکھنؤ ۲۷ اپریل ۵۴ء

بے رخی سے کام وہ لیں گے مگر خوئے جب جا ہمت بڑھالی جائے گی
صحتِ بیمار غم کے واسطے ان کے دامن کی ہوا لی جائے گی

میری بیتابی سے شوخی آپ کی
جب خفا ہوگی منا لی جائیگی

دل نہ توڑو حسرتِ ناکام کا
زلف تو پھر بھی بنا لی جائیگی

برائے مشاعرہ جامعہ ادبیہ کان پور ۸ ر جون ۱۹۴۵ء

تمکنت ان کی بڑھی شوق مرا کم نہ ہوا
فیصلہ عاشقی و حسن کا محکم نہ ہوا

سن کے ان سے کہ مرے جور کی توہین ہوئی
منفعل ہے سرِ تسلیم کہ میں خم نہ ہوا

کیوں مری خاطرِ مجموع پریشاں ہوئی
تیرے گیسو کی خطا کیا ہے جو برہم نہ ہوا

تو نہ آیا تو شبِ غم ترے بیماروں کا
دردِ دل اور بڑھا دردِ جگر کم نہ ہوا

چھوڑ کر اس بتِ بدخو کی محبت حسرت
کہتے ہو کھا کے قسم کہ تمھیں کچھ غم نہ ہوا

کان پور ۔ ۱۱ ر جون ۴۵ء

ستم کو جزو سمجھتے ہو دلربائی کا
یہ کیا طریق یہ کیا ڈھب ہے آشنائی کا

وہ اپنے حسن کی تنقیص کرتے ہیں مجھ سے
یہ ایک طرفہ نمونہ ہے خودستائی کا

نیازِ عشق یہی ہے تو کچھ بعید نہیں
غرورِ حسن جو دعویٰ کرے خدائی کا

نگاہداری آدابِ عشق نے شبِ غم
سبق دیا مرے نالوں کو نارسائی کا

جسے نہ سوزِ محبت سے کچھ بھی ہو سروکار
اُسے حرام ہے دعویٰ غزل سرائی کا

بہ غور دیکھ رہے ہیں تری وفا کے سپر
مآلِ اہلِ ہوس کی گریز پائی کا

کچھ ان کی رنجشِ بیجا سے دور نہیں حسرت
کہ ہے خلوص کو موقع ابھی صفائی کا

مقام اشتراکیت

کانپور - ماہ جون ۴۵ء

معیشت میں ہر سو رنگ فطرت ہے جہاں میں ہوں...
اخوت ہے جہاں میں ہوں۔ سوبیت ہے جہاں میں ہوں

مقام فرد بھی محفوظ ہے فوز جماعت میں!
نمایاں ہر طرف وحدت میں کثرت ہے جہاں میں ہوں

اصولِ اشتراک آئین بیت المال سے مشتق
اساسِ کار جمع و خرچ ملت ہے جہاں میں ہوں

فلاحت ہو کہ حرفت۔ کامیابی سعی انساں کی
نظام اجتماعی کی بدولت ہے جہاں میں ہوں

بری ہے فکر یاں ہر فرد کی لوثِ عقیدت سے
مُسلّم اقتدارِ علم و حکمت ہے جہاں میں ہوں

رواجِ بربریت ہے مذاہب کے تعصب میں
فضائے امن و صلح آدمیت ہے جہاں میں ہوں

بلا تائید محنت کچھ بھی افزائش جو ہو حسرتؔ
وہ دولت کے لئے اک طوق لعنت ہے جہاں میں ہوں

کان پور ۱۴ر تا ۱۸ر جولائی ۴۵ء

وصل کے شوق کا جو وصل سے اطفا کرے
عشقِ صادق جو ہو مخلص بھی تو ایسا نہ کرے

اس پہ افسوس کہ بینا ہے محبت ہو کر
جلوۂ دوست کا ہر شے میں تماشا نہ کرے

تاب دیدار نہ ہو جس کو خود اس کا ہے قصور
عشق اس حسن نظر سوز کا شکوا نہ کرے

فطرتِ حسن پہ کچھ فرض نہیں پرسشِ غم
اس کی مرضی پہ ہے موقوف کرے یا نہ کرے

تجھ کو دعویٰ توکل ہے تو لازم ہے کہ تو
فکرِ امروز بہ اندازۂ فردا نہ کرے

مرجعِ عشق ترا حسن مسلّم ہے تو پھر
کیا کرے کوئی اگر تیری تمنا نہ کرے

تجھ کو صبر و خرد و ہوش سے بیگانہ کیا
اور ابھی دیکھئے کیا کیا دلِ دیوانہ کرے

التفاتِ ستم خاص ہے کافی حسرتؔ
حسن سے عشق توجہ کا تقاضا نہ کرے

کان پور و لکھنؤ - ۱۰ر تا ۱۳ر ستمبر ۴۵ء

حسن بے پردہ بے نقاب نہیں
کیا حجابِ نظر حجاب نہیں

وقفِ اہل من مزید ہے لبِ شوق
ستم یار بے حساب نہیں

اور ہے کیا یہ جو بزم ساقی میں
مے کشوں کے لئے شراب نہیں!

فتنۂ روز حشر ہے بیدار
شب بھر میں وہ محو خواب نہیں

جانِ حسرتؔ پہ قہر ہے غم ہجر
جس سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں

ہم سے دانستہ جو خطاب نہیں
کیا توجہ یہ اجتناب نہیں

متبسم یہ برہمی کی
تیغ گویا ہے جس میں آب نہیں

میری مایوسیوں کی حد نہ رہی
دل کو اب آرزو کی تاب نہیں
مے گلگوں کی روشنی میں کہیں
دخل تاریکی سحاب نہیں!

ان کے دل میں ہے جاگزیں حسرتؔ!
ان کی محفل میں باریاب نہیں

بلبل بے کس سے کیا پوچھیں نشیمن تھا کہاں۔
باغباں بھی جب یہ کہتا ہو کہ گلشن تھا کہاں
جو ہری بم کی یہی گر کارفرمائی رہی!
حسرتؔ اک دن خلق پوچھے گی کہ لندن تھا کہاں

غزلیات بابت ۱۹۵۱ء

تخمیس حسرتؔ بر غزل حافظ

مرے حق میں کیا نہ ہوگا کبھی رحم کا اشارہ
نہ کبھی خطاب پنہاں نہ عتاب آشکارا
کہ یہ ہو تو بیکسی کا مجھے غم بھی ہے گوارا
بہ ملازمان سلطان کہ رساند ایں دعا را
کہ بشکر پادشاہی ز نظر مراں گدا لا

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے غم کی بے پناہی
ہے بیاں کی حد سے بیروں مرے حال کی تباہی
یہ کچھ اور کہہ رہی ہے مری آرزو گواہی
ہمہ شب امید وارم کہ نسیم صبح گاہی
بہ پیام آشنائی بنوازد آشنا را!

یہی اب تو التجا ہے کہ زہد نخوت انگیز
یہ جو تھا العبد تکلف مجھے شکل مے سے پرہیز
اسے کر دے ختم ساقی بہ عطائے آفت آمیز
بہ خدا کہ جرعۂ دہ تو بہ حافظ سحر خیز
کہ دعائے صبح گاہی اثرے کند شمارا

تخمیس حسرت موہانی بہ غزل حافظ بسلسلۂ فال

(مورخہ ۱۸ مارچ ۱۹۴۹ء اثنائے راہ دہلی و پشاور)

فارغ از وسوسہ سود و زیاں خواہد بود
تا دل از ولولۂ عشق جواں خواہد بود
تا نصیب ہوس انس بتاں خواہد بود
تا ز میخانہ و مے نام و نشان خواہد بود
سر ما خاک رہِ پیر مغاں خواہد بود

بے عدد حسن ہے تیرا مری خواہش بیحد
بدعتی کہتے ہیں مجھ کو تو کہیں اہل خرد
عاشقی پیشہ ہے دل نیک سمجھتا ہے نہ بد
بہ زمینے کہ نشانِ کف پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

جب کہے خواب میں خود آ کے وہ شاہِ خوباں
جب کہ حافظ بھی مصدق ہو یہ فال دیواں
تجھ کو حسرت یہ مبارک سند دہر و نشاں
پردہ بردار کہ تا سجدہ کنند جملہ جہاں
طاق ابروئے تو محراب جہاں خواہد بود

مورخہ ۵ جون ۱۹۴۹ء بحالت خواب بمقام کانپور

جذبۂ شوق کی تاثیر دکھاتا ہے مجھے
آپ رو رو کے خود ان کو بھی رلاتا ہے مجھے
قابل دید ہے مجبوری دل کا عالم
ابھی لائے تھے جہاں سے وہیں جانا ہے مجھے

یوں تو روشن ہے سب ان پر مرے دل کی خواہش
ہمنواں ان کی زباں کو بھی بنانا ہے مجھے

بدگمانی کا برا ہو کہ خفا ہیں دونوں
اب نہ آنا ہے کسی کو نہ بلانا ہے مجھے

تجھ پہ اگر جو ستایا تھا مجھے دل نے کبھی
تجھ سے اب ہو کے جدا دل کو ستانا ہے مجھے

پائے بوسی کی تمنا میں ترے نقشِ قدم
کہیں مل جائیں تو آنکھوں سے لگانا ہے مجھے

کوچۂ یار چھٹا ہے نہ چھٹے گا حسرت
خاک میں اب تو یہیں مل کے دکھانا ہے مجھے

۳۰، نومبر ۴۶ء مطابق ۵ محرم الحرام کانپور

شفاعت کا لوائے احمدی جس دن اٹھا ہوگا
ہمارے ہاتھ میں دامان شاہِ کربلا ہوگا

گواہی پیش ہوگی جس گھڑی خونِ شہادت کی
تو حق کے پیروانِ حق کے بیشک فیصلہ ہوگا

سپر بن جائیگی حب ددستی آلِ محمد کی
رجائے مغفرت میں منتقل بیمِ سزا ہوگا

خطائیں بخش دی جائیں گی لاریب اہلِ عصیاں کی
بتول و حیدر و حسنین کا جب واسطا ہوگا

ڈریں حسرت جنہیں ڈر ہو عقوبات قیامت کا
ہمیں تو آج بھی معلوم ہے اس روز کیا ہوگا

۲۳، دسمبر ۱۹۴۶ء مقام کانپور

پھر سے تقدیر آزمانا چاہیئے
ربط انھیں سے پھر بڑھانا چاہیئے

بجھ گئی تھی دل میں جو شمع امید
اس کو پھر روشن کرانا چاہیئے

حسن کی بے مہریوں کے سب گلے
آرزو کو بھول جانا چاہیئے

جن کو مدت سے بھلا بیٹھے تھے ہم
پھر انہیں سے دل لگانا چاہیے
مضطرب ہے پھر بھی حسرت کیوں نہ ہو
جب کہ اس کو بھی زمانا چاہیے

نامکمل بحالت خواب ۲۶ دسمبر ۴۶ء

عاشقی کیا کامیاب آرزو ہونے لگی
ان کو حال عاشقاں کی جستجو ہونے لگی
شوق کی رعنائیوں سے حسن کی رنگینیاں
جب ہوئیں بیباک بحشد ننگ رسوا ہونے لگی

ایضاً ۲۸ دسمبر ۴۶ء

اس ستمگر کے لئے درس وفا دیتی ہے
زندگی خود مجھے پیغام قضا دیتی ہے

غزلیات حسرت موہانی بابت ۴۷ء

۱۰ جنوری ۴۷ء کان پور

بے دلی از بس کہ وجہ فرط حیرانی ہوئی
التفات یار سے کیا کیا پشیمانی ہوئی
اشکبار آیا وہ خاک کشتگان عشق پر
حسن کی جانب سے یہ اچھی گل افشانی ہوئی

۲۲ اگست ۴۷ء در اثنائے راہ کلکتہ از کان پور

زہد مایوس و نامراد رہا
عشق دنیائے غم میں شاد رہا
خود فراموشیوں میں بھی تو ہمیں
بھول جانا کسی کا یاد رہا!

وہ جفا کار تھا جو کرکے وفا | ان سے امید وار داد رہا
وہ ستم کیش دو دل نواز رہے | میں طرب کوش و غم نہاد رہا

وصل کا شوق عشق میں حسرتؔ
فی المثل موجب فساد رہا

---

۲۲ مئی ۱۹۰۷ء اشارے دہلی از کان پور

آئینہ نجی بے عملی ہے خلل کا | اک طرفہ نمونہ ہے یہ نعم البدلی کا
فطرت ہے بری شائبہ شرک سے میری | خطرہ ہے مجھے کچھ نہ خفی کا نہ جلی کا
اے حسن ترے ناز کی خدمتیں قدیمی | حاصل ہے مجھے فخر نیاز ازلی کا

بخشا ہے پسندیدگی خلق نے یک سر
درجہ مرے اشعار کو ضرب المثلی کا

غزلیات حسرتؔ موہانی بابت ۱۹۰۸ء

تخمیس غزل سعدی۔ یکم فروری ۱۹۰۸ء مقام دہلی

مستی و بالغزش پا می روی | فارغ از باک خطرہا می روی
بے حجاب و بے محابا می روی | سرو سیمینا بصحرا می روی

نیک بے مہری کہ بے ما می روی

مشک باز از حلقہ ہائے مو تو | بوئے عشق آید ز حسن موئے تو

سجدہ ہائے مہ جبیناں سوئے تو
اے تماشا گاہ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشا می روی

سایہ گیر منزل دیجاہ تست
پاسدار اذن خاطر خواہ تست
ہم چو حسرت بندۂ درگاہ تست
دیدہ سعدی و دل ہمراہ تست
تا نہ پنداری کہ تنہا می روی

عاشق وہی عاشق ہے جو رسوائے جہاں ہو
معشوق وہی حق ہے جو بے نام و نشاں ہو

۱۹؍ جولائی ۸۳ء مقام کانپور

جنس ہوس ارزاں ہے خریدار جہاں ہو
اسوقت خدا جانے وہ عیار کہاں ہو
یہ شان بھی اچھی ہے ترے بے خبروں کی
ہر لحظہ اگر نام ترا ورد زباں ہو
ہے میرے لئے محفل اغیار بھی اک چیز
پر شرط یہ ہے تو بھی وہاں جلوہ فشاں ہو
ہے شوق کو منظور رہی ان کی توجہ
جس شان توجہ پہ تغافل کا گماں ہو
کھل جائے بھرم دعویٔ بے بیز کا حسرت
کاش ان کی زباں ہو کبھی اور میرا دہاں ہو

کانپور ۲۲؍ مئی ۴۸ء برائے مشاعرہ انجمن ادب

خم نقشیں سے نہ مینا سے نہ کچھ جام سے ہے
رونق محفل ساقی مے گلفام سے ہے

بدگماں آپ ہیں کیوں آپ کا شکوا ہے کسے
جو شکایت ہے ہمیں گردشِ ایّام سے ہے

مر مٹے ہم تو وہ کہتے ہیں یہ ہے غم سے فرار
اپنے حق میں غرض ان کی فقط الزام سے ہے

آ بھی چکئے کہیں اب جلد کہ بیتاب ہے شوق
انتظام آپ کی آمد کا سرِ شام سے ہے

آپ کیا پوچھتے ہیں ہجر میں دل کی حالت!
آپ کی یاد جو ہمدم ہے تو آرام سے ہے

آپ سے توڑ کے امید کے سارے رشتے
اب ہمیں کام جو کچھ ہے عمِ ناکام سے ہے

آپ حسرت کو یہ کیا کہتے ہیں دشمن ہے مرا
آپ کا نام اسی عاشقِ بدنام سے ہے

کانپور ۲۲ مئی ۱۹۴۸ء

بلانوشی بھی کیوں ہو رہنِ مستی — زہے آئینِ دینِ مے پرستی
مزارِ عاشقاں پر فاتحے کو — نہ آتے تم تو کیا حسرت برستی
ترے غم سے محیب عالم ہے دلکا — کہ یہ نگری اُجڑتی ہے نہ بستی
تمنا ایک حالت پہ ہے قائم — بلندی جس کی پیدا ہے نہ پستی
حدِ اندازۂ وتخمیں سے باہر — متاعِ عشق ہے مہنگی نہ سستی
نہ بدلی خوئے خوبانِ جفا کوش — گئی جانِ وفا کیشاں ترستی

حیا مجبور تھی خواہش جنوں خیز
نہ کی حسرت نے پھر بھی پیش دستی

کان پور - ۱۰ ر اکتوبر ۴۸ء
ہماری بے خبری کا بھی کچھ ٹھکانا ہے
کہاں سے آئے ہیں جانے کہاں کو جانا ہے
مگر یہ اصل سے پیوستگی کی ہے اک شکل
غرض وصال سے ہے موت اک بہانہ ہے

ہم ان کے وہ ہمارے

مستزاد حسرت برائے مشاعرۂ دہلی مورخہ ۳ر اپریل ۴۸ء

جیتے رہے تسکین محبت کے سہارے
ہم شوق کے مارے
مونس رہے اس پرسش پنہاں کے اشارے
ہر حال میں ہارے
دل کم نہ سکا حوصلۂ ترک تمنا
اس شوخ سے اصلا
ہم کو بھی یہی ضد تھی مگر اس کا نتیجا
نکلا یہ کہ ہارے
صد شکر وہ ہے پھر یہ سر لطف و عنایت - از راہ مروت
اب پھر ہے وہی بات "ہم ان کے ہیں حسرت - ہیں پھر وہ ہمارے"

---

۱۲ نومبر ۴۸ء

گزرا اسی طرف سے جو ہے کاروانِ شوق
ہر ہر قدم پہ اب بھی ہیں پیدا نشانِ شوق
البتہ دیدنی ہے یہ وارفتگی کی شان!
ہیں کیسے والہانہ رواں رہ روانِ شوق
پہنچیں گے جلد منزلِ مقصود تک ضرور
لاریب ہے یہ جنس گراں بھی ازانِ شوق!
قابو میں ان کو دیکھ کے دل ہے نہ ہے دماغ؛
ہو کس زباں سے دیکھئے شرحِ بیانِ شوق
حسرت جو کاروبارِ محبت ہی رہا۔
چمکے گی خوب شہرِ خرد میں دکانِ شوق

---

۱۹ نومبر ۴۸ء

رنگ رو سے طرب بھی زرد رہا
دل بہر حال رامِ درد رہا
زیرِ دشمن بھی حوصلہ میرا
مردِ ہنگامۂ نبرد رہا
تھا بہت گرم عاشقی کا مزاج
سو بھی ان کے حضور سرد رہا
تیرِ قربت میں باوجودِ خطر
عشق بے باک رہ نورد رہا
اس جفا کار سے بھی کر کے نباہ
حسرت اہلِ وفا میں فرد رہا

از ۲۸ر تا ۳۱ر دسمبر ۱۹۴۸ء بمقام لکھنؤ فرنگی محل

بر سر لطف ہے وہ جانِ جہاں آج کی رات
دیدنی ہے یہ محبت کا سماں آج کی رات

کھنچ کے آجائے خود آغوش تمنا میں جو حسن
پیرِ عشق بھی ہو جائے جواں آج کی رات

بے کہے ان پہ ہے روشن مرے دل کی حالت
بے زبانی ہوئی جاتی ہے جواں آج کی رات

شوق کی حد میں ہے یا وصف فنا شوقِ بقا
غرضِ شوق ہے بے نام و نشاں آج کی رات

التفات ان کی نگاہوں کا ستم ہے حسرت
شکر بھی دل کی زباں پہ ہے فغاں آج کی رات

غزلیات حسرت موہانی بابت ۱۹۴۹ء

۳-۴-اپریل ۱۹۴۹ء

شوق کا شکوہ رنگیں بھی نہ ہوگا شاید
حسن کی خاطرِ نازک پہ گراں آجکی رات

کیا عجب ہے کہ مریضانِ ہوس کے حق میں
خود وہ ہو جائیں مسیحائے زماں آجکی رات

کیوں نہ ہوں اہلِ ریا سر بگریبانِ ملال
کامرانی ہے نصیبِ دگراں آجکی رات

---

۱۱ اپریل ۴۹ء اثنائے راہ کانپور از دہلی

طلبِ لذتِ آزار سے بھی کچھ نہ ہوا
اس جفا پیشہ ستمگار سے بھی کچھ نہ ہوا

پھر بھی صیاد کو توفیق ترحم نہ ہوئی
شیونِ مرغِ گرفتار سے بھی کچھ نہ ہوا

وہ عیادت کو جو آئے بھی تو بیگانہ رہے
نظرِ آخرِ بیمار سے بھی کچھ نہ ہوا

نگہِ خلق میں پھر بھی نہ بڑھی کچھ عظمت
شیخ کے جبہ و دستار سے بھی کچھ نہ ہوا

حسن کے جور تغافل میں ترقی کے سوا
شوق کے گریۂ ناچار سے بھی کچھ نہ ہوا

مژدۂ وصل نہ ملنا تھا نہ حسرت کو ملا
انفعالِ نگہِ یار سے بھی کچھ نہ ہوا

یکم جولائی ۴۹ء کانپور ۔ بحالت خواب

تصور میں وہی پیشِ نظر تھا
نہ جانے دل میں وہ پنہاں کدھر تھا

بس یک جنبشِ بادِ حوادث
ثبات اپنا چراغ رہگزر تھا

تری بے اعتنائی کی بدولت
تمنا کا جہاں زیر و زبر تھا!

میانِ حسن و عشق اک ربطِ باطن
ہمیں رہبر تو گاہے نامہ بر تھا

نظر مجھ پر کرم کی تھی اگر تھی
بظاہر تھا ترا غصہ اگر تھا

ترے زیرِ قدم آنے کا مشتاق
سراسر تیرے پائے ناز پر تھا

نہ چھوٹی ہم سے حسرت عشق بازی
یہ سب کس کی توجہ کا اثر تھا

دہلی - ۲۱ر اگست ۴۹ء

پھر یاد جو آئی ہے مدینہ کی بلا نے
کیا یاد کیا پھر مجھے شاہِ دوسرا نے

ایسا ہے تو پھر فکر ہے کیوں زادِ سفر کی
کیا غیب کے کھل جائیں گے مجھ پر نہ خزانے

میں غلبۂ اعدا سے ڈرا ہوں نہ ڈروں گا
یہ حوصلہ بخشا ہے مجھے شیر خدا نے

تھا شب کو جو میں حاضرِ دربارِ محمدؐ
چھوڑا ہے اثر دل پہ عجب اسکی فضا نے

حسرتؔ مجھے اس جانِ جہاں سے ہے تعلق
سمجھے کہ نہ سمجھے کوئی جانے کہ نہ جانے

ایک نعتیہ غزل کا جو بحالت خواب ذہن میں آئی تھی مندرجۂ ذیل مصرع یاد رہا گیا۔ باقی پوری غزل میں نے کسی جگہ نوٹ کر لی تھی۔ مگر وہ کاغذ کہیں کھو گیا۔ اور وہ غزل ذہن سے بالکل اتر گئی "کسی نے مجھ کو" "بے بال و پری نے مجھ کو" کے الفاظ قافیہ و ردیف تک یاد ہیں۔ صرف مضمون فراموش ہو گیا - ہ

جلد سے جلد پہنچنا ہے مدینے مجھ کو!
کیوں نہ تڑپوں کہ بلایا ہے نبی نے مجھکو

مقام بمبئی - ۲۶ر دسمبر ۴۹ ۱۹ء و بہ اوقات مختلف

پھر کیوں تری طلب میں نہ ہوں جان و دل فدا
جب مانتے ہیں سب کہ یہ نعمت ہے بے بہا

دنیا سے منہ کو موڑ کے اے محوِ ذات حق
ہم عاصیوں کے پاس کبھی خواب میں تو آ
کیا کیا ہیں کیا بتاؤں مرے دل کی خواہشیں
وابستہ تیری ذات ہے اے جانِ مدعا
عشاق کی نظر میں ترا ظلِّ عاطفت
ہے خیل آرزو کے لیے سایۂ ہما
مراستم بھی ہم پہ کرم ہے زہے ستم
تیری جفا بھی ہم کو وفا ہے زہے جفا
تیرے خرام ناز سے گلشن کی ہر روش
ہر دم ہے منتظر کہ قیامت ہو کب بپا
حاشا و زنہار کہ اے جانِ حسن و عشق
حسرت کے دل میں اور بھی کچھ ہو ترے سوا

غزلیات حسرت موہانی بابت ۵۰ء

بہ سلسلۂ غزل سابق نوشتہ آخر دسمبر ۴۹ء و جنوری ۵۰

سوچا بہت پہ ہمکو نہیں آج تک پتہ کچھ دل دئیے کی خطا کہ ہوئے یونہی تم خفا
تم کو نگاہِ شوق سے دیکھا تو کیا ہوا کچھ جرم تو نہیں یہ جو یہ ہو درخور سزا

دہلی مورخہ ۲۳ر جنوری ۱۹۵۰ء

دل میں جو ذوقِ عشقِ بتاں آرمیدہ ہے
کیوں کر نہ ہم کہیں یہ قلندر رسیدہ ہے
لوگوں سے حال سن کے ہمارا وہ بول اٹھے
تکرار کیوں ہے اس کی جو قصہ شنیدہ ہے
عشاق کی نظر میں ترا جلوۂ جمیل!
چشمانِ آرزو کے لیے نورِ دیدہ ہے
تیری طلب میں خاک بسر ہے سکونِ دل
تیری ہوس میں شوق گریباں دریدہ ہے
اتنا بھی کیا حذر کہ اے جنابِ حسن
حسرت کے حق میں بھی ترا دامن کشیدہ ہے

---

۳۰ و ۳۱ر جنوری ۱۹۵۰ء مقام کان پور

خاطرِ مغموم ہے گر نوحہ خوانِ زندگی
کثرتِ امید ہے اب تک نشانِ زندگی
قطرے کو دریا کی اس کو وصلِ حق کی ہے طلب
کر چکے ہیں بارہا ہم امتحانِ زندگی
چار دن کی چاندنی یا عشرتِ عہدِ شباب
عارضی تھی وہ فراغت میہمانِ زندگی

واقعاتِ عاشقی آنے لگے ایک ایک یاد
ختم ہونے پر جب آئی داستانِ زندگی!
کچھ بھی ہو سیلِ حوادث کا اگر مجھ کو خطر
میں یہ کہتا ہوں قسم کھا کر بہ جانِ زندگی
واصلانِ حق فنا فی اللہ ہے جن کا مقام
اہلِ دنیا کو ہوئیں ان پر گمانِ زندگی
بن گیا ہے قوتِ امید سے ہر ہوس
موت کا خطرہ بھی گویا ہم زبانِ زندگی
کس قدر ہموار ہے حسرت رہِ ملکِ فنا
سہل منزل کو رواں ہو کاروانِ زندگی

۱۷ تا ۱۹ مارچ ۵۰ء مقام کان پور

ہر لحظہ خودکشی کا طلب گار ہو گیا
جینا فراقِ یار میں دشوار ہو گیا
تسکینِ غم سے سوزِ محبت کا راستا
اہلِ وفا کے واسطے ہموار ہو گیا
اچھا ہوا کہ شیخ پہ بھی عاشقی کا رنگ
ایسا پڑا کہ رونقِ دستار ہو گیا
ہمت نہ ہو سکی طلبِ التفات کی
ڈر یہ رہا ادھر سے جو انکار ہو گیا
اس شوخ کی نگاہ کا جادو ہیں کیا کہوں
جس پہ نظر پڑی وہ گرفتار ہو گیا
سن سن کے تیرے دردِ محبت کی لذتیں
ہر شخص جان و دل سے خریدار ہو گیا
سب کچھ تیری طلب میں فدا کر کے جان و دل
عاشق ہیں کیا ہوا کہ سبک بار ہو گیا
حسرت یہ خوبی ہے ترے اعتذار کی
شکرِ جفا سے اور وہ بیزار ہو گیا

۲۸، مارچ ۱۹۵۰ء مقام کان پور

پیمانِ وفا کے ایسا کا ہم ان سے تقاضا بھول گئے :

اس کا بھی تو اب احساس نہیں کیا یاد رہا کیا بھول گئے

تم جب سے ہوئے جو ہم سے جدا اپنا بھی وہ مسلک ہے ٹھہرا

لوگوں میں جس سے یہ چرچا ہم بھی تمھیں گویا بھول گئے

دینی جو انھیں ہوتی نعمت خود ہی وہ دیتے کیا حسرتؔ

کیوں تم نے طلب میں کی سبقت آئینِ تمنا بھول گئے

۱۸، جولائی ۵۰ء مقام کانپور

جب دور سے وہ گنبدِ خضرا نظر آیا
اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آیا

ہر چار طرف بارشِ انوار کا عالم
موجود پئے دیدۂ بینا نظر آیا

مسجد میں جو تھا متصل روضۂ اطہر
اک قطعہ وہ جنت کا نمونہ نظر آیا

البتہ سکوں بخشی و خوشبو کی رو سے (ق)
ہر حصۂ دنیا سے نرالا نظر آیا

حق بینی کو اس روضۂ اطہر کا منارا
ہم مرتبۂ عرشِ معلا نظر آیا

ہم ہجر کے ماروں کو اسی قرب میں یکسر
بیماریِ فرقت کا مداوا نظر آیا

البتہ جو محرومِ سکوں تھا دلِ حسرتؔ

آخر وہ یہیں آکے شکیبا نظر آیا

۱۹ر جولائی ۵۰ء مقام کان پور

مذاقِ عشق برخوردار کر دے مجھے محوِ جمالِ یار کر دے
مرے سرمایۂ ہوش و خرد کو بیک حکمِ جنوں بیکار کر دے
نہ کیونکر ہو کہ جب وہ خود بلا ئیں تو زہدِ خشک بھی انکار کر دے
عجب کیا گر مرا خوں از سرِ نو ترے خنجر کو جوہر دار کر دے
بس از ترکِ ہوس کیا ہو جو وہ شوخ کہیں پھر شوق کو بیدار کر دے
تماشا ہو جو توفیقِ الٰہی انھیں خود ہیں مجھے خوددار کر دے

مرا ذوقِ ستم اے کاشش حسرتؔ
اسے بھی ضد میں بے آزار کر دے

۲ر تا ۱۲ر اگست ۵۰ء کان پور

رندوں کے لیے میخانے میں کچھ قحطِ مے گلفام نہیں
محروم نہ رہتا کوئی مگر ساقی کی نوازش عام نہیں
مخصوص کرم ہے بھی کوئی معلوم نہیں یہ کسی کو بھی!
غیروں کی شکایت بھی ہے یہی میرا ہی خیال خام نہیں
تقدیر کا شکوہ کیوں میں کروں ہر حال میں راضی کیوں نہ رہوں
تعمیلِ تمنا کیوں چاہوں ایسا ہو تو حسرتؔ نام نہیں

۲۳-۲۴ اگست ۵۰ء کان پور

بادِ نسیم ادھر سے کہ بادِ صبا چلی ۔۔۔ باد مراد ہو کے چلی جو ہوا چلی!
فرقت میں یادِ یار کی اللہ رے بے رخی ۔۔۔ ہم سوچتے ہی رہ گئے کیا آئی کیا چلی
دعوائے ترکِ عشق پہ تجھکو تری نظر ۔۔۔ کیا کچھ نہ طعن و طنز کی باتیں سنا چلی
میری وفا کا ذکر بھی بے صرفہ آگیا ۔۔۔ محفل میں تیری بات جب اے بیوفا چلی
حسرت غرورِ حسن کی خدمت میں عاشقی
پھر بے قرار ہو کے پئے التجا چلی

۶ر ستمبر ۱۹۵۰ء اثنائے راہ بمبئی از کان پور

خو نہ چھوٹی گناہگاری کی ۔۔۔ حد ہے یہ اپنی شرمساری کی
دل میں پیدا ہے نورِ حسبِ حال ۔۔۔ باوجود کمال تاریکی
نکلیں آنسو برائے عفوِ گناہ ۔۔۔ کہ ضرورت ہے آب جاری کی
بے مستی میں بھی حال دل نہ کھلا ۔۔۔ رہ گئی شرم پردہ داری کی
جور کو جور جان کر بھی تو ہم ۔۔۔ خو نہ ڈالیں گے آہ و زاری کی
شکوہ سنجی کو غم نواز گیا ۔۔۔ عاشقی نے وہ طرفہ کاری کی
تو نے حسرت پہ خوب ڈالی ہے
طرح تو آرزو نگاری کی

۲۳، ۲۴ ستمبر ۵۰ء

یہ مجال کس کی ہے اے پری کہ ترے جنوں کی دعا کرے

جو کرے بھی کوئی تو وہ کرے جسے اس کا اہل فدا کرے

نہ تجھے کرم سے ہے واسطہ نہ ہے درگزر ہی کا حوصلہ
کس امید پر ترے روبرو کوئی اعترافِ خطا کرے

تری بے نیازیِ حسن کا یہ ہے عاشقوں سے مطالبہ
نہ کوئی کرم کی ہوس کرے نہ کوئی ستم کا گلا کرے

تجھے کچھ بھی خوفِ خدا نہیں یہ طریق کیا ہے کہ اے حسیں
تو اسی کا دشمنِ جاں ہے دل و دیں جو تجھ پہ فدا کرے

مجھے حسرتؔ آج بھی یاد ہے وہ حسن کا مصرعِ غمنوا
نہ دعا کرو نہ دعا کرو کوئی مر نہ جائے تو کیا کرے

جہازِ محمدی درمیان بحر احمر ۱۶؍ دسمبر ۵۰ء

کس کو چاہوں اور میں تیرے سوا
لیس للانسان الا ما سعیٰ

کر سکے تجھ پہ نہ جان و دل فدا
ہو سکا ہم سے نہ تیرا حق ادا

طرۂ زلف ان کا ہوتا ہے دوتا
دیکھیے کس کس پہ آئے یہ بلا

کر ادھر بھی ایک ابر سائے کرم
اے کہ تیری ذات ہے بحر

کوئی دنیا میں کہاں تیری مثال
باجمال و باکمال و دلربا!

روح پرور ہے ہوائے کاخِ دوست
جاں فزا ہے اس کے کوچہ کی ہوا

قسمت حسرتؔ کی محرومی نہ پوچھ
بے اثر ہے آہ نالہ نارسا

۲ ر اکتوبر ۱۹۵۰ء

جب نظر وہ دیار آتا ہے — گریہ بے اختیار آتا ہے
دل مرا مل کے عشق سے گویا — بر سر روزگار آتا ہے

دیکھئے کب شکیب حسرت کو
سکر غم بر قرار آتا ہے

۲۰ر نومبر ۵۰ء

شوق کو دادِ حیا ملتی نہیں — وہ نگاہ آشنا ملتی نہیں
بوئے کوئے یار سے باوصف زعم — نکہت بادِ صبا ملتی نہیں
شیوہ اہل ریا سے زینہار — خوئے ارباب صفا ملتی نہیں
دیدنی ہے یہ مروت حسن کی — جرم الفت کی سزا ملتی نہیں
ان سے ملنے کی ہوس میں شوق کو — ڈھونڈتا ہے اور دعا ملتی نہیں
آشکارا ہو کہ پنہاں وہ نظر — ملتی ہے ۔ کیا ملتی نہیں
عاشقی سے خوئے ناز حسن دوست — بر سبیل اعتنا ملتی نہیں

یہ بھی حسرت کیا ستم ہے عشق سے
حسن کی دادِ جفا ملتی نہیں

کان پور ۱۲ر اکتوبر ۱۹۵۰ء

سب ترے دام تمنا میں ہیں اے یار بندھے
جن بندھے انس بندھے کافر و دیندار بندھے

دیکھنے ہی میں ہیں وہ حلقۂ گیسو نازک
جس میں ہیں کتنے ہی دلہائے گران بار بندھے

تم اگر سیر کو نکلو تو پھنسیں دل لاکھوں
دل شکاری کا وہ عالم دم رفتار بندھے

جب ترے جلوۂ نظر سوز مسلّم ہے تو پھر
کس خطا پر ہیں ترے طالب دیدار بندھے

پرتو حسن سے زیبا ہی رہے گا حسرت
چاہے جس طور سے وہ طرۂ دستار بندھے

تمام

ALLAMA IQBAL LIBRARY
180847

KASHMIR UNIVERSITY
Iqbal Library
Acc. No. 180847
Dated 2-1-1980

کتبہ ص۔ خ۔ ا۔ ع۔ ا۔ ن۔ خ۔ م۔ ہنوری۔

ALLAMA
IQBAL LIBRARY
UNIVERSITY OF KASHMIR
HELP TO KEEP THIS BOOK
FRESH AND CLEAN.

ALLAMA
IQBAL LIBRARY
UNIVERSITY OF KASHMIR
HELP TO KEEP THIS BOOK
FRESH AND CLEAN.